عقائد الشیعہ

بقلم

سماحۃ فقیہ اہل بیتؑ آیۃ اللہ سید مظہر علی شیرازی دامت برکاتہ

ناشر: مؤسسہ جواد الائمہ علیہم السلام

نام کتاب: عقائد الشیعہ

تالیف: فقیہ اہل بیتؑ آیۃ اللہ سید مظہر علی شیرازی دامت برکاتہ

ایڈیشن: پہلا

تعداد: ۲۰۰۰

ناشر: مؤسسہ جواد الائمہ علیہم السلام

رابطہ نمبر: پاکستان: 0308-4198055

0332-4602522

رابطہ نمبر: ایران: 0098-9196650627

سائٹ: www.aljawaad.com

ای میل: mazharshirazi5@yahoo.com

Mazharshirazi5@gmail.com

ملنے کا پتہ

دار العلوم محمدیہ بلاک نمبر 19

سرگودھا پنجاب، پاکستان

رابطہ نمبر: 0321-6034109

جملہ حقوق بحق مؤلف محفوظ ہیں

فہرست مطالب

مقدمہ ۷

پہلا باب: توحید ۱۳

معرفت کے لازمی ہونے کے بیان میں ۱۵

اثبات صانع ۱۸

اثبات توحید ۲۶

توحید اور اس کے مراتب ۲۷

نذر ۵۰

صفات ذات و صفات فعل ۵۲

دوسرا باب: عدل ۵۸

مسئلہ عدل کا تاریخچہ ۶۰

خدا کیوں عادل ہے؟ ۶۲

مصیبتوں اور دردناک حوادث کا فلسفہ ۶۳

نزول بلیات اور مصائب کی وجوہات ۶۶

قضاء و قدر ۶۸

بدا ۷۲

تیسرا باب: نبوت ۸۰

نبوت عامہ ۸۲

لزوم بعثت انبیاء ۸۲

بعثت انبیاء کے مقاصد اور فوائد ۸۷

تعداد انبیاء ۸۹
انبیاء کی پہچان کے طریقے ۹۰
معجزہ اور جادو میں فرق ۹۰
شرائط نبوت ۹۲
موانع نبوت ۹۳
عصمت ۹۴
نبوت خاصہ، و بعثت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۹۹
عدم تحریف قرآن ۱۰۵
معراج ۱۱۲
خاتمیت ۱۱۴
ختم نبوت کا فلسفہ ۱۱۸
علم غیب ۱۲۵
توسل ۱۴۱
ایک شبھہ کا ازالہ ۱۵۲
چوتھا باب: خلافت و امامت ۱۵۵
عصمت ۱۸۳
دلائل خلافت ۲۰۶
احادیث ۲۴۱
پہلی حدیث: حدیث غدیر ۲۴۱
جن صحابہ نے حدیث غدیر کو روایت کیا ہے ان کے نام ملاحظہ فرمائیں: ۲۵۱

ان تابعین کے نام جنہوں نے حدیث غدیر کو روایت کیا ہے ۲۵۹
دوسری حدیث، حدیث ثقلین ۲۸۰
حدیث ثقلین کے راویوں کے نام ۲۸۴
تیسری حدیث، حدیث سفینۃ ۲۹۱
چوتھی حدیث ۲۹۳
پانچویں حدیث ۲۹۶
حضورؐ کے خلفاء کی تعداد بارہ ہے ۳۰۵
امام مہدی علیہ السلام ۳۲۳
ازالہ شبھہ ۳۳۰
ولایت تکوینی ۳۳۳
باذن اللہ سے کیا مراد ہے؟ ۳۴۳
رجعت ۳۵۸
پانچواں باب: قیامت ۳۶۴
اثبات قیامت پر دلائل ۳۶۸
معاد جسمانی ۳۷۱
برزخ ۳۷۴
قبر میں سوال ۳۷۹
جنت اور دوزخ ۳۸۰
قیامت کے دن سوالات ۳۸۱
اعراف ۳۸۶

شفاعت ۳۸۹

ازالہ شبہ: ۳۹۳

جنت کے سردار کون؟ ۳۹۵

جنتی عورتوں کی سردار ۳۹۷

محبت آل محمدؐ ۳۹۸

عزاداری سید الشہداء امام حسین علیہ السلام ۴۰۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم ولہ الحمد

مقدمہ

خالق کائنات نے انسانوں کی ہدایت کے لیے ہر زمانے میں ہدایت کا بندوبست فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کو بھیجا اور انبیاء پر چار آسمانی کتابیں اور صحیفے [1] نازل کیے جن میں عقائد حق اور زندگی بسر کرنے کے لیے احکام و آداب کو بیان فرمایا تاکہ انسان ان تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر دنیا وآخرت کی سعادت پر فائز ہوسکے۔ ہر نبی نے بنیادی عقیدہ، توحید کی لوگوں کو دعوت دی اور بت پرستی وغیرہ سے منع فرمایا۔ احکام کے حوالے سے مصلحتاً مختلف شریعتیں آتی رہیں جب ہمارے نبی سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت نسخ ہو گئی اور دین اسلام کا آغاز ہو گیا خالق کائنات ارشاد فرماتا ہے: ﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللهِ الإِسْلامُ﴾ [2] بتحقیق اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے اور پھر ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الإِسْلامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ [3]

۱۔ جن میں سے پچاس صحیفے حضرت شیث پر، تیس حضرت ادریس اور بیس حضرت ابراہیم علیہم السلام پر نازل ہوئے و۔۔۔۔

۲۔ آل عمران، آیت ۱۹۔

۳۔ آل عمران، آیت ۸۵۔

اور جو اسلام کے علاوہ کوئی بھی دین تلاش کرے گا تو وہ دین اس سے قبول نہ کیا جائے گا اور وہ قیامت کے دن خسارہ پانے والوں میں ہوگا۔

اب سوال یہ ہے کہ دین کو کس سے لیا جائے؟

امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کا ارشاد ہے۔

جس نے اپنے دین کو لوگوں کی سنی سنائی باتوں سے لیا تو لوگ ہی اس کو اس کے عقیدہ سے ہٹا دیں گے۔ اور جس نے اپنے دین کو قرآن و سنت (یعنی فرامین معصومین علیہم السلام) سے لیا، پہاڑ اپنی جگہ چھوڑ سکتے ہیں لیکن وہ شخص اپنے دین (عقیدہ) کو نہیں چھوڑے گا۔[1]

اس کتاب میں، شیعہ عقائد کی وضاحت کی گئی ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ مطالب واضح اور آشکار بیان کیے جائیں جو کہ ہر طرح کے ابہام سے دور ہوں۔ اور قارئین کو مطالب سمجھنے میں دقت نہ ہو۔

حوالہ جات نیچے حاشیہ میں دیئے گئے ہیں اور کئی مقامات پر عبارات کا ترجمہ آسانی فہم کی خاطر آزاد روش پر کیا گیا ہے اور صاحبان قلم کے لیے اصل عبارات

۱۔ وسائل الشیعہ، ج۱۸، کتاب القضاء ابواب صفات القاضی، باب ۱۰، حدیث ۲۲۔ قال أمیر المومنین علیہ السلام: من أخذ دینه من افواہ الرجال أزالته الرجال ومن أخذ دینه من الکتاب و السنة زالت الجبال ولم یزل۔

کو بھی ذکر کیا گیا ہیں۔ اس کتاب میں دفع شبہات، دقیق نکات اور لطیف اشارات کو بھی ذکر کیا ہے جو کہ صاحبان تحقیق کے لیے راہ گشا ہیں۔

اور اس کتاب میں حتی الامکان کوشش کی گئ ہے کہ حقیقت کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ایسی عبارات سے گریز کیا جائے جو کہ باقی فرقوں کی دل آزاری کا موجب ہوں تاکہ وہ بھی ہماری کتب پڑھیں اور حقائق پر مطلع ہو جائیں۔ خلاصہ یہ کہ یہ کتاب تحقیق پر مبنی اور صحیح عقائد پر مشتمل ہے

مخفی نہ رہے کہ نجات کا دارو مدار دو چیزوں پر ہے: عقیدہ بھی صحیح ہو، اور عمل بھی صحیح ہو۔ کچھ لوگ صرف عمل پر زور دیتے ہیں خواہ عقیدہ خراب ہی ہو اور کچھ لوگ صرف عقیدہ پر زور دیتے ہیں خواہ عمل جیسے بھی ہوں۔ بہر صورت صحیح نظریہ یہ ہے کہ عقیدہ بھی صحیح ہو اور عمل بھی صحیح ہوں۔

خداوند متعال بحق محمد وآل محمد علیہم السلام ، سب مسلمین، مومنین، بالخصوص نوجوان نسل، نسل حاضر اور آیندہ کو حق سمجھنے اور حق پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

والسلام علی من اتبع الهدی

سید مظہر علی شیرازی

حوزہ علمیہ قم المقدسہ

۹ ربیع الاوّل ۱۴۲۶ ہجری قمری

سوال: دین پر اعتقاد رکھنے کے کیا آثار ہیں؟

جواب: ا۔ دین پر اعتقاد رکھنے کے فوائد و آثار:

روحی حوالے سے سکون و آرام اور امنیت دینداری میں ہے چونکہ جو انسان دین نہیں رکھتا وہ روحی حوالے سے ہمیشہ پریشان و مضطرب اور سرگردان رہتا ہے (ولو بظاہر خوشحال نظر آئے)

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَئِكَ لَهُمُ الأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ﴾[1]

جو لوگ ایمان لے آئے اور انھوں نے اپنے ایمان کو ظلم سے آلودہ نہیں کیا انھیں کے لیے امن و سکون ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔

۲۔ انسان ذاتاً تشنہ کمال ہے اور صرف دین ہی ہے کہ انسان کو کمال واقعی کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔

۳۔ دینی اعتقادات ہی ہیں جو کہ انسان کو مشکلات میں قوت دیتے ہیں اور انسان خدا پر توکل کرکے اپنی کوشش کو جاری رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ مومن کے بارے میں رسول خدا ﷺ فرماتے ہیں: " المومن کالجبل الراسخ لا تحرکه العواصف" مومن سخت پہاڑ کی طرح ہے کہ سخت ہوائیں بھی اس کو حرکت نہیں دے سکتیں۔

۴۔ دین انسان کو گناہوں سے بچاتا ہے۔

ا۔ انعام، آیت ۸۲۔

جو شخص دین رکھتا ہے خدا، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ طاہرین علیہم السلام اور قیامت پر واقعاً اعتقاد رکھتا ہے وہ نیکی ہی کرے گا اور کسی پر ظلم نہیں کرے گا اور اس طرح پورے جامعہ اسلامی میں عدالت ہی عدالت ہو گی چونکہ ہر مسلمان جانتا ہے کہ ﴿ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ﴾[1] جو بھی ذرہ بھر بھی نیکی کرے گا اس کو (قیامت کے دن) دیکھے گا اور جو ذرا بھر بھی بدی کرے گا وہ اس کو دیکھے گا۔

لذا ہر مسلمان ہر کام کو شروع کرنے سے پہلے یہ دیکھے گا کہ اس میں معصیت الٰہی تو نہیں ہے چونکہ معصیت عقاب اخروی کا موجب ہوتی ہے۔ لذا انسان مومن کبھی بھی چند روزہ دنیا کی خاطر اپنی آخرت کو خراب نہیں کرتا۔

مخفی نہ رہے کہ ایمان صرف زبانی اقرار کا نام نہیں ہے بلکہ امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام فرماتے ہیں : "الایمان اقرار باللسان و معرفة بالقلب و عمل بالجوارح" ایمان زبان سے اقرار، دل سے معرفت اور اعضاء سے عمل کرنے کا نام ہے۔

اگر معاشرے میں عدالت کو دیکھنا چاہتے ہیں تو ہر انسان کو مؤمن واقعی ہونا چاہیے۔

۱۔ سورہ زلزلہ، آیت ۷۔ ۸۔

دین کے فوائد کے بارے میں امیر المومنین علی علیہ السلام سے چند حدیثیں:

۱. اول الدین معرفته؛ دین کی ابتداء اللہ کی معرفت ہے۔

۲. من رزق الدین فقد رزق خیر الدنیا و الاخرۃ؛ جس کو دین عطا ہو جائے اسے دنیا وآخرت کی بھلائی ہو جاتی ہے۔

۳. الدین افضل مطلوب؛ دین سب سے زیادہ بافضیلت مطلوب ہے۔

۴. نعم القرین الدین؛ بہترین ہمراہ دین ہے۔

۵. اجعل الدین کهفك؛ دین کو اپنی پناہ گاہ قرار دے۔

۶. سبب الورع قوۃ الدین؛ تقویٰ کا سبب دین کی قوت ہے۔

پہلا باب

توحید

معرفت کے لازمی ہونے کے بیان میں

اصول دین کی معرفت اور اس پر اعتقاد رکھنا ہر مکلّف (انسان) پر ضروری ہے اس سلسلے میں سُستی اور کوتاہی عذاب ابدی کا موجب بن جائے گا۔

تین طریقوں سے معرفت حاصل کرنا ممکن ہے:

پہلا طریقہ: عقل، پھر عقل کے ذریعہ معرفت کا اثبات دو طریق سے ثابت ہوتا ہے۔ ا۔ قاعدہ دفع ضرر محتمل، ۲۔ قاعدہ شکر منعم۔

دوسرا طریقہ: قرآن مجید

تیسرا طریقہ: فرامین پیامبر وآئمہ طاہرین علیہم السلام۔

بیان قاعدہ دفع ضرر محتمل: جب بھی انسان کسی چیز کے مجہول ہونے کے بارے میں ضرر کا احتمال بھی دے انسان کی عقل حکم کرتی ہے کہ وہ تحقیق کرے جب تک ضرر سے مطمئن نہ ہو جائے آرام نہ کرے اگر انسان احتمال دے کہ اس شربت کے پیالہ میں زہر ہے کہ نوش کرنے کے ساتھ وہ اسے ختم کر دے گی انسان کی عقل یہ کہتی ہے کہ جب تک اس بارے میں تحقیق نہ کرے اس شربت کو نہ پیئے اگر کوئی بچہ بھی یہ خبر دے کہ آج میں نے آپ کے کمرے میں سانپ دیکھا ہے انسان کی عقل اسے مجبور کرتی ہے کہ جب تک سانپ کے بارے میں تحقیق نہ کرے اس کمرے میں نہ سوئے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں نے فرمایا ہے کہ اس دنیا کا خدا ہے اور اس خدا کی طرف سے ہی پیغمبر آئے ہیں جو بھی اسے اور اس کے پیغمبروں کی معرفت حاصل کرکے ان کے

دستورات پر عمل کرے گا وہ آخرت میں نعمات الٰہی سے متنعم ہوگا۔ اور جو بھی ان کو نہیں مانے گا وہ آخرت میں سخت عذاب میں مبتلاء ہوگا اتنے پیغمبروں کے فرمان سے (نعوذ باللہ) اگر کسی کو یقین یا گمان نہیں آتا تو کم سے کم سچائی کا احتمال تو دے سکتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ ایسا ہی ہو۔

لذا ہر عقل مند انسان پر ضروری ہے کہ وہ مبدا و معاد کے بارے میں تحقیق کرے اور اپنے ربّ کی معرفت حاصل کرے۔

بیان قاعدہ شکر منعم: جب بھی کوئی کسی پر احسان کرے تو عقل کہتا ہے کہ اس کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے۔ اور شکریہ ہر کسی کے حال کے مناسب ہونا چاہیے۔

مزید وضاحت: فرض کریں اگر کوئی شخص ہر روز آپ کے دروازہ کے پیچھے چینی، آٹا وغیرہ کو ہدیے اور تحفے کی صورت میں رکھ کر چلا جاتا ہو تو آپ کی عقل آپ کو مجبور کرے گی کہ اس محسن کو پہچاننا چاہیے کہ یہ کون ہے جو ہر روز تحفہ تحائف ہمارے دروازے پر رکھ کر چلا جاتا ہے اس کو پہچاننا چاہیے اور اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔ خداوند متعال قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے کہ: ﴿وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللهِ لا تُحْصُوهَا﴾ [1]

اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو اس کو شمار نہیں کر سکتے۔

۱۔ سورہ مبارکہ نحل، آیت ۱۸۔

لذا عقل حکم کرتی ہے کہ منعم (انعام کرنے والے) کا شکرادا کرنا چاہیے اور شکر بغیر معرفت کے نہیں ہو سکتا۔ تو اس جہت سے بھی ضروری ہے کہ ہم باری تعالی کی معرفت حاصل کریں کہ کس نے ہمیں خلق کیا اور بے شمار نعمات عطا کی ہیں وہ کون ہے اس کی صفات کیا ہیں اور اس کے دستورات کیا ہیں؟

معرفت کا دوسرا طریقہ، قرآن مجید: قرآن مجید کی بہت سی آیات ہیں جو معرفت کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں۔ ان میں سے یہ آیہ شریفہ بھی ہے: ﴿فَاعْلَمْ أَنَّهُ لاَ إِلَهَ إِلاَّ اللهُ﴾[1] پس جان لے اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں ہے۔ مخفی نہ رہے کہ اعلم صیغہ امر ہے اور امر کی دلالت وجوب پر ہے۔

معرفت کا تیسرا طریقہ: فرامین معصومین علیہم السلام ہیں جو اِن موارد میں ہیں حضورؐ سے اس آیہ شریفہ ﴿ إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ وَاخْتِلاَفِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الأَلْبَابِ﴾[2] بے شک زمین و آسمان کی خلقت دن رات کی آمد و رفت میں صاحبان عقل کے لیے قدرت خدا کی نشانیاں ہیں۔کے بارے میں حدیث نقل ہوئی ہے کہ آپؐ نے فرمایا ویل ہو اس شخص کے لیے جو اس آیت کو تلاوت تو کرے لیکن اس میں تدبر نہ کرے۔

۱۔ سورہ مبارکہ محمدؐ، آیت ۱۹۔

۲۔ آل عمران، آیت ۱۹۰۔

چونکہ یہ آیت آسمانوں اور زمین کی خلقت اور قدرت و حکمت کے آثار پر مشتمل ہے جس سے اس کے صانع کے وجود اور اس کی قدرت و حکمت پر دلالت کر رہی ہے لذا حضور ﷺ نے ایسے شخص کی جو کہ اس آیہ کی تلاوت میں تدبر نہ کرے مذمت فرمائی ہے کہ اس آیت کا قاری، خالق کی معرفت کیوں نہی کرتا اور اس کی قدرت و عظمت کے سامنے تسلیم کیوں نہیں ہوتا۔

اثبات صانع

معروف ہے کہ دین اسلام، خدا کے وجود کو ثابت کرنے کے لیے نہیں آیا بلکہ خدا کی توحید کو ثابت کرنے کے لیے آیا ہے۔

چونکہ اللہ نے انسان کو عقل جیسی عظیم نعمت عطا فرمائی ہے اگر انسان اس دنیا میں طرح طرح کی مخلوقات پر نگاہ کرے اور اس میں غور و فکر کرے تو آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ ان کا کوئی خالق ہے کیونکہ کوئی مخلوق، بغیر خالق کے خود بخود خلق نہیں ہو سکتی، کوئی مصنوع بغیر صانع کے نہیں بن سکتا لذا انسان کی عقل اسے اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر مجبور کرے گی کہ کوئی ذات ہے جس نے اپنی قدرت کاملہ سے ہر چیز کو خلق کیا ہے۔

منقول کہ کسی نے ایک بڑھیا سے جو کہ چرخہ کات رہی تھی سوال کیا کہ تو نے اپنے ربّ کو کیسے پہچانا ہے تو اس نے کہا میں نے اپنے ربّ کو اس چرخہ سے پہچانا ہے، فَاِنّی حَرّکتُه تَحرَّك واِن لَم اُحرِّكهُ سَكَنَ، جب میں اس چرخہ کو حرکت

دیتی ہوں یہ حرکت کرنے لگتا ہے جب حرکت نہیں دیتی تو یہ رُک جاتا ہے جب یہ چھوٹا سا چرخہ بغیر کسی چلانے والے کے نہیں چلتا تو پوری کائنات کا نظام بغیر کسی ناظم اور مدبّر کے کیسے چل سکتا ہے؟ جب حضور ﷺ نے اس بڑھیا کا استدلال سنا تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا: علیکم بِدِینِ العجائز، بوڑھی عورتوں والے دین کو لازم پکڑو یعنی دلیل کے ساتھ دین کو اختیار کرو۔

نیز منقول ہے کہ ایک بادشاہ تھا جو کہ خدا کے وجود کا منکر تھا اس بادشاہ کا وزیر موحّد تھا۔ بادشاہ کو خداشناسی پر استدلال پیش کرتا تو اس کا کچھ اثر بادشاہ پر نہ ہوتا تھا اس نے بادشاہ کو بتائے بغیر بیابان میں خوبصورت محل تعمیر کروایا اس میں طرح طرح کے پھول لگوائے ایک دن بادشاہ کو اس جگہ کے دکھانے کی غرض سے اسے وہاں لے گیا جب بادشاہ نے خوبصورت محل دیکھا تو کہا اس کا معمار اور نقشہ بردار کون ہے؟ وزیر نے کہا: بادشاہ صاحب اس محل کو کسی نے نہیں بنایا ہم اچانک ادھر آئے تو یہ محل تیار ہو گیا۔

بادشاہ نے کہا: کیا میرا مذاق اُڑا رہا ہے کیا ممکن ہے کہ دنیا میں کوئی چیز خود بخود بن جائے؟

وزیر نے فوراً کہا: اگر یہ چھوٹا سا محل بغیر کسی بنانے والے کے نہیں بن سکتا تو یہ پوری دنیا جو اس عظمت کے ساتھ ہے جس میں آسمان، ستارے، زمین، دریا اور طرح طرح کی موجودات ہیں، یہ پوری دنیا بغیر خالق کے کیسے بن گئی؟

غافل بادشاہ کی فطرت نے اسے بیدار کردیا اور وزیر کو آفرین کہا اور خدا شناس ہو گیا۔

اگر انسان کچھ بھی غور و فکر سے کام لے تو کائنات کا ذرا ذرا خالق یکتا کا پتہ دیتا ہے کہ کائنات کا نظام چلانے والا کوئی موجود ہے اس بارے میں کسی مزید استدلال کی ضرورت نہیں ہے لیکن اس کے باوجود علماء متکلمین نے وجود خدا اور اثبات توحید کے بارے میں کئی ایک عقلی اور نقلی برہان اور دلائل اپنی کتب میں تحریر فرمائے ہیں۔

خدا کے وجود کے اثبات پر دانشمندوں نے جو برہان پیش کیے ہیں ان میں سے بعض کو ذکر کیا جاتا ہے: ۱۔برہان حدوث ۲۔برہان وجوب وامکان ۳۔برہان نظم ۴۔برہان فطرت۔

برہان حدوث: ہر حادث، مُحدِث کا محتاج ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کوئی قدیمی صانع، (جو خود سبب اور موجد سے بے نیاز ہو) موجود ہو یہ وہی طریقہ ہے جس کو حضرت ابراہیم خلیل نے صانع کے وجود پر استدلال کیا تھا۔ چنانچہ قرآن مجید نے اس کو یوں بیان فرمایا ہے: ﴿فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَى كَوْكَبًا قَالَ هَذَا رَبِّي فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لا أُحِبُّ الآفِلِينَ - فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هَذَا رَبِّي فَلَمَّا أَفَلَ

قَالَ لَئِنْ لَمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ ۔ فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هَذَا رَبِّي هَذَا أَكْبَرُ فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يَا قَوْمِ إِنِّي بَرِيءٌ مِمَّا تُشْرِكُونَ﴾[۱]

پس جب ان پر رات کی تاریکی چھائی اور انھوں نے ستارہ کو دیکھا تو کہا کہ کیا یہ میرا رّب ہے پھر جب وہ غروب ہوگیا تو انہوں نے کہا کہ میں ڈوب جانے والے کو دوست نہیں رکھتا پھر جب چاند کو چمکتا دیکھا تو کہا کہ پھر یہ ربّ ہوگا پھر جب وہ بھی ڈوب گیا تو کہا کہ اگر پروردگار ہی ہدایت نہ دے گا تو میں گمراہوں میں ہو جاؤں گا پھر جب چمکتے ہوئے سورج کو دیکھا تو کہا کہ پھر یہ خدا ہوگا کہ یہ زیادہ بڑا ہے لیکن جب وہ بھی غروب ہوگیا تو کہا کہ اے قوم میں تمہارے شرک سے بری اور بیزار ہوں۔[۲]

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستارہ چاند اور سورج کے ڈوبنے سے، صانع کے وجود پر استدلال کیا ہے کیونکہ ستارہ وغیرہ کا ڈوبنا یہ حرکت کو مستلزم ہے اور حرکت کا لازمہ، حادث ہونا ہے۔ معلوم ہوا کہ ستارہ، چاند، سورج یہ حادث چیزیں ہیں ان کا بنانے والا کوئی اور ہے اور وہی خدا ہے۔

۱۔ سورہ انعام، آیات ۷٦، ۷۷، ۷۸۔

۲۔ مخفی نہ رہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستارہ، چاند اور سورج کو خدا تسلیم نہیں کیا تھا بلکہ بطور استفہام انکاری کے کہا چونکہ یہ استدلال کا ایک بہترین طریقہ ہے جس سے طرف مخالف اپنی غلطی پر سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

براہان وجوب و امکان: یہ حکماء کا طریقہ ہے کہ خود وجود اور اس کی تقسیم واجب اور ممکن کو دیکھا جائے تو اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ کوئی واجب الوجود ہو جس سے سب ممکنات، وجود میں آئیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ شاید خداوند متعال کے قول کا اشارہ اسی طریقہ کی طرف ہو چنانچہ ارشاد فرماتا ہے: ﴿أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾[1]

کیا پروردگار کے لیے یہ بات کافی نہیں ہے کہ وہ ہر شی کا گواہ اور سب کا دیکھنے والا ہے۔

براہان نظم: واضح ترین دلائل و براہین میں سے،،براہان نظم ہے اس دنیا میں جہاں تک انسان کی فکر کام کر سکتی ہے تمام موجودات میں، نظم و دقت اور مکمل ہماہنگی مشاہدہ ہوتی ہے جس کا دنیا کے دانشمندوں نے اپنی تحقیقات میں اعتراف کیا ہے اور یہ بات بھی روز روشن کی طرح آشکار ہے کہ کوئی نظم بھی بغیر ناظم کے محقق نہیں ہوتا تو معلوم ہوا کہ کائنات کا کوئی ناظم ہے۔

براہان فطرت: خدا شناسی پر بہترین راہ فطرت و دل ہے راہ فطرت سے مراد ایک باطنی شعور اور اندرونی کشش ہے جو کہ انسان کو خدا کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔

۱۔ فصلت، آیت ۵۳۔

یہ فطرت معنوی، ہر انسان میں پائی جاتی ہے ہاں کبھی تاریک حجاب (تاریک پردے)، اس فطرت کے ظاہر ہونے سے مانع ہو جاتے ہیں انبیاء کی بعثت اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کا آنا انہی حجابوں (پردوں) کو دور کرنے اور فطرت الٰہی میں رشد دینے کی وجہ سے ہے چنانچہ خداوند متعال ارشاد فرماتا ہے:

﴿فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَةَ اللهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لا يَعْلَمُونَ﴾[۱] آپ اپنے رُخ کو دین کی طرف رکھیں اور باطل سے کنارہ کش رہیں کہ یہ دین وہ فطرت الٰہی ہے جس پر اللہ نے انسانوں کو پیدا کیا ہے اور خلقت الٰہی میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی ہے یقیناً یہی سیدھا اور مستحکم دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

زرارہ نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے خدا کے قول فطرۃ اللہ ۔۔۔ کے بارے میں پوچھا تو امام علیہ السلام نے فرمایا: خدا نے سب کو فطرت توحید پر خلق کیا ہے۔[۲]

عن زرارة قال سألت أبا عبد الله علیه السلام عن قول الله عزوجلّ (فطرة الله الّتی فطر الناس علیها) قال فطرهم جمیعاً علی التوحید۔

۱۔ سورہ روم، آیت ۳۰۔

۲۔ بحار الانوار، ج ۳، ص ۲۷۸۔

امام رضا علیہ السلام اپنے آباء طاہرین کے واسطہ سے سید ساجدین علی بن الحسین علیہ السلام سے قول خدا (فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا) کے بارے میں نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا (اس سے مراد یہ ہے) لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علیؑ امیرالمومنین الی ھھنا التوحید۔[۱]

مخفی نہ رہے کہ اوپر والی روایت میں آیت کے ایک مصداق توحید کو بیان کیا گیا ہے اور اس روایت میں آیت کے دوسرے مصداق، ولایت کو بیان کیا گیا ہے تو ان دو روایتوں میں کوئی منافاۃ نہیں ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا ہر مولود فطرت پر پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کے ماں باپ اسے یہودی بنادیتے ہیں یا نصرانی۔[۲]

تو یہ تربیت کا اثر ہے ورنہ ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ ہاں کبھی غلط ماحول، غلط تربیت اور غلط پروپیگنڈہ اور گناہ کی وجہ سے اس فطرت پر حجاب طاری ہو جاتے ہیں۔

۱۔ تفسیر قمی، ذیل آیہ ۳۰ از سورہ روم۔

۲۔ بحار الانوار، ج ۳، ص ۲۸۱؛ اہل سنت کی کتب میں بھی اسی مضمون کی روایات ملتی ہیں۔ کما رواہ ابو یعلی فی مسندہ و الطبرانی فی الکبیر و البیہقی فی السنن۔

فطرت کا ظہور

آیات و روایات سے استفادہ ہوتا ہے کہ جب انسان مضطر ہو جائے اور ہر طرف سے اس پر مایوسی چھا جائے بعبارۃ دیگر ماسِوی اللہ سے منقطع ہو جائے تو اس وقت ہر انسان خدا کی طرف توجہ کرتا ہے فطرتاً اپنے آپ کو خدا کی طرف محتاج پاتا ہے اگر یہ حالت پیدا ہو جائے تو انسان اور اس کے معبود کے درمیان فاصلہ نہیں ہے۔

منقول ہے کہ ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے خدا کی پہچان کروائیں کیونکہ اہل مجادلہ نے مجھ سے بہت باتیں کی ہیں اور مجھے انہوں نے سرگردان کردیا ہے۔امام علیہ السلام نے فرمایا: آیا تا حال کبھی کشتی پر سوار ہوا ہے؟ کہا: جی ہاں، فرمایا کبھی کشتی کے ساتھ کوئی واقعہ بھی پیش آیا ہے کہ وہاں اور کوئی کشتی بھی موجود نہ ہو اور تیرنے والا جو تجھے نجات دے وہ بھی موجود نہ ہو، کہا: جی ہاں ایسا واقعہ پیش آیا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: آیا اس وقت کوئی احساس کیا ہے کہ کوئی طاقت ہے جو تجھے اس مصیبت سے نجات دے دے۔ کہا: جی ہاں، فرمایا: وہی (طاقت) خدا ہے کہ جو تجھے نجات دے جہاں اور کوئی مدد کرنے والا نہ ہو۔[1]

۱۔ بحار الانوار، ج ۳/ ۴۱۔

پس دیکھ لیا کہ فطرت خدا شناسی کے لیے اصلی اور بنیادی سرمایہ ہے لیکن کبھی غلط ماحول بعبارت دیگر گناہ کی آلودگی کی وجہ سے فطرت زنگ آلودہ ہو جاتی ہے اور مانع حق نمائی ہو جاتی ہے۔

امیر المومنین علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں: من عرف نفسه فقد عرف ربه؛ جس نے اپنے آپ کی پہچان کرلی اس نے خدا کی معرفت حاصل کرلی۔

اثبات توحید

خدا شناسی کی بحث ذکر کرنے کے بعد یہ بحث مطرح ہوتی ہے کہ آیا ممکن ہے کہ دنیا میں دو یا چند خالق موجود ہوں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہر گز ایسا نہیں ہے خداوند کمال مطلق ہے اس کی کوئی حد نہیں ہے خدا جو کہ ازلی و ابدی ہے زمان و مکان اس کی مخلوق ہے وہ ایک کے سوا ممکن نہیں ہے کہ ہو۔ اگر خدا کے نا محدود اور نامتناہی ہونے پر توجہ کریں تو سمجھ جائیں گے کہ نا محدود ایک کے سوا ممکن ہی نہیں کہ ہو چونکہ تعدد محدود اور متناہی ہونے کا موجب ہے۔

توحید و یگانگی کے اثبات کے سلسلے میں طرح طرح کے دلائل دیئے گئے ہیں جن میں سے بعض کو ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ **برہان ترکیب**: خدا ایک ہے اگر دوگانگی فرض کریں تو یہ ترکیب کو مستلزم ہے مرکب ہونا یہ احتیاج کو مستلزم ہے نیاز و احتیاج، خداوند کے ساتھ سازگار نہیں ہے، کما لا یخفی۔

۲۔ اگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور خدا ہوتا تو اس کی طرف سے بھی انبیاء آتے کیونکہ خدائی کالازمہ، بشر کی ہدایت ہے۔

حالانکہ سب انبیاء اور اوصیاء نے خدا کی وحدانیت کے بارے میں خبر دی ہے تو یہ خدا کی یگانگی پر قطعی دلیل ہے۔

امیر المومنین امام علی علیہ السلام اپنے بیٹے امام حسن علیہ السلام کو وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وَ اعْلَمْ أَنَّهُ لَوْ كَانَ لِرَبِّكَ شَرِيكٌ لَأَتَتْكَ رُسُلُهُ وَ لَرَأَيْتَ آثَارَ مُلْكِهِ وَ سُلْطَانِهِ وَ لَعَرَفْتَ صِفَتَهُ وَ فِعَالَهُ وَ لَكِنَّهُ إِلَهٌ وَاحِدٌ كَمَا وَصَفَ نَفْسَه "[1]

اور جان لو اے میرے بیٹے اگر تمہارے پروردگار کا کوئی اور شریک ہوتا تو اس کے رسول بھی تمہارے پاس ضرور آتے اور تم یقیناً اس کی حکومت کے آثار بھی دیکھتے اس طرح اس کے افعال و صفات کی معرفت بھی تمہیں حاصل ہوتی مگر سچ یہ ہے کہ وہ خدا ایک ہے جیسا کہ اس نے خود اپنی توصیف کی ہے۔

توحید اور اس کے مراتب

مخفی نہ رہے کہ توحید کی کئی اقسام اور مراتب ہیں جن میں اہم پانچ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ نہج البلاغہ، نامہ ۳۱، وصیت بہ امام حسن علیہ السلام۔

۱۔ توحید ذاتی ۲۔ توحید صفاتی ۳۔ توحید خالقیت ۴۔ توحید ربوبی
۵۔ توحید عبادی۔

توحید ذاتی: توحید ذاتی سے مراد یہ ہے کہ خدا ایک ہے اس جیسا کوئی نہیں اس کے مانند اور ہم پلہ کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا جیسا کہ قرآن مجید نے اس کی یکتائی اور بے مثل ہونے پر تاکید فرمائی ہے۔

﴿ قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ ۔ اللهُ الصَّمَدُ ۔ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ۔ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ ﴾

(اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم کہہ دو کہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے، نہ اس سے کوئی جنا ہے نہ اس کو کسی نے جنا اور اس کا کوئی ہمسر نہیں۔

نیز خدا کی ذات بسیط ہے اس کا کوئی جز نہیں ہے۔ اس میں ترکیب اور کسی قسم کی کثرت ممکن ہی نہیں چنانچہ سورہ توحید میں دونوں امروں کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے سورہ توحید کا دوسرا نام سورہ اخلاص بھی ہے شاید اس وجہ سے اس کا نام اخلاص ہو کہ خدا کو ہر حوالے سے ذات اور صفات میں خالص اور یکتا مانا جائے۔

جب خدا کی ذات بسیط ہے اس کا کوئی جزء نہیں تو عیسائیوں کا تثلیث یعنی تین خداؤں (باپ، بیٹا اور روح القدس) والا عقیدہ باطل ثابت ہوا۔ اور اگر تینوں خدا مستقل وجود رکھتے ہوں تو اس صورت میں یہ توحید ذاتی (کہ اس کی مانند کوئی نہیں) کے ساتھ منافاۃ رکھتی ہے۔ ان شئت التفصیل فراجع الی المطولات

توحید صفاتی: خداوند متعال سب صفات کمالیہ کا مالک ہے اور صفات کمالیہ مانند علم و قدرت اور حیات اس کی عین ذات ہیں۔ یہ اوصاف مفہوم کے حوالے سے ایک دوسرے اختلاف رکھتے ہیں علم کا مفہوم اور ہے اور قدرت کا مفہوم اور ہے لیکن یہ اوصاف اس کی عین ذات ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ خدا کی ذات سے اس کا علم جدا ہو بلکہ خدا عین علم، عین قدرت، عین حیات ہے۔ بعبارت دیگر اس کی صفات اگرچہ مفہوم میں مختلف لیکن مصداق میں متحد ہیں۔ انسان کی ذات اور ہے اور صفت علم اس سے جدا ہے۔ ممکنات کی ذات اور صفات آپس میں ایک دوسرے سے جدا ہوتی ہیں لیکن خدا چونکہ واجب الوجود ہے اس کی صفات عین ذات ہیں۔ چنانچہ امیرالمومنین علی علیہ السلام خدا کی ذات اور صفات کی وحدت کے بارے میں ارشار فرماتے ہیں۔ وکمال الاخلاص له نفی الصفات عنه لشهادة کل صفة انها غیر الموصوف و شهادة کل موصوف انه غیر الصفة[1]۔ توحید میں کمال اخلاص یہ کہ -زائد بر ذات — صفات کی نفی کریں کیونکہ ہر صفت اپنے موصوف سے اختلاف اور ہر ایک موصوف، صفت سے جدائی کی گواہی دیتا ہے۔

۱۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۔

توحید خالقیت: کائنات میں جو کچھ ہے وہ سب اللہ کی مخلوق ہے اللہ کے سوا کوئی خالق نہیں ہے نہایت امر یہ کہ کائنات میں جو کچھ ہے وہ خدا کی بالمباشرہ (بلا واسطہ) یا سبب کے ذریعے اس کی مخلوق ہے۔

قرآنی نصوص

﴿قُلِ اللهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ [1]

کہہ دیجئیے کہ اللہ ہی ہر شئی کا خالق ہے اور وہی یکتا اور سب پر غالب ہے۔

﴿ أَنَّى يَكُونُ لَهُ وَلَدٌ وَلَمْ تَكُنْ لَهُ صَاحِبَةٌ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ [2]

اس کے اولاد کس طرح ہو سکتی ہے اس کی تو کوئی بیوی بھی نہیں ہے اور وہ ہر شئی کا خالق ہے اور وہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللهِ﴾ [3]

انسانو! اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو کیا اس کے علاوہ بھی کوئی خالق ہے۔

مخفی نہ رہے کہ اس مسئلہ توحید خالقیت میں اہل سنت میں سے اشاعرہ، خالقیت کو صرف خدا میں منحصر سمجھتے ہیں غیر اللہ کو نہ مستقلاً اور نہ ہی تبعاً خالق

۱۔ سورہ الرعد، آیت ۱۶۔

۲۔ سورہ انعام، آیت ۱۰۱۔

۳۔ الفاطر، آیت ۳۔ و آیات دیگر بہ ہمین مضمون۔

نہیں مانتے اور اس بناء پر موجودات امکانیہ میں علیت و معلولیت، تأثیر و تاثر کے منکر ہیں۔

اور اہل سنت میں معتزلہ کی طرف منسوب ہے کہ وہ عالم امکان میں قانون علیت کے ملتزم ہیں لیکن وہ کہتے ہیں اشیاء کے حدوث میں خالق صرف اللہ ہے لیکن جب اشیاء حادث، ایجاد ہو جائیں پھر وہ قانون علیت عام کے تحت اپنے افعال و آثار میں مستقل ہیں۔ یہ تفویض والا نظریہ ہے۔

تیسرا نظریہ شیعہ کا ہے جو کہ خالقیت کو صرف خدا میں ہی حدوثاً اور بقاءً منحصر سمجھتا ہے اور نظام وجود میں قانون علیت کا بھی ملتزم ہے، اگر انسان اس نظام امکانی پر غور کرے تو اس میں نظام اسباب و مسببات کو پاتا ہے چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے

﴿ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ ﴾[1] اور پھر آسمان سے پانی برسا کر تمہاری روزی کے لیے (بذریعہ پانی) پھل نکالے ہیں۔ تو اس آیت میں باء سببیت کی ہے معلوم ہوا کہ ثمرات اور نباتات کی پیدائش میں پانی تاثیر کرتا ہے۔

۱۔ سورہ مبارکہ بقرہ، آیت ۲۲۔

﴿ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَسُوقُ الْمَاءَ إِلَى الأَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهِ زَرْعاً تَأْكُلُ مِنْهُ أَنْعَامُهُمْ وَأَنْفُسُهُمْ أَفَلا يُبْصِرُونَ ﴾ (۱) کیا ان لوگوں نے یہ نہیں دیکھا ہے کہ ہم پانی کو چٹیل میدان کی طرف بہالے جاتے ہیں اور اس کے سبب (ذریعہ) زراعت پیدا کرتے ہیں جسے یہ خود بھی کھاتے ہیں اور ان کے جانور بھی کھاتے ہیں تو کیا یہ دیکھتے نہیں ہیں۔

﴿ اللهُ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَاحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهُ فِي السَّمَاءِ كَيْفَ يَشَاءُ ﴾ (۲)

اللہ وہی ہے جو ہواؤں کو چلاتا ہے تو وہ بادلوں کو اڑاتی ہیں پھر وہ ان بادلوں کو جس طرح چاہتا ہے آسمان میں پھیلا دیتا ہے۔

تو اس آیت میں فتثیر سحابا میں صراحت پائی جاتی ہے کہ ہوائیں بادلوں کو اڑاتی ہیں ایک طرف سے دوسری طرف لے جاتی ہیں تو معلوم ہوا بادلوں کی حرکت کے لیے ہوائیں علل تکوینی اور اسباب ہیں۔

﴿ وَتَرَى الأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ﴾ (۳)۔ اور تم زمین کو مردہ دیکھتے ہو پھر جب ہم پانی برسا دیتے ہیں

۱۔ سورہ مبارکہ سجدہ، آیت ۲۷۔

۲۔ سورہ مبارکہ روم، آیت ۴۸۔

۳۔ سورہ حج، آیت ۵۔

تو وہ لہلہانے لگتی ہے اور ابھرنے لگتی ہے اور ہر طرح کی خوبصورت چیز اگانے لگتی ہے۔

﴿ مَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ ﴾[۱]۔ جو لوگ خدا کی راہ میں اپنے اموال خرچ کرتے ہیں ان کے عمل کی مثال اس دانہ کی ہے جو سات بالیاں اُگاتا ہے۔

اس آیت میں سات بالیوں کے اگانے کی نسبت حبّہ دانہ کی طرف دی گئی ہے۔

البتہ مخفی نہ رہے انسان کے افعال کو خدا نے انسان کی طرف نسبت دی ہے انکی نسبت بلاواسطہ خدا کی طرف صحیح نہیں ہے جیسا کہ انسان کا کھانا پینا اٹھنا، نکاح کرنا، نماز، روزہ وغیرہ یہ افعال انسان کے ساتھ قائم ہیں اور اسی کی طرف مستند ہیں انسان ہی کھاتا پیتا، بڑھتا، سمجھتا، سوتا چلتا پھرتا ہے قرآن کی نگاہ میں انسان ہی ان افعال کا فاعل اور علت ہے۔ و التفصیل فی محلہ۔

توحید خالقیت میں اشاعرہ اور معتزلہ کا نظریہ صحیح نہیں ہے بلکہ حق نظریہ، شیعہ اثنا عشریہ کا ہے۔ ہم خالقیت کو مستقلاً و بالذات صرف خدا ہی میں منحصر سمجھتے ہیں لیکن اس کی طرف سے خالقیت ماذونہ (جس کی اجازت دی گئی ہے) یہ توحید خالقیت کے ساتھ منافات نہیں رکھتی۔ اور اسباب امکانیہ خواہ طبعی ہوں یا غیر طبیعی، فواعل شاعرہ کی فاعلیت یہ موثرات اور اللہ کے اذن اور

۱۔ سورہ بقرہ، آیت ۲۶۱۔

مشیت سے ہے۔ ان کی فاعلیت، خدا کی فاعلیت کے عرض میں نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ خدا نے بادلوں کی حرکت کو ہواؤں کی طرف دی ہے کہ ہوائیں بادلوں کو چلاتی ہیں اور اسی حرکت کی نسبت کو اپنی طرف دی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

﴿ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللهَ يُزْجِي سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهُ ثُمَّ يَجْعَلُهُ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ ﴾[1]

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا ہی بادل کو چلاتا ہے اور پھر انہیں آپس میں جوڑ کر تہہ بہ تہہ بنا دیتا ہے پھر تم دیکھو گے کہ اس کے درمیان سے بارش نکل رہی ہے۔

اور کبھی خدا انبات کی نسبت دانہ کی طرف دیتا ہے جیسا کہ سورہ بقرہ کی آیت ۲۶۱ اور سورہ حج کی آیت ۵ میں ہے اور کبھی نسبت اپنی طرف دیتا ہے۔

﴿ وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا بِهِ حَدَائِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ﴾[2]۔

اور ہم نے تمہارے لیے آسمان سے پانی برسایا ہے پھر ہم نے اس سے خوشنما باغ اُگائے ہیں۔

۱۔ سورہ نور، آیت ۴۳۔

۲۔ سورہ نمل، آیت ۶۰۔

خدا (موت) مارنے کی نسبت ملائکہ (فرشتوں) کی طرف دیتا ہے اور کبھی یہ نسبت اپنی طرف دیتا ہے کہ اللہ مارتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

﴿ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتَّى إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لا يُفَرِّطُونَ ﴾[1]۔ اور وہی خدا ہے جو اپنے بندوں پر غالب ہے اور تم سب پر محافظ فرشتے بھیجتا ہے یہاں تک کہ جب کسی کی موت کا وقت آ جاتا ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے نمائندے اسے اٹھالیتے ہیں اور کسی طرح کی کوتاہی نہیں کرتے۔

﴿ قُلْ يَتَوَفَّاكُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ ﴾[2]۔ ملک الموت تمہیں مارے گا۔

﴿ اللهُ يَتَوَفَّى الأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا ﴾[3]۔

اللہ ہی ہے جو روحوں کو موت کے وقت اپنی طرف بلالیتا ہے۔

خدا، لوگوں کے اعمال کی کتابت کی نسبت اپنی طرف دیتا ہے کہ اللہ لکھتا ہے وہی خدا کتابت کی نسبت اپنے نمایندوں (ملائکہ) کی طرف دیتا ہے۔

ملاحظہ فرمائیں: ﴿ وَاللهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُونَ ﴾[4]۔

۱۔ سورہ انعام، آیت ۶۱۔

۲۔ سورہ سجدہ، آیت ۱۱۔

۳۔ سورہ زمر، آیت ۴۲۔

۴۔ سورہ نساء، آیت ۸۱۔

اور خدا ان کی باتوں کو لکھ رہا ہے۔

﴿أَمْ يَحْسَبُونَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ بَلَىٰ وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُونَ﴾[1]

یا ان کا خیال ہے کہ ہم ان کے راز اور خفیہ باتوں کو نہیں سن سکتے تو ہم کیا ہمارے نمایندے سب کچھ لکھ رہے ہیں۔

مخفی نہ رہے کہ کائنات کے امور کی تدبیر بھی خلقت کی طرح اللہ تعالیٰ میں منحصر ہے جس کا قرآن نے مشرکین سے اعتراف لیا ہے۔

﴿وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ﴾[2]۔

اور کون سارے امور کی تدبیر کرتا ہے تو یہ سب یہی کہیں گے کہ اللہ۔ اس کے باوجود کہ تدبیر، اللہ کرتا ہے قرآن، غیر اللہ کی تدبیر کی تصریح فرما رہا ہے کہ اللہ کے علاوہ بھی تدبیر کرنے والے ہیں۔

﴿فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا﴾[3]۔

پھر امور کا انتظام کرنے والے ہیں۔

معلوم ہوا کہ مذکورہ تمام مطالب میں جہاں نسبت ہواؤں کی طرف، دانہ کی طرف، پانی کی طرف، ملائکہ کی طرف دی گئی ہے اور پھر وہی نسبت خدا کی

۱۔ سورہ زخرف، آیت ۸۰۔

۲۔ سورہ یونس، آیت ۳۱۔

۳۔ سورہ نازعات، آیت ۵۔

طرف دی گئی ہے اس کا آپس میں کوئی منافات اور تضاد نہین ہے چونکہ مذکورہ اشیاء کی طرف نسبت اس وجہ سے ہے کہ وہ اللہ کے اذن کے ساتھ یہ کام انجام دیتے ہیں۔ اور اس کے اذن سے ہی تاثیر گذار ہیں، پس کائنات میں جو کچھ ہے وہ اللہ کی مخلوق ہے یا بلاواسطہ یا بذریعہ اسباب و علل کما مرّ۔

توحید ربوبی و توحید افعالی

لغت میں ربّ کا معنی مالک، سردار، اصلاح کنندہ ہے۔

توحید ربوبی سے مراد یہ ہے کہ انسان یہ عقیدہ رکھے کہ کائنات کی سب تدبیر خدا کے ہاتھ میں ہے۔ کائنات میں کوئی چیز بھی اپنی تدبیر میں مالک نہیں ہے انسان کی زندگی کی برگشت بھی خدا کی طرف ہے اس عالم ممکنات میں اگر اسباب اور مدبرات ہیں تو وہ سب خدا کے لشکر ہیں اس کے امر اور مشیت سے انجام دیتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ربوبیت اور تدبیر مستقلًا و بالذات خدا ہی میں منحصر ہے اور قرآن کی آیہ مبارکہ﴿ فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا﴾[1] پھر امور کا انتظام کرنے والے ہیں۔

یہ خدا کی ربوبیت اور تدبیر کے ساتھ منافات نہیں رکھتی چونکہ یہ انتظام کرنے والے اسی کے حکم سے انتظام کرتے ہیں۔

۱۔ سورہ نازعات، آیت ۵۔

اور ربوبیت میں شرک سے مراد یہ ہے کہ کہا جائے خدا کے لیے مخلوقات ہیں اور کائنات کا انتظام خدا نے ان کے حوالے کر دیا ہے اور خود خدا، ان کے خلق کرنے کے بعد سب امور کو ان کے سپرد کرنے کے بعد کنار ہو گیا ہے اور تدبیر امور میں کوئی عمل دخل نہیں رکھتا یہ عقیدہ رکھنا شرک ہے۔

﴿قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ۔ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ﴾ (۱)

کہہ دیجئے کہ سات آسمانوں اور عرش اعظم کا ربّ کون ہے تو پھر کہیں گے کہ اللہ ہی ہے۔

توحید افعال: توحید افعالی سے مراد یہ ہے کہ خدا ہی خلق کرتا ہے، رزق دیتا ہے، زندہ کرتا ہے، مارتا ہے، عطا کرتا ہے و۔۔۔ اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے وہ اپنی قدرت کاملہ سے خلق کرتا ہے، روزی دیتا ہے، زندگی دیتا ہے اور مارتا ہے اور اپنے کاموں میں کسی کا محتاج نہیں ہے۔ توحیدا افعال کے بہت سے گروہ مخالف ہیں ان میں سے ایک مفوضہ ہیں اور مفوضہ کے چند گروہ ہیں: ا۔ یہود، جن کا اعتقاد یہ ہے کہ کائنات، پیدائش میں صانع کی محتاج ہے لیکن بقاء میں محتاج نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ خدا نے اتوار کے دن سے لے کر جمعہ تک دستگاہ آفرینش کو خلق کیا پھر ہفتہ کے دن آرام کیا اور اس دستگاہ نے اپنے کام کو جاری

ا۔ سورہ مومنون، آیت ۸۶، ۸۷۔

رکھا اور پھر اسے خدا کی کوئی احتیاج نہیں ہے۔ خداوند متعال نے اس گروہ کے عقیدہ کو قرآن میں ردّ کیا ہے۔

﴿ وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللهِ مَغْلُولَةٌ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ ﴾(۱)۔

اور یہودی کہتے ہیں کہ خدا کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں جب کہ اصل میں انہیں کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور یہ اپنے قول کی بناء پر ملعون ہیں اور خدا کے ہاتھ کھلے ہوئے ہیں اور وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔

اور ایک دوسری آیت میں فرماتا ہے: ﴿ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ ﴾(۲) وہ ہر روز ایک نئی شان والا ہے۔

دوسرا گروہ اہل سنت سے مفوضہ کا ہے جو کہتے ہیں انسان اپنے افعال میں مستقل ہے۔ اللہ نے انسان کو علم و قدرت اور ارادہ دیا ہے اور جو کچھ انسان کہتا ہے اپنے ارادہ اور اختیار سے کہتا ہے اور خدا کا ارادہ انسانوں کے فعل میں کچھ مدخلیت نہیں رکھتا برخلاف اشاعرہ (گروہ دیگر اہل سنت) کہ انسانوں کے افعال کو خدا کے ساتھ مستند جانتے ہیں اور انسانوں کو اپنے کاموں میں مجبور اور بمنزلہ آلہ فعل سمجھتے ہیں۔

۱۔ سورہ مائدہ، آیت ۶۴۔

۲۔ سورہ الرحمٰن، آیت ۲۹۔

ہم شیعہ حضرات کی احادیث میں آیا ہے کہ لا جبرولا تفویض بل اَمْرٌبین الامرین، یعنی نہ جبر ہے کہ انسان بالکل اختیار نہ رکھتا ہو اور نہ تفویض ہے کہ فاعل مستقل ہو بلکہ ان دو امروں کی درمیانی صورت ہے۔

تیسرا گروہ مفوضہ کا ہے جو کہتے ہیں اللہ نے خلق کرنے، رزق دینے، مارنے، جینے وغیرہ کے کاموں کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ طاہرین علیہم السلام یا ملائکہ مقربین، مانند جبرئیل و میکائیل، اسرافیل عزرائیل کے حوالے کر دیا ہے۔

لیکن یہ عقیدہ باطل ہے ائمہ طاہرین علیہم السلام سے اس گروہ کی مذمت میں بہت ساری حدیثیں نقل ہوئی ہیں۔

خلاصہ یہ کہ خدا نے خلق کرنے، رزق دینے، مارنے اور زندہ کرنے وغیرہ کا کام بطور مستقل (یعنی قطع نظر اپنے اذن کے) کسی کے تفویض نہیں کیا۔

چنانچہ حکماء، عقول اور مفوضہ، انبیاء اوصیاء اور ملائکہ کے بارے میں گمان رکھتے ہیں اور حکماء طبیعی، طبیعی قوتوں، اسباب اور معدّات مانند سورج، چاند، ستارے، زمین، ہوا اور بارش کے بارے میں گمان رکھتے ہیں۔

لیکن مخفی نہ رہے کہ حکمت الٰہی نے ایسا اقتضاء کیا ہے کہ اکثر امور بغیر واسطہ اور سبب کے موجود نہ ہوں ابی اللہ ان یجری الامور الا باسبابھا[1]۔ لذا اللہ چاہتا ہے کہ سب کام اسباب کے ذریعہ جاری ہوں۔

۱۔ اصول کافی، باب معرفۃ الامام، حدیث ۷۔

یہی وجہ ہے کہ بعض اشیاء کو دوسری بعض اشیاء کی پیدائش کے لیے سبب قرار دیا ہے خواہ وہ اسباب اختیاری ہوں جیسے: جماع انعقاد نطفہ کا سبب ہے یا بیج بونا زراعت کا سبب ہے، خواہ اسباب غیر اختیاری ہوں جیسے جلانے کا سبب آگ ہے، روشنی اور حرارت کا سبب سورج ہے، تولیدی بخار اور بادلوں کا سبب حرارت ہے اور بادل، بارش کے نزول کا سبب ہے۔ اسی طرح دوسرے اسباب طبیعی۔ اور اسی قبیل سے ہے جیسا کہ روایات میں آیا ہے کہ اسرافیل واسطہ حیات ہے میکائیل رزق کا واسطہ ہے، جبرائیل علم اور عزرائیل قبض روح کا واسطہ ہے۔

جس طرح موجودات اصل وجود میں حق تعالیٰ کے فیوضات کے محتاج ہیں اسی طرح بقاء میں بھی اس کے محتاج ہیں اگر وہ چاہے کہ فلاں موجود ختم ہو جائے یا اس کا اثر نہ رہے تو فوراً اس کا وجود اور اثر ختم ہو جائے گا۔

خلاصہ یہ کہ اس عالم امکان کے سب امور پیدا کرنا، مارنا، زندہ کرنا، رزق وغیرہ دینا یہ سب خدا کا کام ہے ہاں اگر اس کے اذن کے ساتھ انبیاء، اوصیاء یا ملائکہ سے کوئی یہ کام انجام دے تو اس کا شرک کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو باذن اللہ زندہ کرتے تھے اور مادر زاد نابیناؤں کو شفا دیتے تھے یا میکائیل رزق تقسیم کرتا ہے تو یہ عقیدہ شرک نہیں ہے کیونکہ وہ اس کے اذن کے ساتھ یہ کام انجام دیتا ہے اور اس کام میں وہ

مستقل نہیں ہے کہ جس طرح خود چاہے کرے اور اسے خدا کے اذن کی ضرورت نہ ہو۔ اگر کوئی یہ عقیدہ رکھے کہ وہ اذن الٰہی کے بغیر مستقلاً یہ کام انجام دیتا ہے یہ شرک ہے اور اگر یہ عقیدہ ہو کہ میکائیل اللہ کے اذن کے ساتھ رزق تقسیم کرتا ہے تو یہ عقیدہ صحیح ہے۔

مخفی نہ رہے کہ ملائکہ اور روح یعنی جبرائیل شب قدر کی رات، سب مقدرات کو امام زمانہ علیہ السلام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ مقدّرات یعنی کس کے ہاں فرزند ہونا ہے، کس کو کتنا رزق ملنا ہے، کس کی قسمت میں اس سال زیارت کربلا یا دیگر مشاہد مشرفہ میں حاضر ہونا لکھا ہے، کس نے اس سال مرنا ہے، کس کو خوشی نصیب ہونی ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب مقدّرات کی لسٹیں، ملائکہ امام معصوم امام زمانہ علیہ السلام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں جن پر امام علیہ السلام دستخط کرتے ہیں کیونکہ وہ مخلوق پر خدا کی حجت اور اللہ کے خلیفہ ہیں۔

امام معصوم علیہ السلام فرماتے ہیں: نحن ابواب اللہ، ہم اللہ کے دروازے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ امام سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خدا بندوں کے رزق کو ہمارے ہاتھوں پر تقسیم اور جاری کرتا ہے کما فی بصائر الدرجات میکائیل کا رزق تقسیم کرنا اور محمد وآل محمد علیہم السلام کے ہاتھوں پر اس کا تقسیم ہونا اور جاری ہونے میں یعنی ان دونوں باتوں میں کوئی منافات

نہیں ہے کیونکہ فرشتہ بھی اولی الامر کے تابع ہوتا ہے اور اولی الامر کا امر خدا کا امر ہوتا ہے رزق خدا کا ہی ہوتا ہے اور دیتا بھی وہی ہے۔ رازق خدا ہے، اب اس کی مرضی کہ وہ اسے جس کے ہاتھ پر جاری کردے۔ اس بناء پر اگر رزق کو اللہ کے اذن سے حضرت علی علیہ السلام تقسیم کردیں تو اس میں کیا حرج ہے؟

محمد وآل محمد علیہم السلام علت غائی کائنات ہیں

انہی کی وجہ سے خدا نے پوری مخلوق کو خلق کیا ہے سب مخلوق پر خواہ وہ عرشی ہوں یا فرشی۔ حق تعالیٰ کی طرف سے جو افاضہ ہو رہا ہے وہ سب انہی حضرات چہاردہ معصومین علیہم السلام کی وجہ سے ہے۔

محمد وآل محمد علیہم السلام باذن اللہ کائنات میں جو تصرفات کرنا چاہیں کر سکتے ہیں، جس مردے کو زندہ کرنا چاہیں تو باذن اللہ اسے زندہ کر سکتے ہیں اور باذن اللہ عورت کو مرد بنا سکتے ہیں اور مرد کو عورت میں تبدیل کر سکتے ہیں اور ایسا ہوا ہے اور کسی شاک (شک کرنے والے) کو کتا کہہ دیں تو وہ فوراً کتا بن جاتا ہے جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک شخص کو کہا تھا اور وہ کتا بن گیا تھا۔ [1] البتہ مخفی نہ رہے کہ امام معصوم، خدا کی دی ہوئی اس طاقت کو عام حالات میں ہر وقت استعمال نہیں کرتے۔

ا۔ شواہد النبوۃ ملا جامی (حالات امام جعفر صادق علیہ السلام)۔

توحید عبادی

عبادت صرف خدا کی ذات کے لیے مخصوص ہے صرف وہی عبادت کے لائق ہے اور کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ إِنَّ صَلاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ لَا شَرِيكَ لَهُ ﴾(۱)۔ کہہ دیجئے کہ میری نماز، میری عبادتیں، میری زندگی، میری موت سب اللہ کے لیے ہے جو عالمین کا پالنے والا ہے۔

مخفی نہ رہے کہ انبیاء کی بعثت کا عمدہ مقصد، لوگوں کو خدا کی پرستش کی طرف دعوت دینا تھا۔

﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولاً أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ﴾(۲)۔ اور یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا ہے کہ تم لوگ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو۔

ایک اور آیت میں سب اہل کتاب کو خدا کے سامنے خضوع اور عبادت کی دعوت دی گئی ہے۔

۱۔ سورہ انعام، آیت ۱۶۲۔
۲۔ سورہ نحل، آیت ۳۶۔

﴿ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلا اللهَ وَلا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللهِ ﴾[۱]۔

اے پیغمبر آپ کہہ دیں کہ اہل کتاب آؤ ایک منصفانہ کلمہ پر اتفاق کر لیں کہ خدا کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں آپس میں ایک دوسرے کو خدائی کا درجہ نہ دیں۔

نیز ہر مسلمان نماز میں اللہ کی عبادت کی گواہی دیتا ہے﴿إيّاك نَعبُدُ﴾ (خدایا) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔

تنبیہ: مخفی نہ رہے کہ انبیاء، اوصیاء اور اولیاء کی تعظیم و تکریم ضروری اور موجب اجر و ثواب ہے اور یہ تعظیم و تکریم ان کی عبادت نہیں ہے اور نہ ہی یہ شرک ہے جیسا کہ والدین کی تعظیم اور ان کے سامنے جھکنا یہ ان کی عبادت نہیں ہے چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ﴿وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا﴾[۲]۔

۱۔ سورہ آل عمران، آیت ۶۴۔

۲۔ سورہ اسرائیل، آیت ۲۴۔

اور ان کے لیے خاکساری کے ساتھ اپنے کاندھوں کو جھکا دینا اور ان کے حق میں دعا کرتے رہنا کہ پروردگار اُن دونوں پر اسی طرح رحمت نازل فرما جس طرح کہ انہوں نے بچپنے میں مجھے پالا ہے۔

اگر کسی کے سامنے مطلّقاً جھکنا اور خضوع کرنا یہ شرک ہوتا تو خدا، انسان کو والدین کی تعظیم اور ان کے سامنے جھکنے کا حکم نہ دیتا۔

عبادت اور تعظیم میں کیا فرق ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہہ اگر مخضوع لہ (جس کے سامنے خضوع کیا جائے) کو کوئی خدا سمجھ کر خضوع کرتا ہے تو یہ خضوع اس کی عبادت محسوب ہو گی اور خضوع کرنے والا مشرک ہے۔ لیکن اگر کوئی مخضوع لہ کو خدا نہ مانتا ہو بلکہ یہ اعتقاد رکھتا ہو کہ یہ خدا کا عبد صالح ہے جیسا کہ انبیاء، اوصیاء، ائمہ طاہرین علیہم السلام اور ان کی اولاد صالح تو ان کی تعظیم و تکریم شرک نہیں ہو گی۔ اور نہ ہی وہ معبود، محسوب ہوں گے۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو حضرت آدم علیہ السلام کا سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا: ﴿وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ﴾[1]۔ اور یاد کرو وہ موقع جب ہم نے ملائکہ سے کہا کہ آدم کے لیے سجدہ کرو تو ابلیس کے علاوہ سب نے سجدہ کرلیا۔

۱۔ سورہ بقرہ، آیت ۳۴۔

آپ کا کیا خیال ہے کہ اللہ نے، فرشتوں کو شرک کرنے کا حکم دیا تھا؟ ہر گز نہیں، یا حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں اور ان کے والد اور خالہ کا حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرنا کیا یہ شرک تھا؟ ﴿وَخَرُّوا لَهُ سُجَّداً﴾ [۱] اور سب یوسف کے سامنے سجدہ میں گر پڑے۔ [۲]

معلوم ہوا اگر مخضوع لہ (جس کے سامنے خضوع کیا جائے) کو کوئی اپنا خدا اور ربّ سمجھ کر خضوع کرتا ہے تو یہ شرک ہے اور اگر اس عقیدہ کے بغیر خضوع کرے تو یہ شرک نہیں ہے اور مخضوع لہ کی عبادت بھی محسوب نہیں ہے۔ اگرچہ اسلام میں غیر اللہ کو سجدہ کرنا جائز نہیں ہے شاید اس حرمت کی وجہ یہ ہو کہ سجدہ، عبادت کے لیے عام وسیلہ اور طریقہ ہے اور سب قوموں کے نزدیک اللہ کی عبادت، سجدہ کے ذریعہ ہوتی ہے لذا اسلام کسی غیر اللہ کے سامنے سجدہ کی اجازت نہیں دیتا۔ صحیح حدیث میں ہے کہ پیغمبر اسلام نے فرمایا: کہ اگر میں کسی کو کسی کا سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ کما فی الوسائل۔ (کتاب النکاح)

۱۔ سورہ یوسف، آیت ۱۰۰۔

۲۔ چاہے حضرت آدم علیہ السلام کو ملائکہ کے سجدہ کی نسبت قبلہ مانا جائے کما فی الروایات یا مثلاً خود آدمؑ کا سجدہ مانا جائے اتنی بات مسلم ہے کہ ملائکہ نے آدم کو خدا سمجھ کر سجدہ نہیں کیا تھا بلکہ حکم خدا سمجھ کر حضرت آدمؑ کو سجدہ کیا تھا اور یہ سجدہ کرنا ان پر واجب تھا اور یہ حضرت آدمؑ کی عبادت نہیں تھی بلکہ خدا کی عبادت تھی اور آدمؑ کو سجدہ ان کے احترام اور تعظیم کی خاطر تھا کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کی صلب میں محمد و آل محمد علیہم السلام کا نور تھا۔ اسی طرح برادران یوسف اور ان کے والد نے بھی حضرت یوسف کو خدا سمجھ کر سجدہ نہیں کیا۔

خلاصہ یہ کہ قرآن مجید کا بوسہ لینا یا معصومین علیہم السلام کی ضریحوں کا بوسہ لینا[۱] یا سادات اور علماء ،اساتید کا احترام کرنا اور ان کے ہاتھ چومنا یا والدین کی تعظیم و تکریم کرنا درست ہے اور یہ ان کی عبادت نہیں ہے اور اس چیز کا شرک کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے اور اسی طرح بزرگان دین کے ایام ولادت کو خوشی کا اظہار کرنا اور مدح سرائی کرنا اور ان کی وفات اور شہادت کے ایام کو سوگواری کرنا یہ صحیح ہے اور یہ ان کی تعظیم اور احترام ہے۔ خالق کائنات ارشاد فرماتا ہے:

﴿قُلْ لا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَى﴾[۲]۔(اے پیغمبرؐ) آپ کہہ دیجئیے کہ میں تم سے اس تبلیغ رسالت کا کوئی اجر نہیں چاہتا علاوہ اس کے کہ میرے اقرباء سے محبت کرو۔

اہل سنت کی کتب میں بھی تصریح موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میرے اقرباء سے مراد علی، فاطمہ، حسن اور حسین علیہم السلام ہیں۔[۳]

۱۔ جدید وہابی فرقہ قبر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ معصومین علیہم السلام کی قبور کا بوسہ دینے کو شرک سمجھتے ہیں حالانکہ اس کا شرک سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

۲۔ سورہ شوری، آیت ۲۳۔

۳۔ صواعق محرقہ۔

نذر

نذر صرف خدا کے لیے ہے اور نذر میں صیغہ پڑھنا ضروری ہوتا ہے لیکن یہ شرط نہیں کہ وہ عربی میں پڑھا جائے۔ شیعہ کے نزدیک نذر، عہد، قربانی غیر خدا کے لیے جائز نہیں ہے۔ نذر کو ہر جگہ پر انجام دیا جاسکتا ہے لیکن مشاہد مشرفہ کاایک خاص مقام اور احترام ہے اس لیے مومنین نذر کی ادائیگی وہاں کرتے ہیں۔

نذر کا صیغہ یوں ہے کہ کہے: للّٰہ علیّ نذر أن أفعل کذا أو أن اقول کذا۔

نذر کرتے وقت کہے: مجھ پر خدا کے لیے نذر ہے کہ میں فلاں کام انجام دوں گا۔ مثلاً مجلس امام حسین علیہ السلام کروں گا یا دو رکعت نماز پڑھوں گا یا قربانی کروں گا یا صدقہ دوں گا وغیرہ۔ یا مجھ پر خدا کے لیے نذر ہے کہ میں مثلاً فلاں دعا، قرآن کی فلاں سورہ کی تلاوت کروں گا یا امام علیہ السلام کا معجزہ مومنین کو سناؤں گا۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے نذر صرف خدا کے لیے ہوتی ہے لیکن نذر کی قربانی وغیرہ کا ثواب جس امام کو یا کربلا کے جس شہید یا دیگر اولیاء و صلحاء کو ہدیہ کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ عرف عام میں جو کہا جاتا ہے کہ میں یہ صدقہ فلاں ولی کے لیے دوں گا تو اس سے مراد صدقہ کا مصرف ہے کہ اس کا ثواب اس ولی کو پہنچے۔

نذر کے احکام کی تفصیل کے بارے میں فقہی کتب کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

تذکر: مومنین و مومنات کے ہاں معجزات ائمہ علیہم السلام کے سنانے کا جو رواج پایا جاتا ہے اس کا بھی وہی طریقہ ہے جو اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ کہ نذر کے وقت یوں کہے کہ مجھ پر خدا کے لیے نذر ہے کہ میں امام علیہ السلام کا فلاں معجزہ گھر میں پڑھوں گا یا پڑھواؤں گا اور نیاز تقسیم کروں گا۔ یہ نذر صحیح ہے اور اس کا ثواب جس نبی، امام یا شہید کو ہدیہ کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔

صاحبان علم و فضل سے ہماری خواہش ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کے معجزات جو کتب معتبرہ میں منقول ہیں ان سے جتنا ممکن ہو معجزات کا ترجمہ کرکے رسالہ جات کی صورت میں طبع کروائیں تا کہ مومنین و مومنات اپنی نذور میں احسن طریقے سے استفادہ کر سکیں۔

اس سلسلہ میں مدینۃ المعاجز[1]، اثبات الھداۃ، بحار الانوار، کفایۃ الموحدین، القطرہ اور دیگر کتب کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

مخفی نہ رہے کہ توحید کے اور مراتب بھی ہیں۔ جیسے توحید در امر و حکم، توحید در توکل وغیرہ ذلک۔

ا۔ مدینۃ المعاجز اور القطرہ کا ترجمہ اردو زبان میں طبع ہو چکا ہے۔

صفات ذات و صفات فعل

فعل ثبوتیہ کی دو قسمیں ہیں: ا۔ صفات ذات وہ ہیں جو کہ خدا کی عین ذات ہیں وہ خدا کی ذات سے جدا نہیں ہیں جیسے علم و قدرت و حیات اور ہر وہ صفت جس کی بازگشت ان تین صفات کی طرف ہوتی ہو جیسے ازلی، ابدی، مدرک، سمیع، بصیر، حکیم، غنی وغیرہ۔

صفات فعل: وہ صفات ہیں جو خدا سے تعلق رکھتی ہیں یعنی جب تک وہ فعل اس سے صادر نہ ہو اس پر اس وصف کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا جیسے خالق و رازق۔ خدا تھا اور ایک وقت ایسا تھا جس وقت خدا نے کسی چیز کو خلق نہیں کیا تھا صفات فعل میں اِذَا اور اِنْ داخل ہوتا ہے۔ اذا اراد شیئا اور صفات ذات میں اِذَا عَلِمَ یا اِنْ عَلِمَ نہیں کہا جاسکتا۔

صفات ثبوتیہ: خداوند متعال کی صفات کو شمار کرنا ممکن نہیں ہے جتنی بھی صفات کمالیہ کا تصور ہو سکتا ہے وہ سب حق تعالیٰ کے لیے حاصل ہیں صفات ثبوتیہ سے مراد وہ صفات ہیں جو خدا کی ذات کے لائق ہیں اور اس کے علاوہ اور کسی کے واسطے نہیں ہیں۔

علم کلام میں جن صفات الٰہی کے متعلق بالخصوص بحث کی جاتی ہے وہ درج ذیل آٹھ صفات ہیں:

ا۔ قدیم: حق تعالیٰ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

۲. قادر: یعنی قدرت رکھنے والا، وہ ہر شی پر قدرت کاملہ رکھتا ہے۔
۳. عالم: جاننے والا، وہ ہر شی کا جاننے والا ہے کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔
۴. حیّ: یعنی زندہ، وہ زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔
۵. مُرید: یعنی صاحب ارادہ ہے یعنی فاعل مختار ہے۔
۶. مُدرِک: حق تعالیٰ ہر ظاہر اور پوشیدہ چیز کا ادراک اور معلوم کرنے والا ہے۔
۷. متکلم: وہ کلام کو تخلیق کرتا ہے یعنی ہر شی کو تکلم کرنے کی طاقت عطا کرسکتا ہے۔
۸. صادق: حق تعالیٰ اپنی باتوں میں صادق ہے اس کی گفتار میں جھوٹ کا شبہ تک نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ جھوٹ بھولنا قبیح ہے اور خدا قبیح کام سے منزہ ہے۔

مخفی نہ رہے کہ صفات الٰہی میں وہ صفات جو کمال کی قسم سے تعلق رکھتی ہیں انہیں صفات ثبوتیہ یا صفت جمال کہتے ہیں اور وہ صفات جو نقص و عیب کی قسم سے تعلق رکھتی ہیں انہیں صفات سلبیہ یا صفات جلال کہا جاتا ہے۔

صفات سلبیہ: وہ صفات جو خدا کی ذات کے لائق نہیں اس کی ذات ہر قسم کے نقص و عیب سے پاک و منزہ ہے۔

خدا جسم نہیں رکھتا۔
خدا کسی مخصوص مکان میں نہیں ہے وہ ہر جگہ موجود اور حاضر ہے۔
خدا کسی چیز میں حلول نہیں کرتا یعنی کسی شئ میں نہیں سماتا۔[۱]
خدا کو آنکھوں سے دیکھا نہیں جاسکتا، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بنی اسرائیل نے کہا ہم اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک خدا کو اعلانیہ نہ دیکھ لیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا سے رؤیت کی درخواست کی اور جواب منفی ملا: ﴿قَالَ لَن تَرَانِي﴾[۲] فرمایا: تم ہر گز مجھے نہیں دیکھ سکتے۔

۱۔ **ازالہ شبہ**: جب خدا کے لیے کوئی خاص مکان نہیں ہے وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے تو پھر دعا کرتے وقت ہاتھوں کو آسمان کی طرف کیوں کیا جاتا ہے؟
اس کا جواب یہ ہے: اگرچہ خدا کے لیے کوئی خاص مکان نہیں ہے وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے لیکن چونکہ رزق کا معدن آسمان ہے اور عرش اللہ کی باعظمت مخلوق ہے۔ لذا حکم دیا گیا ہے دعا کے وقت اپنے ہاتھوں کو اوپر آسمان عرش کی طرف بلند کیا کریں اور روزی چونکہ آسمان سے نازل ہوتی ہے چنانچہ قرآن میں ارشاد حق تعالیٰ ہے: ﴿هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ آيَاتِهِ وَيُنَزِّلُ لَكُم مِّنَ السَّمَاءِ رِزْقًا﴾ (سورہ مبارکہ غافر، آیت ۱۳)
وہی وہ ہے جو تمہیں اپنی نشانیاں دکھلاتا ہے اور تمہارے لیے آسمان سے رزق نازل کرتا ہے۔
چونکہ رحمت اور برکات کا نزول وہاں سے ہوتا ہے لذا بوقت دعا ہاتھوں کو اوپر بلند کیا جاتا ہے۔
۲۔ سورہ اعراف، آیت ۱۴۳۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لا تُدْرِكُهُ الأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾[1] آنکھیں اسے نہیں دیکھ سکتیں اور وہ لوگوں کی نظروں کا برابر ادراک رکھتا ہے کہ وہ لطیف بھی ہے اور خبیر بھی ہے۔

سوال: خدا کو نہ دنیا میں نہ آخرت میں دیکھنا ممکن نہیں ہے تو پھر اس آیت کے بارے میں جس میں رؤیت کا ذکر آیا ہے کیا کہیں گے:

﴿وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ - إِلَى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾[2] اس دن بعض شاداب چہرے اپنے خدا کی طرف دیکھیں گے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب اپنے مقام میں ادلہ قطعیہ کے ساتھ یہ بات ثابت ہے کہ خدا جسم نہیں رکھتا، چہرہ نہیں رکھتا، ہاتھ نہیں رکھتا، اعضاء نہیں رکھتا تو یہاں ایک کلمہ مقدّر (تقدیر میں) ماننا پڑے گا کہ یہاں مراد رحمت خداوندی ہے کہ اس دن بعض شاداب چہرے اپنے رب کی رحمت کو دیکھیں گے۔

ازالہ شبہ: مخفی نہ رہے کہ خدا کی رؤیت حسی اور بصری (آنکھوں) سے ممکن نہیں ہے۔ نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں کیونکہ رؤیت بصری کا لازمہ یہ ہے کہ وہ جسم رکھتا ہو اور جسم اعضاء اور مکان کا محتاج ہے اور یہ چیزیں ممکنات کے لیے ہیں نہ کہ واجب الوجود کے لیے۔ لیکن رؤیت قلبی اور باطنی مشاہدہ، جو ایمان

۱۔ سورہ انعام، آیت ۱۰۳۔

۲۔ سورہ قیامت، آیت ۲۲، ۲۳۔

کامل کے نتیجہ میں حاصل ہوتا ہے اس کا اولیاء الٰہی کے بارے میں امکان بلکہ وقوع بھی ممکن ہے۔ جیسا کہ امیر المومنین علی علیہ السلام کو کسی نے عرض کیا: کیا آپ نے خدا کو دیکھا ہے تو آپ نے فرمایا کہ میں بغیر دیکھے کسی کی عبادت نہیں کرتا ہوں، تو سائل نے کہا کہ آپ خدا کو کس طرح دیکھتے ہیں؟ امیر المومنین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: لا تدرکه العیون بمشاهدة العیان ولکن تدرکه القلوب بحقائق الایمان[1]؛ ظاہری آنکھیں اسے نہیں دیکھ سکتیں لیکن حقیقت ایمان کے ذریعہ دل سے اسے دیکھ سکتے ہیں۔

خدا کا کوئی بھی شریک نہیں ہے اور وہ محل حوادث بھی نہیں ہے۔

تذکر: مخفی نہ رہے کہ آسمانی اور زمینی مخلوق کو خدا کی پہچان، محمد و آل محمد علیہم السلام نے کروائی ہے چنانچہ امام علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اگر ہم (چودہ) نہ ہوتے تو خدا کی پہچان نہ ہوتی اور نہ ہی خدا کی عبادت ہوتی۔

۱۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۷۹۔

دوسراباب

عدل

ہم شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ خداوند متعال عادل ہے اور صفت عدل، خدا کی صفات جمالیہ سے ہے عدل الٰہی کا عقیدہ نہایت اہمیت کا حامل ہے کیونکہ عدل الٰہی کے عقیدہ کا تعلق ایک طرف تو خدا پر ایمان رکھنے سے مربوط ہے اور دوسری طرف قیامت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور ایک طرف مسئلہ نبوت و امامت نیز احکام کے فلسفہ اور جزاء و سزا، جبر و تفویض کے ساتھ گہرا تعلق رکھتا ہے لذا اگر اصل عدالت کو نہ مانا جائے تو سب اعتقادات اسلامی مخدوش نظر آئیں گے۔

مسئلہ عدل کا تاریخچہ

اگرچہ سب فرق اسلامی خدا کی عدالت کے قائل ہیں لیکن عدالت کے معنی اور تفسیر میں اختلاف رکھتے ہیں اہل سنت کا ایک گروہ اشعری ہے جن کا نظریہ یہ ہے کہ خدا سب ہستی کا مالک ہے جو کام بھی کرے (خواہ نیک اور پرہیزگاروں کو جہنم میں ڈال دے اور بُرے اور بدکاروں کو جنت میں بھیج دے) یہ عین عدالت ہے۔

اس گروہ کا نظریہ یہ ہے کہ خدا کے افعال کے بارے میں حسن و قبح نہیں ہے جو وہ انجام دے وہ اچھا اور نیکو ہے اس گروہ کا رئیس ابوالحسن اشعری ہے جو کہ ابو موسی اشعری کی نسل سے تھا۔

اس عقیدہ کی پیدائش کا انگیزہ کیا ہے؟اس کا انگیزہ یہ ہے کہ چونکہ اشعری جبر کے قائل تھے یعنی اس گروہ کا عقیدہ یہ تھا کہ انسان اپنے فعل میں خود مختار نہیں ہے بلکہ مجبور ہے جو کچھ بھی انجام دیتا ہے وہ خدا کے ارادہ سے ہے۔

تو اس نظریہ پر جب یہ اعتراض ہوا کہ جب انسان اپنے افعال میں مجبور ہے اگر انسان غلط اور برے کام کرتا ہے تو (نعوذ باللہ) یہ خدا کی خواست سے انجام دیتا ہے تو پھر خدا، انسان کو برے کام پر سزا کیوں دے گا۔ بعبارت دیگر جب برے کام خود ہی کرواتا ہے تو پھر سزا کا کیا مطلب ہے؟ لہذا اس گروہ سے جب اس اعتراض اور سوال کا جواب نہ بن پایا تو عدل الہٰی کا انکار کر دیا اور کہنے لگے کہ خدا جو کام بھی کرتا ہے وہ عین عدالت ہے۔

عقیدہ حق کون سا ہے؟ کیا عقل اچھائی اور برائی کو درک کر سکتی ہے؟

حق بات یہ ہے کہ انسانی عقل حسن و قبح اور اچھائی و برائی کو ادراک کر سکتی ہے چونکہ اللہ نے انسان کو عقل جیسی عظیم نعمت عطا فرمائی ہے۔ جس کے ذریعہ سے ہی وہ توحید اور نبوت کا اثبات کرتا ہے اور اگر عقل کی ذاتی صلاحیت کے منکر ہو جائیں تو پھر معرفت الہٰی اور معارف اسلامی کی پہچان اور تصدیق کیسے ممکن ہو گی؟ ہر انسان کی عقل یہ کہتی ہے کہ عدل (عدالت) اچھی چیز ہے ظلم قبیح اور بری چیز ہے۔ احسان کرنا، سچ بولنا، امین ہونا یہ اچھی چیزیں ہیں۔

جھوٹ، خیانت، دھوکہ، چوری، حسد، کینہ، جہالت، بے جا غضب وغیرہ یہ بُری چیزی ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ عقل، حسن و قبح کو درک کر سکتی ہے، ہاں انسان کی معلومات چونکہ محدود ہیں انبیاء کی بعثت سے ادراکات عقلی کو تائید بھی ہو گئ اور جن امور کے ادراک عقلی میں اپنی محدودیت کی وجہ سے ناتوانی پائی جاتی تھی وہ بعثت انبیاء سے ظاہر اور آشکار بھی ہو گئے۔

خدا کیوں عادل ہے؟

کیونکہ عدل، صفت کمال ہے اور خداوند متعال سب کمالات کا مالک ہے۔ کیونکہ وہ اپنے عدل کی خبر دے چکا ہے۔

کیونکہ پوری مخلوقات کا انتظام اس کے عدل کا مقتضی ہے۔

کیونکہ عدل کے مقابلے میں ظلم ہے اور ظلم، ہر عاقل کے نزدیک برا ہے اور خدا ہر برائی سے منزہ اور پاک ہے لہٰذا وہ ظالم نہیں ہو سکتا پس وہ عادل ہے۔

کیونکہ ظلم وہ کرتا ہے جو عدل کے انجام دینے سے عاجز ہو یا ظلم کے سوا اس کے لیے کوئی چارہ نہ ہو خدا عجز سے منزہ ہے بعبارت دیگر ظلم احتیاج اور ضرورت کی وجہ سے کیا جاتا ہے اور ذات حق تعالیٰ محتاج نہیں ہے۔

کیونکہ اس نے اپنے آپ سے ظلم کی نفی کی ہے ﴿إِنَّ اللهَ لا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ﴾[۱] خدا کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا۔ پس وہ عادل ہے۔

تذکر: مخفی نہ رہے کہ حق تعالیٰ تکوینیات میں بھی عادل ہے، تشریعات اور جزاء دینے میں بھی عادل ہے۔و التفصیل فی محلہ۔

مصیبتوں اور دردناک حوادث کا فلسفہ

سوال: جب خدا عادل ہے کہ حقاً عادل ہے تو پھر بعض کا مصیبتوں میں مبتلاء ہونا، یا اپنے اہداف میں ناکام ہونا، بیمار ہونا، یا ناقص الخلقت ہونا، نابینا پیدا ہونا یا گونگا ہونا یا بہرا اور مفلوج ہونا وغیرہ یہ سب چیزیں عدل الٰہی کے ساتھ کیسے سازگار ہو سکتی ہیں؟

جواب: جب یہ بات عقلی اور نقلی دلیلوں سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ، حکیم و عادل ہے کوئی کام بغیر حکمت کے انجام نہیں دیتا تو معلوم ہے کہ مذکورہ امور میں کوئی نہ حکمت ضرورت ہے اور اگر ہم ان امور کی حکمت کو نہ جان سکیں تو یہ ہماری آگاہی کی محدودیت ہے۔

البتہ مخفی نہ ہے کہ کچھ مصائب ایسے ہیں جن کا موجب اصلی خود انسان ہے مثلاً انسان اپنے امور میں سستی و غفلت کرے محنت اور کوشش نہ کرے، یا

۱۔ سورہ نساء، آیت ۴۰۔

اگر کوئی طالب علم درس نہ پڑھے اور محنت سے کام نہ لے تو اب اگر ناکامی ہوتی ہے تو وہ خود اس کی اپنی طرف سے ہے یا مثلاً کوئی شخص گلی سڑی غذا کھائے تو اس کے اثر میں بیمار ہو جائے تو یہ بھی اس کی اپنی غلطی کی وجہ سے بیماری میں مبتلا ہوا ہے۔ یا مثلاً جو نظم و ضبط سے کام نہیں لیتا تو اس وجہ سے اگر کوئی پریشانی لاحق ہو جائے تو یہ بھی اس کی اپنی کوتاہی کی وجہ سے ہے۔

یا مثلاً اگر والدین (نکاح اور جماع) کے بارے میں اسلامی دستورات کی مراعات نہ کریں تو اس کے اثر میں اگر بچہ ناقص الخلقۃ پیدا ہو جائے، اگرچہ بچہ بے قصور ہے لیکن اس کے والدین کے ظلم و جہل کی وجہ سے بچے پر طبیعی اثرات کی وجہ سے وہ ناقص پیدا ہو تو اس کا مواجب اس کے والدین بنے ہیں۔

لیکن معصومین علیہم السلام کیطرف سے اس طرح کے نقص کی روک تھام کے لیے فرمودات نقل ہوئے ہیں کہ کن کن عورتوں کے ساتھ شادی نہیں کرنی چاہیے اور کن کن اوقات میں جماع سے پرہیز کرنا چاہیے تاکہ اولاد ناقص الخلقہ نہ ہو۔ بلکہ روایات میں ان امور کا بھی ذکر آیا ہے کہ جن کی رعایت سے بچہ خوش استعداد اور خوبصورت پیدا ہوتا ہے۔ ان شئت التفصیل فراجع الی مظانہ۔

لہٰذا ناکامیوں، مصیبتوں اور اس طرح کی بلاؤں کا موجب خود انسان یا دیگر لوگ ہیں ان کو خدا کے حساب میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔

چنانچہ قرآن میں ارشاد رب العزت ہے:

﴿مَا أَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ﴾[1]

تم تک جو اچھائی اور کامیابی پہنچی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو بھی برائی پہنچی ہے وہ خود تمہاری طرف سے ہے۔

اور پھر ارشاد رب العزت ہے:

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾[2]

اور لوگوں کے ہاتھوں کی کمائی کی بناء پر فساد خشکی اور تری ہر جگہ غالب آگیا ہے تاکہ خدا ان کے کچھ اعمال کا مزہ چکھا دے تو شاید یہ لوگ پلٹ کر راستے پر آجائیں۔

مخفی نہ رہے کہ جیسا کہ اوپر ذکر کیا جاچکا ہے کہ خدا جو کام کرتا ہے حکمت، مصلحت اور عدالت کے مطابق کرتا ہے کیونکہ وہ حکیم و عادل ہے فعل قبیح اور ظلم اس کی ذات سے محال ہے عدل کے متعلق بہت سے اشکالات، جہالت، و قائع اور مصائب کے فلسفہ کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہیں۔ مثلاً جس نے یہ خیال کیا کہ موت ختم ہو جانے کا نام ہے تو پھر یہ اشکال کر دیا کہ فلاں جوان شخص

۱۔ سورہ نساء، آیت ۷۹۔

۲۔ سورہ روم، آیت ۴۱۔

کیوں مر کر گیا یا جو یہ خیال کرتے ہیں کہ دنیا رہنے کی جگہ ہے تو پھر یہ کہہ دیا کہ زلزلہ اور تباہ کن سیلاب کیوں آئے جس سے اتنے نقصانات ہوئے۔

یا جو لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ دنیا آسائش کی جگہ ہے تو پھر اعتراض کر دیا کہ وہ گروہ کیوں محروم ہیں حالانکہ اگر دنیا اور اس کی خلقت کے مقصد کی پہچان ہو جائے تو بہت سے اشکالات ختم ہو جاتے ہیں۔

نزول بلیات اور مصائب کی وجوہات

۱. ممکن ہے بلاؤں کا آنا سزا کی وجہ سے ہو جیسا کہ گذشتہ کئی قوموں کا نابود ہونا۔ ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الأَمْوَالِ وَالأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ﴾[1]

اور ہم یقیناً تمہیں تھوڑے خوف، تھوڑی بھوک اور اموال، نفوس اور میوؤں کی کمی سے آزمائیں گے اور اے پیغمبر آپ ان صبر کرنے والوں کو بشارت دے دیں۔

۲. ممکن ہے امتحان کی وجہ سے ہوں۔

۳. ممکن ہے تربیت نفوس و تکمیل درجات کی وجہ سے ہوں بعبارت دیگر انسان کو بیدار کرنے کے لیے ہوں۔

۱۔ سورہ بقرہ، آیت ۱۵۵۔

۴. ممکن ہے گناہوں کے کفارہ اور تخفیف عذاب کی وجہ سے ہوں جیسا کہ کئی ایک احادیث سے مستفاد ہے۔
۵. ممکن ہے قیامت کے دن بلندی درجات کی وجہ سے ہوں۔
٦. ممکن ہے کسی اور وجہ سے ہوں جن کو ہماری ناقص عقل نہ سمجھ سکتی ہو۔

خلاصہ یہ کہ خدا ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے وہ بے مثل و مثال ہے، وہ جسم نہیں رکھتا۔ ظاہری آنکھوں سے اسے دیکھا نہیں جاسکتا، وہ ہر جگہ موجود ہے، وہ عادل ہے کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

مجسمہ اہل سنت کا ایک گروہ ہے ان کا عقیدہ یہ ہے کہ خدا جسم رکھتا ہے (العیاذ باللہ) خدا کے ہاتھ ہیں، پاؤں، اور دیگر اعضاء و جوارح ہیں، وہ عرش پر بیٹھا ہوا ہے اور چار چار انگلی عرش سے باہر ہے، اور وہ جمعہ کی رات کو اوپر سے نیچے چوتھے آسمان پر اترتا ہے، جب طوفان نوح آیا تو مخلوق کے غرق ہو جانے پر کفار و مشرکین کی ہلاکت پر شدید گریہ کیا حتی کہ اس کی آنکھیں خراب ہو گئیں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معراج کی رات خدا کو جوانی کی حالت میں دیکھا۔

قیامت کے دن خدا کرسی پر بیٹھے گا اور کرسی چڑچڑائے گی، قیامت کے دن خدا مومن لوگوں سے مصافحہ کرے گا۔

قیامت کے دن خدا اپنا قدم جہنم میں رکھے گا اور جہنم کہے گی کہ اب میں بھر گئی ہوں۔

جہنم میں قدم رکھنے والی روایت، اہل سنت کی معتبر کتاب صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور دیگر کتب میں موجود ہے۔ یہ ہے اہل سنت کا عقیدہ توحید۔

قضاء و قدر

قضاء کے لغت میں بہت معانی ذکر ہوئے ہیں: ۱۔ خلق کرنا، ۲۔امر، ۳۔اعلام، ۴۔ حکم، ۵۔ فعل، ۶۔اتمام یا حاجت کا پورا کرنا یا معانی دیگر۔

اصطلاح میں قضاء، افعال الٰہی جو کہ اس دنیا میں مخلوقات کی نسبت جاری ہوتے ہیں، کا نام ہے۔ قضاء و قدر کا مسئلہ عدل الٰہی کے باب میں نہایت اہم اور دقیق مسئلہ ہے۔ اور اس کو سمجھنا ہر ایک کے بس کا روگ نہیں ہے چونکہ یہ خدا کے اسرار میں سے ایک راز ہے جس کو اہل راز ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اس کو سمجھنے کے لیے اپنے آپ کو مشقت میں نہیں ڈالنا چاہیے۔ لہٰذا یہی وجہ ہے کہ امیر المومنین علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

طریق مظلم فلا تسلکوہ و بحر عمیق فلا تلجوہ و سر اللہ فلا تتکلّفوہ[1]؛ یہ ایک اندھیرا راستہ ہے اس پر نہ چلو اور گہرا سمندر ہے اس میں داخل نہ ہو اور یہ اللہ کا راز ہے اس کو کشف کرنے کے لیے اپنے آپ کو تکلیف میں نہ ڈالو۔

۱۔ نہج البلاغہ، قصار کلمات ۲۸۷۔

مخفی نہ رہے کہ کلی طور پر قضاء و قدر کے بارے میں ہر مسلمان اعتقاد رکھتا ہے۔ اختلاف اس کی تفسیر میں ہے یہی وجہ ہے کہ جبری ٹولہ نے غلط خیال کیا ہے اور قضاء و قدر کے عقیدہ کو جبری عقیدہ کے مساوی قرار دیا ہے کہ ہر انسان کی سرنوشت قضاء وقدر الٰہی کی وجہ سے ازل سے معین ہے جو نیک ہے وہ نیک رہے گا جو برا ہے وہ برا رہے گا وہ نیک نہیں ہوسکتا جو فقیر ہے وہ قضاء و قدر کی وجہ سے فقیر ہے وہ فقیر ہی رہے گا۔ جو جاہل ہے وہ قضا و قدر کی وجہ سے جاہل ہی رہے گا، مطیع جبراً مطیع ہے اور عاصی جبراً عاصی ہے۔ مومن تقدیر الٰہی کی وجہ سے مومن ہے اور کافر قضاء حتمی کی وجہ سے کافر ہے۔

حالانکہ یہ نظریہ باطل ہے، چونکہ اگر انسان اپنے افعال میں مجبور ہو تو پھر اس کو عذاب دینے کا کیا مطلب ہے؟ جب انسان اپنے افعال میں مجبور ہو تو پھر بعثت انبیاء، آسمانی کتب کا نزول اور امتحان یہ سب چیزیں بے مقصد ہو جاتی ہیں۔ بلکہ صحیح عقیدہ یہ ہے کہ انسان اپنے افعال میں (اللہ کی قدرت کے ساتھ) خود مختار ہے یعنی نہ عقیدہ جبر صحیح ہے اور نہ ہی عقیدہ تفویض[1] بلکہ صحیح عقیدہ یہ ہے کہ امرٌ بین الامرین ہے۔ یعنی جبر اور تفویض کی درمیانی صورت صحیح ہے کما فی الروایات۔

۱۔ اہل سنت کا ایک گروہ تفویض کا قائل ہے کہ انسان اپنے افعال میں مستقل ہے اور خدا کا ارادہ، انسانوں کے فعل میں کچھ مدخلیت نہیں رکھتا۔

تقریب ذہن کے لیے مثال: اللہ نے انسان کو خلق کیا ہے اور اسے عقل بھی عطا کی اور طاقت بھی عطا کی ہے۔ (بعبارت دیگر) دیکھنے کی طاقت، چلنے کی طاقت، کھانے پینے کی طاقت وغیرہ وغیرہ عطا کی ہے۔ اب اگر کوئی شخص اس طاقت کا استعمال غلط کرتا ہے تو وہ اپنی مرضی سے کرتا ہے نہ کہ وہ اس طاقت کے استعمال میں مجبور محض ہے اگر کوئی کسی مسلمان کو ناحق قتل کرتا ہے تو اس طاقت کو غلط استعمال کر رہا ہے اللہ نے تو اِسے قتل سے منع فرمایا ہے۔ طاقت تو اللہ نے ہی دی ہے لیکن اس کے استعمال کرنے میں وہ مجبور نہیں ہے بلکہ اپنی مرضی سے اگر ایسا کرتا ہے تو جہنم کا مستحق ہو جائے گا۔

دیکھنے کی طاقت تو اللہ نے ہی دی ہے اب اگر کوئی اس کو غلط استعمال کرے، کسی نامحرم کی طرف شہوت کی نگاہ کرے تو یہ اپنی مرضی سے کر رہا ہے۔ اس نگاہ کرنے میں وہ مجبور نہیں ہے۔ اگرچہ اللہ نے ہی دیکھنے کی طاقت دی ہے اگر وہ چاہے تو اس وقت اس سے بصارت کو چھین سکتا ہے لیکن وہ اس کی بصارت کو نہیں چھینتا اس لیے کہ وہ بندے کا امتحان کرنا چاہتا ہے۔ اب انسان کی مرضی ہے کہ اس بصارت کا استعمال صحیح کرے یا غلط۔ اگر چاہے تو ایسی نگاہ نہ کرے یہی وجہ ہے کہ روایات میں ہے اگر کوئی شخص بری نگاہ سے اپنی آنکھوں کو بچالے تو اللہ اسے ایمان کی لذت عطا فرمائے گا۔

عقیدہ جبر کی تبلیغ اور ترویج میں زیادہ عمل دخل بنی امیہ اور عباسی حکمرانوں کا تھا جو اپنی سیاہ کاریوں کو اس طریقے سے چھپانا چاہتے تھے کہ ہم تو مجبور ہیں جو کچھ ہم سے ہوا ہے یہ اللہ نے ہی کروایا ہے۔ حالانکہ یہ نظریہ کئی وجوہ سے باطل ہے کما مرّ۔

تذکر: مخفی نہ رہے کہ قضاء و قدر کی دو قسمیں ہیں۔ ا۔ قضاء تکوینی، ۲۔ قضاء تشریعی۔ پھر ان میں ہر ایک کی دو قسمیں ہیں: ا۔ حتمی، ۲۔ معلقی۔

قضاء تکوینی: وہ افعال جو ذاتاً مصلحت رکھتے ہوں اس طرح کے افعال قابل تغییر نہیں ہیں ضرور واقع ہوتے ہیں۔

قضاء معلقی: وہ اشیاء و افعال جن کا حاصل ہونا کسی چیز کے ساتھ مشروط ہو مثلاً بلا کا ٹل جانا صدقہ کے ساتھ مشروط ہے یا طول عمر، صلہ رحمی کے ساتھ مشروط ہے ان امور کو بدائیات کے ساتھ بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

قضاء تشریعی: وہ حتمی اوامر اور نواہی شرعی جن میں دائمی مصلحت یا مفسدہ پایا جاتا ہے زمانہ کے اختلاف کے ساتھ تغییر نہیں کرتے۔

قضاء تشریعی معلقی: وہ اوامر و نواہی شرعی ہیں جو زمانہ اور مکلفین کے اختلاف کے ساتھ تغییر پیدا کر جاتے ہیں جن کو نسخ سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

قدر

قدر کے بھی کئی معنی ذکر ہوئے ہیں: ۱۔ اندازہ و مقدار، ۲۔ عظمت و شرافت، ۳۔اقتدار، توانائی، طاقت و قوت۔ان کو قدرت سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے، ۴۔کتابت، ۵۔ بیان واخبار۔

اصطلاح میں قدر، ہر چیز کی حدّ اور اندازہ جس کے مطابق سب امور واقع ہوتے ہیں ، کا نام ہے۔ اور اس کی بر گشت علم کی طرف ہوتی ہے یعنی خداوند متعال اشیاء کی حدود اور مقادیر کا عالم ہے۔تو اس بناء پر یہ صفات ذات سے ہو جائے گی۔

بدا

بدا کا لغت میں معنی مخفی ہونے کے بعد ظاہر ہونا ہوتا ہے۔

اصطلاح میں بھی یہی معنی ہے کہ کسی چیز کا ظاہر ہونا بعد اس کے کہ پہلے وہ ظاہر نہیں تھی۔

انسانوں کے افعال میں بداء کا منشاء

انسان کے افعال میں بدا کا منشاء یا انکی جہالت ہے یا عاجز ہونا یا سفاہت ہے۔،

انسان، چونکہ امور کے مصالح و مفاسد پر احاطہ نہیں رکھتا لہٰذا یہی وجہ ہے کہ کبھی کسی کام کو اس میں مصلحت سمجھ کر شروع کرتا ہے کچھ مدت گزرنے کے بعد اس کے ضرر کی طرف متوجہ ہوتا ہے لہٰذا پشیمان ہو کر اس کام کو چھوڑ دیتا

ہے یا کسی کام کو شروع کرتا ہے لیکن اس کو پورا کرنے پر قادر نہیں ہوتا تو اس کو چھوڑ دیتا ہے اور دوسرے کاموں میں مشغول ہو جاتا ہے۔

اہل سنت نے بدا کے اس معنی کو جو کہ عام بندوں کے افعال سے مربوط ہے کو ملحوظ رکھتے ہوئے حق تعالیٰ کے بارے میں بدا کے منکر ہو گئے ہیں۔

حالانکہ افعال الٰہی میں بدا کا یہ معنی مراد نہیں ہے بلکہ اور معنی مراد ہے۔ جس سے نہ جہالت لازم آتی ہے نہ ہی عجز و سفاہت۔

اور اس کی دلیل یہ ہے چونکہ اللہ تعالیٰ کے افعال (کام) حکم اور مصلحت کی بناء پر ہیں حکمتیں اور مصلحتیں بدلتی رہتی ہیں اور غالباً تغیر کا منشاء لوگوں کے حالات، صفات اور اخلاق ہیں جن کی وجہ سے مصلحتیں بدلتی رہتی ہیں۔

مثلاً صلہ رحمی سے زندگی طولانی ہو جاتی ہے۔ قطع رحمی سے زندگی کم ہو جاتی ہے۔ عبادت، نعمت کا موجب بنتی ہے اور معصیت، بلاؤں کا موجب بنتی ہے۔ اس طرح جب لوگوں کے حالات مختلف ہو جائیں تو اللہ بھی ان کے حالات کے مطابق رفتار کرتا ہے (اگرچہ اللہ انسان کے حالات کو پہلے سے جانتا ہے)

﴿إِنَّ اللهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ﴾[1]۔

خدا کسی قوم کے حالات کو اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے کو تبدیل نہ کرلے۔

ا۔ سورہ رعد، آیت ۱۱۔

﴿وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِن كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ﴾[۱]

اور جب تمہارے پرور دگار نے اعلان کیا کہ اگر تم ہمارا شکریہ ادا کروگے تو ہم نعمتوں میں اضافہ کردیں گے اور اگر کفرانِ نعمت کروگے تو ہمارا عذاب بھی بہت سخت ہے۔

﴿فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ - لَلَبِثَ فِي بَطْنِهِ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ﴾[۲]۔

پھر اگر وہ (یونس) تسبیح کرنے والوں میں نہ ہوتے تو روز قیامت تک اسی (مچھلی) کے شکم میں رہ جاتے۔

جس طرح طبیب مریض کے علاج میں اس کے حالات اور مرض کو مد نظر رکھتے ہوئے دوا کو تبدیل کرتا ہے اگرچہ جانتا ہے کہ یہ حالات اور مراتب مریض کو عارض ہوں گے لذا۔ اس کے مرض کے مطابق دوائی کو تبدیل کرتا ہے۔

لہٰذا بداء حق تعالیٰ کے افعال میں نہ تو جہل کا موجب بنتا ہے نہ ہی عجز و ناتوانی اور نہ ہی سفاہت کا موجب بنتا ہے، خدا ازل سے ابد تک سب مقتضیات کا عالم تھا اور ہے۔ اور مقتضی کے موقع میں ہر فعل کے انجام پر قادر ہے۔ یہی وجہ ہے بندوں کے حق میں بدا کا معنی ظہور بعد از خفا ہے اور حق تعالیٰ کے حق میں اظہار بعد از اخفاء ہے یعنی کسی چیز کو چھپانے کے بعد اس کو آشکار کرنا ہے۔

۱۔ سورہ ابراہیم، آیت ۷۔

۲۔ سورہ صافات، آیت ۱۴۳۔ ۱۴۴۔

خلاصہ یہ کہ بدا کا لغوی معنی جس سے جہل لازم آتا ہے وہ حق تعالیٰ کے بارے میں اطلاق نہیں کیا جاسکتا۔ خدا کے بارے میں ہر گز بداء سے یہ معنی، شیعہ کی مراد نہیں ہے۔ اب اگر کوئی جان بوجھ کر تعصب سے کام لے اور شیعہ پر تہمت لگائے تو قیامت کے دن ضرور اس سے پوچھا جائے گا۔

بدا سے مراد یہ ہے کہ انسان اپنے نیک اور بد اعمال کی وجہ سے اپنے مسیر (راستے) کو تبدیل کرنے پر قادر ہے۔ اور خدا کے لیے دو تقدیریں ہیں ایک تقدیر مطلق ہے اور ایک تقدیر مشروط ہے۔ تقدیر مشروط میں انسان تاثیر پر قادر ہے۔ مثلاً اگر صدقہ دے دے تو وہ بلا جو نازل ہونا تھی وہ ٹل جائے گی۔ اور اللہ ازل سے تقدیر کی دونوں قسموں کا عالم ہے اور شرط کے وقوع اور عدم وقوع کا بھی عالم ہے۔ اور خدا کا یہ علم، انسان کے اختیار کے سلب کا موجب بھی نہیں ہے۔

سورہ رعد کی آیت ۳۹ ﴿يَمْحُوا اللهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ﴾ اللہ جس چیز کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے یا برقرار رکھتا ہے کہ اصل کتاب [1] اسی کے پاس ہے۔ کی تفسیر کے بارے میں حضرت علی علیہ السلام نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

میں آپ کو اور اپنی امت کو اس آیت کی تفسیر سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں خدا کی راہ میں صدقہ دینا، ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا اور نیک کام انجام دینا،

۱۔ یعنی لوح و محفوظ۔

بد بختی کو خوشبختی میں تبدیل کر دیتا ہے۔ زندگی طولانی ہو جاتی ہے اور بری موت سے بچنے کا سبب بھی ہے۔[۱]

مخفی نہ رہے کہ بدا کے مفہوم پر تمام اسلامی فرقے اعتقاد رکھتے ہیں اگرچہ بعض شبہات کی وجہ سے لفظ بدا سے گریز کرتے ہیں حالانکہ اس لفظ بدا کو رسول خدا ﷺ نے استعمال فرمایا ہے۔ بدا اللہ عزوجلّ ان یبتلیھم[۲]؛ خدا کو بدا ہوا کہ ان کو مبتلا کرے (آزمائے)

نیز دینی پیشوا چونکہ لوگوں کی عقل کے مطابق اور ان کی زبان میں گفتگو کرتے ہیں اور عربی زبان میں رائج ہے کہ جو کوئی اپنا فیصلہ بدلے وہ کہتا ہے بَدَالِی، میرے لیے بدا واقع ہوا۔ لہٰذا اس لفظ بدا کو خدا کے بارے میں استعمال کیا گیا ہے اور خدا کے بارے میں بدا کا معنیٰ: ابدا و اظہار بعد الاخفاء ہے (نہ کہ ظہور بعد از خفاء) مخفی نہ رہے کہ علم خدا میں کسی طرح کا تغیر و تبدل نہیں ہوتا اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

بدا پر اعتقاد رکھنے کی فضیلت یہ ہے کہ چونکہ جو شخص بدا کا اعتقاد رکھتا ہے وہ ہمیشہ خوف و رجا کی حالت میں رہتا ہے اور دعا، عبادت نیک اعمال میں مشغول

۱۔ ملاحظہ ہو اہل سنت کی تفسیر در منثور سیوطی، ج ۳/ ۶۶۔

۲۔ صحیح بخاری کتاب احادیث الانبیاء، فتح الباری شرح صحیح البخاری، ج ۶، ص ۵۷۸، باب حدیث: ابرص و اعمیٰ واقرع فی بنی اسرائیل۔

رہتا ہے کیونکہ خوف رکھنا، کہ ہوسکتا ہے کہ اس سے کوئی ایسا غلط کام ہو جائے جس کی وجہ سے نعمتیں سلب ہو جائیں اور بلاؤں کے نزول کا سبب بن جائے۔ لہٰذا اس خوف کی وجہ سے انسان اعمال صالحہ میں مشغول رہتا ہے۔

لیکن جو بدا کا منکر ہے وہ کہتا ہے: جف القلم بما ھو کائن الی یوم القیامۃ؛ قلم خشک ہو گیا قیامت تک جو ہونے والا ہے وہ ہو کر رہے گا یعنی اعتقاد رکھتا ہے کہ جو مقدر ہو چکا ہے وہ ہو کر رہے گا اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں آسکتی۔ دعا، عبادت اور دوسرے اعمال اس میں کچھ تاثیر نہیں کر سکتے۔

حالانکہ قرآن کی نص موجود ہے﴿ يَمْحُوا اللهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ﴾[1] اللہ جس چیز کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے یا برقرار رکھتا ہے کہ اصل کتاب اسی کے پاس ہے (یعنی لوح محفوظ)

اور امام باقر علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں صلہ رحم انسان کے اعمال کو پاکیزہ کرتا ہے اور مال میں برکت کا سبب بنتا ہے اسی طرح بلاؤں کو دور کرتا ہے حساب میں آسانی اور قضائے معلق و مشروط کو ٹالنے کا سبب بنتا ہے۔[2]

امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں: صلة الرحِم تُدِرُّ النِّعَمَ وَ تَدفَعُ النِّقَم؛ صلہ رحم نعمتوں کو بڑھانے اور سزاؤں کو دفع (دور) کرتا ہے۔ نیز

۱۔ سورہ رعد، آیت ۳۹۔

۲۔ کافی، ج۲، ص ۴۷۰۔

فرماتے ہیں : الصدقة تَستَدفِعُ البلاءَ و النِقّمَةِ؛ صدقہ بلاؤں اور سزاؤں کو دور کر دیتا ہے۔

نیز امیر المؤمنین علی علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں: بِالدُعاءِ تُصرِفُ البَلیَّة؛ دعا کے ذریعے بلاؤں کو ٹالا جا سکتا ہے۔

ابن عمر سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: الدعاء ینفع مما نزل و ممّا لم ینزل فعلیکم عباد الله بالدعاء[1]؛ جو مصیبت و بلا نازل ہوئی ہے اور جو نازل نہیں ہوئی ان کے دور کرنے میں دعا فائدہ مند ہوتی ہے پس اللہ کے بندوں تم پر دعا لازمی ہے۔ (اور دعا کے ذریعہ اپنے سے بلاؤں کو دور کرو)

۱۔المستدرک حاکم، ج۱/ ۴۹۳۔

تیسرا باب

نبوت

علم کلام میں نبوت کے بارے میں دو مرحلوں میں بحث کی جاتی ہے:
۱۔ نبوت عامہ، ۲۔ نبوت خاصہ۔

نبوت عامہ سے مراد یہ ہے کہ خداوند متعال نے انسانوں کی ہدایت کے لیے پیغمبروں کو بھیجا تاکہ وہ انہیں غلط عقائد وافکار اور برے اعمال سے روکیں اور انہیں توحید کی طرف دعوت دیں تاکہ وہ دنیا وآخرت کی سعادت پر فائز ہو سکیں۔ نبوت عامہ میں لزوم بعثت انبیاء، شناخت انبیاء اور فوائد بعثت کے بارے میں بحث کی جاتی ہے۔اور نبوت خاصہ میں خود حضور ﷺ کے مربوط اثبات نبوت معجزہ، ختم نبوت اور ان کی آسمانی کتاب قرآن کے بارے میں بحث کی جاتی ہے۔

نبوت عامہ

نبی کا لغوی معنی: اہل لغت نے نبی کے دو معنی بیان کیے ہیں:
۱۔ بلند مرتبہ و والا مقام، جس کا ریشہ نباوۃ ہے۔
۲۔ خدا کی طرف سے خبر دینے والا، اس کا ریشہ نبأ ہے۔

لزوم بعثت انبیاء

انسان جب کائنات کی خلقت کے بارے میں سوچے تو یقین سے کہہ سکتا ہے کہ یہ دنیا بغیر کسی مقصد کے خلق نہیں ہوئی۔ خالق کائنات جو کہ حکیم (حکمت والا) ہے لہٰذا کوئی کام عبث اور بے ہودہ نہیں کرتا۔ خدا نے کائنات کو منظّم

طریقے سے خلق کیا ہے اور اس نظام کے بارے میں کئی طرح کے سوالات ہو سکتے ہیں۔

۱. خدا نے اس دنیا کو کیوں خلق کیا ہے، خلقت کا مقصد کیا ہے؟
۲. اپنی خلقت کے مقصد کے بارے میں کس طریقے سے پہچان ہو سکتی ہے سعادت اور کمال کا راستہ کیا ہے اور اس کو ہم کیسے طے کر سکتے ہیں۔
۳. مرنے کے بعد کیا ہوگا، آیا مرنے سے ہم بالکل ختم ہو جائیں گے یا کوئی اور زندگی بھی ہے اور وہ زندگی، مرنے کے بعد کیسے ہو گی؟
۴. آیا ہم دنیا میں حیوانوں کی طرح زندگی بسر کریں یا زندگی کے لیے آداب و احکام ہیں اور کیا سب احکام کے فلسفہ کو ہماری عقل سمجھ سکتی ہے یا نہیں۔

اس طرح کے سوالات کے جوابات کے لیے کوئی شخص خدا کی طرف سے مبعوث ہو جو کہ ہمیں فلسفہ آفرینش، کمال و سعادت کا راستہ بتائے۔اور ہمیں مرنے کے بعد والے حالات سے آگاہ کرے۔

انسان اپنی عقل سے زندگی کے دنیاوی مسائل کو تو سمجھ سکتا ہے لیکن کمال و سعادت اور موت کے بعد کے حالات کے بارے میں سمجھنے سے ناتوان ہے لہٰذا

خداوند متعال نے لوگوں کی راہنمائی اور ان کو کمال واقعی تک پہنچانے کے لیے معصوم انبیاء کو بھیجا ہے۔

ازالہ شبہ: تاریخ میں کچھ ایسے بھی گزرے ہیں جو انبیاء کی بعثت کے لزوم کے بارے میں منکر ہیں مانند براہمہ۔ وہ کہتے ہیں انسانی عقل ہی جامعہ بشری کی ہدایت کے لیے کافی ہے چونکہ انبیاء جو چیز انسانوں کی ہدایت کے لیے لائیں گے وہ دو حال سے خارج نہیں ہے یا عقل اس کے سمجھنے کی توانائی رکھتی ہے یا نہیں رکھتی۔ اگر رکھتی ہے تو انبیاء کی بعثت کا کیا فائدہ؟ اور اگر نہیں رکھتی تو ایسی چیز کو نہیں مانا جاسکتا جس کو عقل نہ سمجھتی ہو۔

متکلمین علماء نے اس شبہ کا متین جواب دیا ہے۔ کہ بعثت انبیاء خدا کی طرف سے لطف اور عنایت ہے جس میں طرح طرح کی مصلحتیں اور حکمتیں پائی جاتی ہیں جن کو عقل تنہائی نہیں سمجھ سکتی۔

درج ذیل بعض مصلحتوں کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

۱. وجود خدا اور صفات قیامت وغیرہ کے سمجھنے کے بارے میں عقل کی مدد کرنا۔

﴿لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ﴾[1] تاکہ رسولوں کے آنے بعد انسانوں کی حجت خدا پر قائم نہ ہونے پائے۔

۱۔ سورہ نساء، آیت ۱۶۵۔

﴿لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ﴾[1] تاکہ جو ہلاک ہو وہ دلیل کے ساتھ اور جو زندہ رہے وہ بھی دلیل کے ساتھ۔

﴿قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ﴾[2] کہہ دیجئے کہ اللہ کے پاس منزل تک پہنچانے والی دلیلیں ہیں۔

انبیاء کی بعثت اس لیے ہے کہ لوگوں پر اتمام حجت ہو جائے تاکہ قیامت کے دن کوئی عذر اور بہانہ نہ کرسکے کہ ہم تو ان معارف کو سمجھنے سے عاجز تھے۔ انبیاء نے معارف دینی کی پوری وضاحت کرکے لوگوں کے بہانہ کو ختم کر دیا ہے۔

۲. جن چیزوں کو عقل نہیں سمجھ سکتی تھی انبیاء نے، لوگوں کو ان کی پہچان کروادی ہے۔ مثلاً حرام و حلال کا جاننا، نجاست و طہارت کا جاننا واجب و حرام کی معرفت۔

ہماری عقل (بغیر رہنمائی کے) کہاں جان سکتی تھی کہ یہ چیز حلال ہے اور یہ چیز حرام ہے، حلال و حرام کے مصالح اور مفاسد کو عقل نہیں جانتی۔ بعثت انبیاء سے حلال و حرام کا علم ہوا ہے۔

۱۔ سورہ انفال، آیت ۴۲۔

۲۔۔ سورہ انعام، آیت ۱۴۹

۳. انسانوں کو علمی، اخلاقی، اجتماعی و سیاست دینی اور کمال انسانی کے مراحل تک پہنچانا۔

﴿ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ﴾[1] اور ان کے نفوس کو پاکیزہ بنائے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے۔

﴿ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى نَبْعَثَ رَسُولًا ﴾[2] اور ہم اس وقت تک عذاب کرنے والے نہیں ہیں جب تک کوئی رسول نہ بھیج دیں۔

۴. مطیع اور نیک لوگوں کو ثواب کی بشارت اور برے لوگوں کو عذاب کا وعدہ دیں لہٰذا بعثت کے لزوم میں کسی طرح کا شبہ صحیح نہیں ہے چونکہ عقل بہت سی چیزوں کے حقائق کو درک نہیں کر سکتی۔ نیز عقل حبّ و بغض، ہوا و ہوس نفسانی، برے ماحول کی وجہ سے حقائق سمجھنے میں خطا کر جاتی ہے۔ (لہٰذا خدا کی طرف سے معصوم راہنما کی ضرورت ہے جو خطا نہ کرتا ہو۔)

تذکر: اہل سنت کے دو گروہ اشاعرہ اور معتزلہ کے درمیان لزوم بعثت انبیاء پر اختلاف ہے۔ معتزلہ کا نظریہ یہ ہے کہ بعثت، خدا پر واجب ہے لیکن اشاعرہ

۱۔ سورہ جمعہ، آیت ۲۔

۲۔ سورہ بنی اسرائیل، آیت ۱۵۔

کہتے ہیں کہ بعثت، جائز ہے۔ یعنی اگر خدا انبیاء کو نہ بھی بھیجے تو خدا نے قبیح کام نہیں کیا۔

شیعہ کا نظریہ یہ ہے کہ خداوند متعال کی حکمت کا تقاضا یہ ہے لوگوں کی ہدایت کے لیے پیغمبروں کو بھیجے چونکہ خدا پر لطف واجب ہے اور لطف کا مقتضی، بعثت کا وجوب ہے ورنہ نقض غرض لازم آئے گی اور نقض غرض خدا پر محال ہے چونکہ نقض غرض کا لازمہ عاجز ہونا ہے نیز لازم آتا ہے کہ انسان کی خلقت بے فائدہ اور عبث ہو اور یہ چیز خدا کے عدل کے ساتھ منافات رکھتی ہے۔

بعثت انبیاء کے مقاصد اور فوائد

۱۔ لوگوں کو توحید کی طرف دعوت دینا اور انہیں طاغوت سے اجتناب کی تلقین کرنا۔

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولاً أَنِ اعْبُدُوا اللهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ﴾[1]۔

اور یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا ہے کہ تم لوگ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو۔

۲۔ تزکیہ نفوس اور تعلیم معارف

۱۔ سورہ نحل، آیت ۳۶۔

﴿ هُوَ الَّذِی بَعَثَ فِی الأُمِّیِّینَ رَسُولاً مِنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ آیَاتِهِ وَیُزَکِّیهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ ﴾[۱]۔

اور اس خدا نے اہل مکہ میں سے ایک رسول بھیجا ہے جو انہیں میں سے تھا کہ ان کے سامنے آیات کی تلاوت کرے ان کے نفوس کو پاکیزہ بنائے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے۔

۳۔ عدل و انصاف کا نافذ کرنا

﴿ لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْکِتَابَ وَالْمِیزَانَ لِیَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ﴾[۲]۔

بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل کے ساتھ بھیجا ہے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان کو نازل کیا ہے تاکہ لوگ انصاف کے ساتھ قیام کریں۔

۴۔ لوگوں کے اختلافات کے فیصلے کرنا

﴿ کَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللهُ النَّبِیِّینَ مُبَشِّرِینَ وَمُنْذِرِینَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ لِیَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ فِیمَا اخْتَلَفُوا فِیهِ ﴾[۳]۔

۱۔ سورہ جمعہ، آیت ۲۔

۲۔ سورہ حدید، آیت ۲۵۔

۳۔ سورہ بقرہ، آیت ۲۱۳۔

(فطری اعتبار سے) سب انسان ایک قوم تھے پھر اللہ نے بشارت دینے والے اور ڈرانے والے انبیاء بھیجے اور ان کے ساتھ بر حق کتاب نازل کی تاکہ لوگوں کے اختلافات کا فیصلہ کریں۔

۵۔ و مقاصد دیگر مانند اتمام حجت بر بندگان

خلاصہ یہ کہ انبیاء کی بعثت کا مقصد، انسانوں کی ہدایت اور انہیں دنیا و آخرت کی سعادت پر فائز کرنے کے لیے راہنمائی کرنا، اور انہیں رذائل اخلاق سے بچنے کی تلقین کرنا تھا۔

تعداد انبیاء

ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بشر کی ہدایت کے لیے خدا کی طرف سے آئے ہیں جن میں پانچ اولوالعزم [1] ہیں۔

۱. حضرت نوح علیہ السلام
۲. حضرت ابراہیم علیہ السلام
۳. حضرت موسیٰ علیہ السلام
۴. حضرت عیسیٰ علیہ السلام
۵. حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۱۔ اولوالعزم وہ انبیاء ہیں جو صاحب شریعت، نیا دین لے کر آئے۔

اور سب انبیاء سے افضل ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں بلکہ پوری مخلوق خدا میں سب سے افضل و اشرف ہیں اور انہی کی خاطر اللہ نے کائنات کو خلق کیا ہے۔

انبیاء کی پہچان کے طریقے

۱. **معجزہ:** معجزہ خارج العادت کام کے انجام دینے کو کہتے ہیں۔ جس کو دوسرے لوگ انجام دینے پر ناتوان اور عاجز ہوں، معجزہ کو دعوی نبوت کے ساتھ مربوط ہونا چاہیے تاکہ وہ دعوی کی دلیل بن سکے۔
۲. پیامبر سابق کی بشارت دینا، جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بعد ہمارے نبی ﷺ کے آنے کی بشارت دی ہے۔
۳. قرائن اور قطعی شواہد، یہی وجہ ہے کہ ان قرائن اور شواہد کو دیکھ کر کئی ایک راہبوں نے حضور ﷺ کی زیارت کرتے ہی ان کی نبوت کا اقرار کرلیا۔

معجزہ اور جادو میں فرق

معجزہ اور جادو میں کئی ایک فرق ہیں، جن میں سے بعض کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

۱. جادو گروں اور ریاضت کشوں کا فعل تمرین ہوتا ہے پہلے وہ اپنے استاد سے سیکھتے ہیں اور پھر وہ فعل انجام دیتے ہیں،. برخلاف انبیاء و اوصیاء کہ ان کو تمرین کی ضرورت نہیں ہوتی اور نہ ہی کسی استاد کی ضرورت ہوتی ہے۔

۲. جادو گروں اور ریاضت کشوں کے فعل کے لیے خاص شرائط زمان، مکان، آلات وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے لیکن انبیاء و اوصیاء باذن اللہ جب چاہئیں معجزہ دکھا سکتے ہیں۔

۳. جادو گروں اور ریاضت کشوں کے فعل غالباً مادیات کے لیے ہوتے ہیں (اموال اکٹھا کرنا یا شہرت وغیرہ کے لیے) لیکن انبیاء کا مقصد انسانوں کو دنیا و آخرت کی سعادت کی طرف دعوت دینا ہے۔

۴. جادو گروں اور ریاضت کشوں کے عمل کو توڑا جاسکتا ہے یعنی دوسرے لوگ جادو کر سکتے ہیں۔ برخلاف معجزات انبیاء، کہ دوسرے لوگ معجزہ نہیں دکھا سکتے۔

۵. و دیگر فروق ۔

شرائط نبوت

جو شخص نبوت کا دعوی کرے اس میں شرائط اور صفات نبوت موجود ہونی چاہئیں ان میں عمدہ درج ذیل ہیں:

۱. عصمت مطلقہ رکھتا ہو یعنی اول زندگی سے لے کر آخر عمر تک ہر طرح کے گناہ سے پاک ہو، شک، سہو و نسیان و خطاؤں سے مصون ہو۔

۲. سب صفات حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ رکھتا ہو اور ہر طرح کی بری صفات اور زشت اخلاق سے مبرّا ہو۔ سب کمالات نفسانی میں پوری امت کے سب افراد سے افضل ہو۔

۳. دینی امور میں، امت جن چیزوں کی احتیاج رکھتی ہے ان سب کو جاننے والا ہو اور ان کی زبان کو بھی جانتا ہو۔ (یعنی نبی کے لیے مترجم کی ضرورت نہیں ہوتی)

۴. نبی کے تمام علوم اور کمالات، موہبتی ہوں یعنی عادی طریقے سے ان کو حاصل اور کسب نہ کیا ہو۔ (نبی کو کسی دنیاوی استاد سے پڑھنے کی ضرورت نہیں ہوتی)

۵. اس کا نسب پاک اور حسب شریف ہو بدنی حوالے سے صحیح و سالم اور ہر طرح کی نفرت انگیز بیماری سے منزّہ ہو۔[۱]

۶. معجزہ رکھتا ہو یا دلیل قطعی رکھتا ہو مثلاً جس کی نبوت ثابت ہو وہ اس کی نبوت کی خبر دے یا معصوم جس کی عصمت ثابت ہو وہ اس کی نبوت پر خبر دے۔

موانع نبوت

۱. شرائط اور صفات نبوت جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے وہ اس میں مفقود ہوں۔

۲. اس کا دعوی، حکم عقل کے خلاف ہو جیسے کہے کہ خدا مجھ میں حلول کر گیا ہے یا خدائی کا دعوی کر دے۔

۳. اس کا دعویٰ متناقص ہو جیسے کبھی پیغمبری کا دعویٰ کرے اور کبھی مہدویت کا دعوی کر دے۔

۴. اس کے احتجاجات اور احکام میں (عنوان نسخ کے بغیر) تناقض پایا جاتا ہو۔

۱۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے متعلق جن نفرت انگیز بیماریوں کا ذکر کیا جاتا ہے یہ صحیح نہیں ہے۔ ان کی پوری بیماری کے دوران ہر گز بدبو اور بد صورتی سے دوچار نہیں ہوئے اور ان کے بدن سے ہر گز کوئی نفرت انگیز چیز نہیں نکلی بلکہ لوگوں کی ان سے دوری انکی تنگدستی، فقر اور ظاہری ضعف کی وجہ سے تھی۔ کما عن الصادق علیہ السلام۔ خصال، شیخ صدوق، ج۱/ ۴۰۰، ابواب ہفتگانہ۔

۵. جس کی نبوت ثابت ہو وہ اس کے جھوٹے ہونے پر تصریح کردے یا ایسی علامات ذکر کرے جس سے اس کا جھوٹا ہونا ثابت ہوتا ہو۔

٦. اس کے احکام حکمت، مصلحت اور حکم عقل کے خلاف ہوں۔

عصمت

عصمت انبیاء: شیعہ کا عقیدہ یہ ہے کہ انبیاء پوری زندگی میں گناہوں اور خطاؤں سے پاک ہوتے ہیں خواہ وہ گناہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ ہوں۔

دلیل اول:

اگر انبیاء معصوم نہ ہوں تو ان کی باتوں پر اعتماد اور وثوق نہیں رہتا اور نتیجتاً نبوت کا مقصد پورا نہیں رہتا۔ چونکہ عصمت نہ ہونے کی صورت میں اطمینان نفس حاصل نہ ہوگا۔ لہٰذا انبیاء کا معصوم ہونا ضروری ہے۔ انبیاء ہر قسم کی خطا، سہو و نسیان سے منزہ ہیں۔

دلیل دوم:

بعثت سے غرض کا حاصل ہونا، پیغمبر کے امر کی اطاعت اور نہی میں ہے اور دوسری طرف خطاکار اور گناہ گار کی اطاعت جائز نہیں ہے پس اس بناء پر نبی اگر معصوم نہ ہو تو یہ موجب نقض غرض ہے اور نتیجتاً بعثت کا بطلان ہے۔ پس نبی کا معصوم ہونا ضروری ہے۔

تذکر: عصمت انبیاء کے بارے میں ہمارے علماء نے بہت سے دلائل اور براہین پیش کئے ہیں جن کو کتب مفصلہ میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ کفایۃ الموحدین، کشف المراد وغیرہ۔

سوال: ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ سوال آئے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ انسان ہر گناہ سے بچ جائے بلکہ گناہ کرنے کی فکر بھی نہ کرے گناہ کے بارے میں سوچے تک نہیں۔

جواب: جب انسان کو کسی چیز کے بارے میں یقین ہو کہ یہ چیز مضر اور معیوب ہے اور اس کے کرنے پر نابودی اور دردناک سزا ہے تو کوئی عاقل اس کا ارتکاب نہیں کرے گا۔ مثلاً کوئی عقلمند انسان آگ کے گڑھے میں عمداً نہیں کودتا۔ یا عمداً (اختیاراً) زہر نوشی نہیں کرتا۔ اگر کوئی کرتا ہے تو وہ ایک طرح کی بیماری میں مبتلا ہے۔ بعض حالات میں عام انسان بھی بعض گناہوں کی نسبت سوچ بھی نہیں سکتے مثلاً کوئی مسلمان شخص العیاذ باللہ اپنی ماں بہن کے ساتھ برائی کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ چونکہ اس عمل کی زشتی کا یقین رکھتا ہے یا مثلاً کوئی شخص پاخانہ کھانے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔

انبیاء اور اوصیاء چونکہ ایمان کے اعلیٰ درجے پر فائز ہوتے ہیں اور وہ گناہ کی گندگی کی زشتی کا مطلقاً یقین رکھتے ہیں لہٰذا گناہ نہیں کرتے بلکہ سوچ بھی نہیں سکتے۔

یہاں پر اُن بعض آیات کہ جن میں پیغمبروں کی طرف ظلم و عصیان کی نسبت دی گئی ہے، کے جواب کی طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

وہ یہ کہ انبیاء و اوصیاء معصوم ہوتے ہیں ہر طرح کے گناہ اور کار حرام سے پاک ہوتے ہیں لیکن کسی کام کا ترک کر دینا بہتر ہو اور اس کا ارتکاب حرام نہ ہو تو یہ گذشتہ انبیاء کی نسبت ممکن اور جائز ہے اور یہ چیز عصمت کے ساتھ کوئی منافات نہیں رکھتی۔

اللہ پاک نے حضرت آدم اور حوا کو جنت میں رہنے کا حکم دیا اور انہیں مخصوص شجرہ[1] سے روک دیا۔ فرمایا: ﴿وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ﴾[2]

اس درخت کے قریب نہ جانا کہ ظلم کرنے والوں میں شمار ہو جاؤں گے۔

اس آیت میں نہی سے نہی تحریمی مراد نہیں ہے کہ جس کی مخالفت حرام ہوتی ہے۔ بلکہ اس آیت میں نہی ارشادی مراد ہے جس طرح طبیب، مریض کو مثلاً زکام کی حالت میں انار کھانے سے منع کردے اب اگر مریض اس کو تناول کرے تو کوئی حرام کام نہیں کیا لیکن اس نہی ارشادی کی مخالفت کا ضرر اس کی طرف متوجہ ہو جائے گا مثلاً اگر اس کا زکام وغیرہ ایک ہفتہ میں ٹھیک ہونا تھا تو اب مثلاً وہ زکام تیز ہو جانے کی وجہ سے دیر کے ساتھ ٹھیک ہوگا۔

۱۔ وہ شجرہ کیا تھا اس کی تفصیل کے لیے مطولات کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ سورہ اعراف، آیت ۱۹۔

اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام کو جو درخت کے قریب نہ جانے کی جو نہی کی گئی وہ ارشادی تھی۔ اس نہی کی مخالفت حرام نہیں تھی لیکن اس کا ضرر یہ تھا کہ اگر اس درخت کے قریب گئے تو اس جنت سے نکلنا پڑے گا۔ تو جنت کی نعمات سے محروم ہونا یہ ایک طرح کا اپنے اوپر ظلم کرنا ہے اور ظلم کا لغت میں یہ معنی ہے کہ وضع الشی فی غیر محله؛ کسی چیز کو اس کے غیر محل میں قرار دینا، اور یہ معنی فعل مباح کے ساتھ بھی جمع ہو سکتا ہے۔

حضرت آدم و حوا علیہا السلام نے اس نہی ارشادی کی مخالفت کرکے جنت سے نکل کر اپنے آپ کو زحمت و مشقت میں ڈال دیا۔

لہٰذا کہا: ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا﴾[1] پروردگارا! ہم نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے۔

اور نہی کے ارشادی ہونے کی دلیل قرآن کی یہ آیت ہے: ﴿فَقُلْنَا يَا آدَمُ إِنَّ هَذَا عَدُوٌّ لَكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقَى﴾[2] تو ہم نے کہا کہ آدم یہ تمہارا اور تمہاری زوجہ کا دشمن ہے کہیں تمہیں جنت سے نکال نہ دے کہ تم زحمت میں پڑ جاؤ۔

۱۔ سورہ اعراف، آیت ۲۳۔

۲۔ سورہ طہ، آیت ۱۱۷۔

تو معلوم ہوا نہی ارشادی کی مخالفت کا اثر، جنت سے نکلنا اور زحمت و مشقت میں پڑ جانا تھا۔ اور ربنا ظلمنا انفسنا سے مراد، ظلم اصطلاحی نہیں ہے جو کہ گناہ ہوتا ہے۔

ظلم کا ایک معنی، نقصان اور حظ و بہرہ کو کم کرنا بھی منقول ہوا ہے حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے بہرہ فائدہ کو اپنی نعمات سے کم کر دیا اس لیے لفظ ظلم کا اطلاق ان پر ہوا ہے۔

چونکہ انھوں نے نہی ارشادی کی مخالفت کی ہے اسی وجہ سے مجازاً عصیان کا اطلاق بھی ہوا ہے۔

بعبارت دیگر، حضرت آدم علیہ السلام نے ترک اولیٰ کیا تھا نہ کہ گناہ۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا چونکہ مرتبہ بلند تھا ان سے ترک اولی کی بھی توقع نہیں تھی، ترک اولی پر انھوں نے توبہ کی اور خدا سے طلب مغفرت کی اور یہ اس قبیل سے ہے کہ حسنات الابرار سیئات المقربین۔

بطور خلاصہ یہ کہ جن آیات میں انبیاء کی طرف اس طرح کے ظلم و عصیان، ذنب کی نسبت دی گئی ہے اس سے مراد گناہ نہیں ہے۔ بلکہ ترک اولی مراد ہے اور سورہ غافر کی آیت ۵۵ میں ﴿وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ﴾ سے مراد امت کے گناہ ہیں۔ ان آیات کی علماء نے تاویلات بیان فرمائی ہیں۔ قارئین محترم سید مرتضی عَلَمَ الہدی کی کتاب تنزیہ الانبیاء کی طرف رجوع فرما سکتے ہیں۔

ائمہ طاہرین علیہم السلام کی دعاؤں میں اعتراف گناہ، یا طلب استغفار یا ذکر توبہ یا خوف نار وغیرہ کا جو ذکر آیا ہے اس کی وجہ امت پیغمبر ﷺ کو تعلیم دینا ہے کہ پروردگار کے دربار میں کس طریقے سے اپنی تقصیرات کا اعتراف کرنا چاہیے اور کس طرح استغفار کرنا چاہیے۔

وثانیاً معصومین علیہم السلام کا استغفار اس جہت سے بھی ہے چونکہ وہ ہمیشہ ذکر خدا میں مستغرق رہتے تھے لیکن بعض دنیاوی حلال امور کھانے پینے وغیرہ کی وجہ سے ذکر اللہ کرنے میں جو انقطاع آجاتا تھا وہ اس کو بھی گناہ محسوب کرتے تھے اور استغفار فرماتے تھے۔ اور یہ اس قبیل سے ہے کہ کہا جاتا ہے کہ حسنات الابرار سیئات المقربین۔ نیک لوگوں کی نیکیاں بھی مقربین کے نزدیک گناہ سمجھی جاتی ہیں۔

یہ ضروری نہیں جو شخص گناہ کرے وہی استغفار کرے بلکہ استغفار کرنا خود ایک عبادت ہے بغیر گناہ کے استغفار کیا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے رسول خدا ﷺ باوجود معصوم ہونے کے ہر روز ستر مرتبہ استغفار کرتے تھے۔ کمافی الکافی۔

نبوت خاصہ، وبعثت حضرت محمد ﷺ

حضرت محمد ﷺ اللہ کے آخری نبی ہیں یہی وجہ ہے کہ خاتم النبین کے ساتھ ملقب ہیں۔

نسب مبارک: محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصّی بن کلاب بن مرّہ بن کعب بن لویّ بن غالب بن فہر بن مالک بن النضر (وہو قریش) بن کنانۃ بن خزیمۃ بن مدرکۃ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے: اذا بلغ نسبی عدنان فامسکوا، جب میرا نسب عدنان تک پہنچ جائے پھر رک جاؤ۔

آنجناب کی والدہ کا نام آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرّۃ بن کعب ہے۔ آنجناب کی ولادت ۵۷۰ میلادی میں مکہ مکرمہ میں ہوئی۔ اور تریسٹھ (۶۳) سال زندگی کی اور بروز سوموار ۲۸ صفر سن ۱۱ ہجری کو اس دنیا سے دار آخرت کی طرف منتقل ہوئے۔

آنجناب کا نام مبارک محمد اور احمد ہے، کنیت ابو القاسم اور آپ کے بہت سے القابات ہیں جن میں مشہور: مصطفٰی، رسول، نبی، مزمل، مدثر، شاہد، مبشر، نذیر، ماحی، عاقب، حاشر اور خاتم النبیین ہیں۔

آنجناب کی حضرت خدیجہ سے اولاد حضرت قاسم، حضرت عبد اللہ جن کو طاہر اور طیب بھی کہا جاتا ہے۔ اور ایک بیٹی حضرت فاطمہ علیہا السلام ہیں۔

بناء بر تحقیق حضرت زینب، ام کلثوم اور رقیہ یہ حضورؐ کی ربیبہ (پالتو) بیٹیاں تھیں نہ کہ صلبی بیٹیاں۔ اور عربوں کا یہ رواج تھا کہ جس یتیم بچے یا بچی کی

پرورش کرتے تھے ان کو ان کی اولاد ہی سمجھا جاتا تھا۔ زینب، ام کلثوم اور رقیہ کی پرورش حضور ﷺ کے گھر ہوئی تھی لہٰذا لوگوں نے مشہور کر دیا یہ بھی حضور کی بیٹیاں ہیں۔

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ چالیس سال کی عمر میں اسلام کی تبلیغ پر مبعوث ہوئے۔ آنجنابؐ کی نبوت و رسالت پر دلائل:

دلیل اول: آنحضرت ﷺ کی رسالت پر حضرت عیسیٰ پیغمبر نے اپنے بعد آنے بشارت دی ہے۔

﴿وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ﴾[1] اور اس وقت کو یاد کرو جب عیسیٰ بن مریم نے کہا اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں اپنے پہلے کی کتاب توریت کی تصدیق کرنے والا اور اپنے بعد کے لیے ایک رسول کی بشارت دینے والا ہوں جس کا نام احمد ہے۔

انجیل حقیقی میں حضور اکرم ﷺ کی آمد کے بارے میں مکمل صراحت موجود تھی اور آپ کا اسم شریف موجود تھا پھر بعد میں گمراہوں نے انجیل کو بدل ڈالا۔

۱۔ سورہ صف، آیت ۶۔

حالانکہ قرآن مجید نے آنحضرت ﷺ کے نام مبارک کا تورات اور انجیل میں موجود ہونے کی صراحت فرمائی ہے۔

﴿الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالإِنْجِيلِ﴾[۱]

جو لوگ کہ رسول نبی امّی کا اتباع کرتے ہیں جس کا ذکر اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

﴿الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾[۲]

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ رسول کو اپنی اولاد کی طرح پہچانتے ہیں بس کا ان ایک گروہ ہے جو حق کو دیدہ و دانستہ چھپا رہا ہے۔

دلیل دوم: حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نبوت و رسالت پر دوسرا شاہد ان کے معجزات ہیں جن میں سب سے اہم معجزہ جو کہ اب بھی موجود ہے اور قیامت تک موجود رہے گا وہ قرآن ہے کیونکہ قرآن کا چیلنج صدیوں گزرنے کے بعد اب بھی موجود ہے اور قیامت تک رہے گا۔

۱۔ سورہ اعراف، آیت ۱۵۷۔

۲۔ سورہ بقرہ، آیت ۱۴۶۔

﴿قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا﴾ (۱)

اگر انسان اور جنات سب اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس قرآن کا مثل لے آئیں تو بھی نہیں لا سکتے چاہے سب ایک دوسرے کے مددگار اور پشت پناہ کیوں نہ ہو جائیں۔

قرآن نے پھر چیلنج کیا کہ اگر پوری کتاب مانند قرآن کریم نہیں لا سکتے تو قرآن کے دس سوروں کی مانند لے آئیں۔

﴿قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ﴾ (۲)

کہہ دیجئے کہ اس کے جیسے دس سورہ گڑھ کر تم بھی لے آؤ۔

پھر چیلنج کیا اگر قرآن کے دس سوروں کی طرح نہیں لا سکتے تو کم سے کم قرآن کے ایک سورہ جیسا لاؤ۔

﴿فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِنْ مِثْلِهِ﴾ (۳)

اس جیسا ایک ہی سورہ لے آؤ۔

۱۔ سورہ اسرائیل، آیت ۸۸۔

۲۔ سورہ ہود، آیت ۱۳۔

۳۔ سورہ بقرہ، آیت ۲۳۔

قرآن نے عرب کے بڑے بڑے ادباء، شعراء، فصحاء اور ماہر استادوں کو مجبور کر دیا کہ وہ اعتراف کریں کہ یہ کلام یعنی قرآن، مافوق بشر ہے۔ جیسا کہ عتبہ بن ربیعہ اور طفیل بن عمرو، اور قریش کے مشہور ادیب ولید بن مغیرہ نے بے بس ہو کر قرآن کے ادبی اعجاز کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے جب مغیرہ نے سورہ حم سجدہ کی چند آیات کو پیامبر اسلام ﷺ سے سنا تو سنتے ہی اس کے دل میں ایک خاص ہیجان پیدا ہوا اور بے اختیار اٹھ کر دشمنان اسلام کے پاس آیا اور کہا خدا کی قسم! ابھی ابھی میں نے محمد ﷺ سے ایسا کلام سنا ہے جو نہ انسانوں کا کلام لگتا ہے اور نہ جنوں کا یہ ایک ایسا کلام ہے جس میں ایک خاص مٹھاس اور زیبائی پائی جاتی ہے اس کلام کی شاخیں پر بار اور جڑیں بابرکت ہیں یہ ایک عالی کلام ہے کہ اس سے بالاتر اور کوئی کلام نہیں ہو سکتا (یعنی اس قرآن کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا)

مخفی نہ رہے کہ حضور ﷺ سے کئی ایک معجزات صادر ہوئے، ابن شہر آشوب کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے چار ہزار چار سو چالیس (۴۴۴۰) معجزے تھے جن میں تین ہزار کا ذکر ہوا ہے۔

حضور ﷺ کے معجزات میں سے شق القمر (چاند کا دو ٹکڑے ہو کر نیچے آنا) مردوں کا زندہ کرنا، پتھروں اور درختوں کا حضور ﷺ کو سلام کرنا، آپ کے لعاب دہن مبارک سے کنوئین کے کڑوے پانی کا میٹھا ہو جانا، آپ کے

انگشت مبارک سے پانی کا جاری ہو جانا، جس سے فوج اور ان کی سواریوں کا سیراب ہونا، غیبی اخبار دینا، و۔۔۔ ہیں۔

دلیل سوم: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت پر دیگر قرائن و قطعی شواہد : حضور کی بعثت سے قبل زندگی میں ،مکہ میں صادق اور امین معروف ہونا، حجر اسود کے نصب پر قبائل کے اختلاف کو دور کرنا اور ان کا اعتراف کرنا کہ آپ امین اور پاک دامن ہیں۔

عرب کے غلط ماحول کا آپ پر کچھ اثر نہ کرنا، بلکہ آنجناب کا ان کو غلط کاموں سے روکنا، آپؐ کا بلند اخلاق پر فائز ہونا، آپ کے سر مبارک پر بادل کا سایہ کرنا، آپ کے شانہ مبارک پر مہر نبوت کا ہونا وغیرہ آپ کی نبوت پر قطعی شواہد اور ثبوت ہیں۔

عدم تحریف قرآن

ہم شیعیان علی علیہ السلام کا عقیدہ یہ ہے کہ موجودہ قرآن وہی ہے جو ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوا تھا اس میں نہ کمی واقع ہوئی ہے اور نہ ہی زیادتی۔ قرآن کے ایک سو چودہ سورہ ہیں قرآن سورہ الحمد سے شروع اور والناس پر ختم ہے۔ ہمارے مشہور محققین علماء نے قرآن کے عدم تحریف پر تصریح کی ہے۔

جو لوگ شیعہ کی طرف تحریف کی نسبت دیتے ہیں وہ تعصب اور جہالت کی وجہ سے ہے۔

شیعہ بزرگ علماء کی تصریحات:

۱. شیخ صدوق، متوفی ۳۸۱، در اعتقادات امامیہ؛
۲. شیخ مفید، متوفی ۴۱۳، در اوائل مقالات؛
۳. سید مرتضی، متوفی ۴۳۶، رسالہ در جواب مسائل طرابلیسات؛
۴. شیخ طوسی، متوفی ۴۶۰، در تفسیر تبیان، ج۱، ص ۳؛
۵. طبرسی، متوفی ۵۴۸، در مقدمہ تفسیر مجمع البیان؛
۶. علامہ حلی، متوفی ۷۲۶، در اجوبۃ المھناویۃ، ص۱۲۱؛
۷. محقق اردبیلی، متوفی ۹۹۳، در مجمع الفائدۃ؛
۸. شیخ جعفر کاشف الغطاء، متوفی ۱۲۲۸، در کشف الغطاء؛
۹. رہبر انقلاب آیت اللہ خمینی کا نظریہ، در تہذیب الاصول بتقریر آقای سبحانی؛
۱۰. آیت اللہ سید الخوئی، در البیان و غیرہم نے تصریح فرمائی ہے کہ قرآن میں کمی یا زیادتی واقع نہیں ہوئی۔ ھذا اوّلاً

ثانیاً: تحریف سے مربوط اکثر روایات ضعیف السند ہیں۔ تحریف سے مربوط کئی ایک روایات احمد بن محمد بن سیاری سے منقول ہیں جو کہ ضعیف اور فاسد المذہب تھا۔

وثالثاً: تحریف سے مربوط روایات تفسیر، قراءۃ، وغیرہ سے مربوط ہیں مثلاً روایت میں مصداق پر آیت کے مفاد کلی کو تطبیق کیا گیا ہے بعض نے گمان کیا کہ مذکورہ تفسیر اور تطبیق خود قرآن کا جزء تھا اور اس سے حذف ہو گیا، جس طرح آیت تبلیغ میں امیر المومنین علیہ السلام کے نام مبارک کا ہونا جس کو اہل سنت کے مفسرین شوکانی اور سیوطی وغیرہ نے بھی ذکر کیا ہے[۱]۔ یہ تفسیری اور مصداقی پہلو سے مربوط تھا نہ کہ آیت کا حصہ تھا۔

مخفی نہ رہے کہ اہل سنت کی کتب میں بھی تحریف سے مربوط کئی ایک روایات پائی جاتی ہیں لیکن فریقین کے جمہور علماء نے تصریح کی ہے کہ قرآن میں تحریف واقع نہیں ہوئی، نہ کمی ہوئی ہے اور نہ زیادتی۔ چنانچہ حق بھی یہی ہے۔ رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾[۲] ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم اس کے محافظ ہیں۔

۱۔ تفسیر فتح القدیر شوکانی، ج ۲، ص ۸۸؛ تفسیر در المنثور، ذیل آیہ تبلیغ۔

۲۔ سورہ مبارکہ حجر، آیت ۹۔

﴿وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ - لا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ﴾ (۱)

اور یہ ایک عالی مرتبہ کتاب ہے جن کے قریب سامنے یا پیچھے کسی طرف سے باطل آکر بھی نہیں سکتا کہ یہ خدائے حکیم و حمید کی نازل کی ہوئی کتاب ہے۔

فریقین میں سے جو چند لوگ تحریف کے قائل ہوئے ہیں ان کا قول اکثریت کے نزدیک مردود ہے۔ اور فصل الخطاب نامی کتاب ضعیف روایات اور تفسیری اور مصداقی روایات کا مجموعہ ہے اور اس کتاب کو شیعہ علماء قبول نہیں کرتے۔

ورابعاً: نقضی جواب یہ کہ اہل سنت کی کتب میں بھی تحریف قرآن کے متعلق کئی ایک روایات اور اقوال صحابہ پائے جاتے ہیں جیسا کہ عمر بن خطاب کا عقیدہ یہ تھا کہ قرآن کے دس لاکھ ستائیس ہزار حرف تھے اور ابن عباس سے منقول ہے کہ قرآن میں تین لاکھ تیئیس ہزار چھ سو اکہتر (۳۲۳۶۷۱) حرف ہیں تو اس بناء پر ۷۰۳۳۲۹ حروف قرآن میں نہیں ہیں یعنی دو ثلث سے بھی زیادہ حروف قرآن سے حذف ہو گئے ہیں۔

اور عمر نے کہا جس شخص نے (ان حروف یعنی دس لاکھ ستائیس ہزار سے) ایک حرف صابر ہو کر ثواب کی امید سے پڑھا تو اس کے لیے جنت کی حوروں

ا۔ سورہ فصلت، آیت ۴۱۔ ۴۲۔

سے ایک حور ہو گی۔ اب آپ ہی انصاف سے بتائیں کہ لوگ کتنی حوروں سے محروم ہو گئے۔ نیز اہل سنت کا قرآن کامل کہاں گیا۔ قرآن میں اتنی بڑی کمی کے بارے میں جو جواب آپ کا ہو گا وہی جواب ہمارا ہو گا نیز ان روایات کی نسبت جو موہم تحریف ہیں۔

نیز عبد اللہ ابن عمر کہتا ہے کوئی یہ نہ کہے میں نے پورا قرآن پالیا ہے **قد ذهب منه قرآن كثير**: بتحقیق قرآن کا زیادہ حصہ ضائع ہو گیا ہے بلکہ کہو کہ جو قرآن ظاہر ہوا ہے میں نے اس کو پالیا ہے۔[1]

نوٹ: مقام میں ذھب کا معنی نسخ نہیں ہے، کما لا یخفی۔

عبد اللہ بن مسعود صحابی مصحف میں سورہ فاتحہ کو نہیں لکھتا تھا۔[2]

نیز عبد اللہ بن مسعود کہتا تھا کہ معوذتین، قرآن کا حصہ نہیں ہیں[3]۔ اور اپنے مصحف سے ان دونوں سورتوں کو مٹا دیتا تھا[4]۔ اور ان دونوں سورتوں کو پڑھتا بھی نہیں تھا[5] اور اپنے مصحف میں معوذتین کو لکھتا بھی نہیں تھا۔[6]

۱۔ الاتقان، ج ۳، ص ۷۲، و کتب دیگر۔

۲۔ تفسیر فتح القدیر، ج ۱، ص ۲۵، و کتب دیگر۔

۳۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری، ج ۸، ص ۶۱۵، تفسیر ابن کثیر، ج ۴، ص ۲۰۹۶۔

۴۔ تفسیر فتح القدیر، ج ۵، ص ۸۳۷؛ فتح الباری، ج ۸، ص ۶۱۵؛ تفسیر ابن کثیر، ج ۴، ص ۲۰۹۶۔

۵۔ تفسیر فتح القدیر، ج ۵، ص ۸۳۷ و کتب دیگر۔

۶۔ فتح الباری، ج ۸، ص ۶۱۵؛ تفسیر ابن کثیر، ج ۴، ص ۲۰۹۶۔

عبد اللہ ابن مسعود کا معوذ تین سے انکار اہل سنت کی صحیح روایات میں نقل ہوا ہے۔ کما فی فتح الباری۔[۱]

نیز حذیفہ صحابی کا کہنا کہ جس کو تم سورہ توبہ کے نام سے یاد کرتے ہو وہ سورہ عذاب ہے کسی (صحابی) کو اس سورہ نے نہیں چھوڑا مگر اس میں کوئی عیب نکالا ہے اور جتنا یہ سورہ ہم پڑھتے تھے تم اس مقدار سے صرف ایک چوتھائی پڑھتے ہو، کما فی الدر المنثور۔

نیز عائشہ کہتی ہیں حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں سورہ احزاب کی دو سو آیات پڑھی جاتی تھیں پس جب عثمان نے قرآن لکھوائے تو اس میں موجودہ آیات سے زیادہ پر متمکن نہ ہوسکے یہ حدیث قرآن سے کچھ حصہ کے ضائع ہونے میں ظاہر ہے، کما فی روح المعانی وغیرہ۔

نیز عائشہ کا اعتراف ہے کہ آیت رجم اور رضاعت کبیر کو جو کہ میرے صحیفے میں تھی اس کو بکری کھا گئی، جیسا کہ سنن ابن ماجہ میں ہے۔

نوٹ: تحریف اور قرآن میں آیات کی کمی ہونے والی اہل سنت کی روایات کو تفسیر الاتقان، تفسیر در منثور وغیرہ میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے، اہل سنت کے ایک مصری عالم نے ایک کتاب الفرقان کو تالیف کیا ہے جس میں اس نے روایات تحریف وغیرہ کو جمع کیا ہے۔

۱۔ ج۸، ص ۶۱۵۔

جو جواب ان روایات اور اس کتاب الفرقان کے بارے میں تمہارا ہوگا وہی جواب فصل الخطاب کی روایات کے بارے میں ہمارا ہوگا۔

فصل الخطاب نامی کتاب شیعہ کے نزدیک معتبر نہیں ہے بلکہ اس کی ردّ میں بعض محققین علماء شیعہ نے کتب بھی تحریر کی ہیں، جیسے: فقیہ محقق شیخ محمود ابن ابی القاسم طہرانی نے کشف الارتیاب فی عدم تحریف الکتاب کو تحریر فرمایا تھا۔

اور دیگر کئی ایک علماے نے اپنی تحریروں میں فصل الخطاب کو معتبر نہیں سمجھا۔ حق بھی یہی ہے کہ یہ کتاب شیعہ کے نزدیک کوئی وقعت نہیں رکھتی اور مؤلف نے اس کتاب کی تدوین میں خطاء کی ہے جیساکہ وہ خود بھی اس کتاب کی نامگذاری میں پشیمان ہوئے تھے۔

خلاصہ یہ کہ موہم روایات تحریف، کا حلّی جواب یہ ہے کہ ان میں اکثر روایات ضعیف السند ہیں وثانیاً یہ روایات تفسیر، بیان اور وضاحت اور مصادیق پر تطبیق کے بارے میں ہیں پس جن آیات میں اضافہ کا ذکر آیا ہے وہ کلمات تفسیری، بیانی اور توضیحی تھے نہ کہ تنزیلی تھے۔ شیعہ کا عقیدہ یہ ہے قرآن میں ہرگز کمی یا زیادتی واقع نہیں ہوئی جیساکہ تفسیر صافی اور دیگر کتب میں تصریح موجود ہے۔

تحریف کے متعلق روایات سے اہل سنت کی کتب بھری پڑی ہیں۔ ان سب روایات و اقوال کی تفصیل کو ہم اس کتاب میں متعرض نہیں ہونا چاہتے اور بعض روایات کی طرف ہم نے اشارہ کر دیا ہے اور اسی میں جواباً کفایت ہے۔

معراج

حضور ﷺ کو معراج ہوئی ہے جس کا ذکر قرآن مجید کی سورہ اسرائیل کی آیت نمبر ۱ اور معراج کی داستان کا ذکر سورہ زخرف آیت ۴۵، سورہ نجم کی آیات ۵۔ ۱۸ میں آیا ہے۔ اگرچہ لفظ معراج قرآن میں استعمال نہیں ہوا اس کی جگہ پر اسریٰ آیا ہے۔ جس کو علماء نے معراج سے تعبیر کیا ہے۔ سورہ اسرائیل کی آیت سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ معراج مسجد حرام سے شروع اور بیت المقدس پر ختم ہے اور اسکے بعد والے واقعات کے بارے میں آیت خاموش ہے۔ حضورؐ کا مسجد الاقصیٰ سے آسمان کی طرف عروج کا ذکر متواتر روایات میں آیا ہے اور اوپر والی آیات کی شان نزول میں بیان ہوا ہے۔ حضورؐ کو معراج بیداری میں جسم اور روح دونوں کے ساتھ ہوئی ہے اصل مسئلہ معراج ضروریات دین سے ہے اور اس کا منکر اسلام سے خارج ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: جو شخص چار چیزوں کا انکار کرتا ہے وہ ہم سے نہیں ہے۔ ۱۔ معراج، ۲۔ قبر میں سوال و جواب،

۳۔جنت و دوزخ کی خلقت ۴۔مسئلہ شفاعت۔[1]

معراج ہجرت سے پہلے ہوئی ہے۔ البتہ معراج کے مکان کے بارے میں اختلاف ہے کہ حضرت ام ہانی کے گھر سے ہوئی ہے یا شعب ابی طالب سے یا مسجد الحرام سے۔

البتہ ہماری روایات میں ہے کہ حضورؐ کو ایک سو بیس مرتبہ معراج ہوئی ہے۔ اور وہاں ولایت علی ابن ابی طالب علیہ السلام پر سب فرائض سے زیادہ تاکید کی گئی ہے۔

تذکر: معراج کے بارے میں دیگر مذاہب کے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ معراج خواب میں ہوئی ہے نہ کہ بیداری میں، اور بعض کا خیال ہے کہ معراج روح کے ساتھ تھی نہ کہ بدن کے ساتھ۔

حالانکہ قرآن میں آیا ہے ﴿سبحان الذی أسریٰ بِعَبدِہِ لَیلاً الخ﴾ عبد، (بندہ) روح اور بدن دونوں کے مجموعہ کا نام ہے نہ کہ صرف روح بغیر بدن کے۔

معراج جسمانی کے انکار پر جو دلیل دی جاتی ہے وہ معاویہ اور عائشہ کا قول ہے کہ معاویہ نے کہا کہ معراج سچا خواب تھا اور عائشہ کہتی ہیں معراج کی رات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم مبارک ہماری آنکھوں سے پنہان نہیں ہوا۔ حالانکہ معاویہ ۹ ہجری فتح مکہ کے دن مسلمان ہوا اور عائشہ کی شادی ہجرت کے بعد ہوئی ہے اور

۱۔ حق الیقین، ص ۱۶۸ (للسید الشبرؒ)۔

معراج ہجرت سے پہلے ہوئی ہے۔ فافهم جيداً (پس اچھی طرح سمجھیں اور سوچیں)

البتہ اہل سنت میں بھی ایسے علماء ہیں جو مسئلہ معراج میں شیعہ کے ساتھ متفق ہیں کہ حضورؐ کو معراج بیداری میں جسمانی ہوا ہے۔ (کما فی عقائد النسفی، ص ۲۲۴ و شرح مقاصد ۵/ ۴۸)

مخفی نہ رہے کہ سب انبیاء میں سے معراج صرف ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو ہوئی ہے اور کسی نبی کو نہیں ہوئی۔ البتہ آسمان پر شب معراج انبیاء کا، حضورؐ کا استقبال کرنا اور آنحضرتؐ کا ان کو جماعت کرانا اور ان سے سوال کرنا کہ آپ کو نبوت کس بات پر ملی ہے ان کا جواب دینا کہ خدا کی توحید، آپ کی نبوت اور ولایت علی بن ابی طالب علیہ السلام کی گواہی دینے پر ملی ہے یہ سب باتیں صحیح و درست ہیں۔

خاتمیت

شیعہ کا عقیدہ یہ ہے کہ حضورؐ پر نبوت کا دروازہ بند ہو گیا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ کے آخری نبی ہیں ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا جو بھی ان کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا، کذاب ہے۔ آنحضرتؐ کے آخری نبی ہونے پر بہت سے دلائل ہیں جن میں سے بعض کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

دلیل اول: ضرورت، جو شخص اسلام کو دلیل منطق کے ساتھ مانے حضورؐ کی خاتمیت کو بھی مانے گا کوئی مسلمان، آنحضرتؐ کے بعد کسی نئے نبی کے آنے کے انتظار میں نہیں ہے پس مسلمانوں کے نزدیک ختم نبوت ضروریات اور بدیہات میں سے ہے۔

دلیل دوم: ارشاد رب العزت ہے: ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا﴾ (۱)

حضرت محمد ﷺ، تمہارے مردوں میں سے کسی ایک کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول اور سلسلہ انبیاء کے خاتم ہیں اور اللہ ہر شی کا خوب جاننے والا ہے۔

بعض کا خیال ہے کہ یہاں خاتَم تاء بر فتح، زبر کے ساتھ ذکر ہوا ہے جس کا معنی انگوٹھی ہے۔ کسرہ، زیر کے ساتھ نہیں یعنی خاتِم۔ یعنی ختم کرنے والا، لہٰذا ختم نبوت میں مناقشہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ (خواہ بالفتح ہو یا بالکسر) ہر دو کا معنی تمام ہونا اور ہر چیز کا پایان ہونا ہے یہی وجہ ہے کہ عرب انگوٹھی کو خاتَم (بالفتح) کہتے ہیں۔ صدر اسلام میں لوگوں کی انگوٹھیوں کے نگینے ان کی مہریں ہوا کرتی تھیں لہٰذا جو خطوط اور مکتوبات لکھتے تو ان کے آخر میں اپنی انگوٹھی سے مہر لگاتے تھے۔ جس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ لکھنے والے کے مطالب

۱۔ سورہ احزاب، آیت ۴۰۔

یہاں پر ختم ہیں اگر مہر کے بعد کوئی مطلب لکھے تو یہ لکھائی الحاقی ہوگی جس کا اعتبار نہیں ہے تو اس بناء پر مذکورہ آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ حضورؐ کی تشریف آوری سے نبوت کا دروازہ بند ہوگیا چونکہ نبوت کی فہرست میں آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں جو کہ سب لوگوں کی طرف رسول بن کر آئے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ربّ العزت ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلا كَافَّةً لِلنَّاسِ﴾[۱] ہم نے آپ کو سب لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔ نیز ارشاد رب العزت ہے: ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾[۲] پیغمبر کہہ دو کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ لہٰذا آنحضرتؐ کے بعد کسی نبی کی ضرورت نہیں ہے۔ آنجنابؐ پر نبوت ختم ہے ان کے بعد قرآن واسلام کی حفاظت اور لوگوں کے روزمرہ دینی مشکلات کے حل کے لیے امامت وخلافت شروع ہوتی ہے۔

دلیل سوم: آنحضرتؐ کی ختم نبوت پر بہت سی احادیث موجود ہیں۔ حدیث منزلت جو کہ متواتر ہے جس کو سنی و شیعہ نے نقل کیا ہے۔ انت منی بمنزلة هارون من موسی الّا انّه لا نبی بعدی؛ حضورؐ نے حضرت علی علیہ السلام کو

۱۔ سورہ سبا، آیت ۲۸۔

۲۔ سورہ اعراف، آیت ۱۵۸۔

مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا: تیری منزلت مجھ سے ایسی ہے جیسے ہارون کو موسیٰ سے مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

معتبر حدیث میں حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری نقل کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: انبیاء میں میری مثال ایسے ہے کہ کوئی مکان تیار کرے اور وہ کامل اور زیبا ہو صرف ایک اینٹ کی جگہ خالی ہو جو بھی نگاہ کرے کہے گا یہ گھر کتنا زیبا و خوبصورت ہے لیکن یہ ایک اینٹ کی جگہ خالی ہے۔ فرمایا: وہ آخری اینٹ میں ہوں، پیغمبروں کی نبوت مجھ پر ختم ہوئی ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا فرمان ہے: حلال محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حلال ابدا الی یوم القیامہ و حرامہ حرام ابداً الی یوم القیامة[1]؛ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلال ہمیشہ کے لیے قیامت تک حلال اور ان کا حرام قیامت تک ہمیشہ کے لیے حرام ہے۔

پس خلاصہ یہ نکلا ختم نبوت ضروری دین ہے۔ قرآنی آیات بھی دلالت کرتی ہیں اور بہت سی احادیث بھی ختم نبوت پر تصریح کرتی ہیں۔

۱۔ اصول کافی، ج۱/ ۵۸۔

ختم نبوت کا فلسفہ

ممکن ہے کہ کسی کے ذہن میں یہ سوال ہو کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ جب آخری نبی ہیں اور ان کے احکام ہمیشہ کے لیے ہیں جن میں تغیر اور تبدیلی نہیں ہوگی حالانکہ جامعہ بشری، ہمیشہ تحوّل اور دگرگونی میں ہے انسان کے حالات ہمیشہ تبدیلی میں ہیں تو پھر کیسے ممکن ہے کہ ہمیشگی والے احکام، جامعہ انسانی کی ضرورتوں کے لیے ہمیشہ کے لیے کافی ہوں حالانکہ جامعہ بشری میں بڑھتی ہوئی تبدیلی کو ہر کوئی مشاہدہ کر رہا ہے۔ پھر یہ کیسے کہا جائے کہ حضورؐ کے بعد کسی نبی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اس سوال کے جواب کے لیے درج ذیل نکات پر اچھی طرح توجہ فرمائیں آپ کو متین اور محکم جواب مل جائے گا۔

اوّلاً جواب: انبیاء کو بھیجنے والے رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ (۱)

دین اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے۔

پس دین صرف اسلام ہے۔

۱۔ سورہ آل عمران، آیت ۱۹۔

پھر ارشاد رب العزت ہے: ﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الإِسْلامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَفِي الآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ [۱]۔

اور جو اسلام کے علاوہ کوئی بھی دین تلاش کرے گا تو وہ دین اس سے قبول نہ کیا جائے گا اور وہ قیامت کے دن خسارہ والوں میں ہوگا۔

اسلام کے علاوہ کوئی دین قبول نہیں ہے۔

پھر ارشاد رب العزت ہے: ﴿فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَةَ اللهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لا يَعْلَمُونَ﴾ [۲]

آپ اپنے رخ کو دین کی طرف رکھیں اور باطل سے کنارہ کش رہیں یہ دین وہ فطرت الٰہی ہے جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے اور خلقت الٰہی میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی یقیناً یہی سیدھا اور مستحکم دین ہے مگر لوگوں کی اکثریت اس بات سے بالکل بے خبر ہے۔

دین اسلام فطرت کے ساتھ ہماہنگ ہے اور فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔

۱۔ سورہ آل عمران، آیت ۸۵۔

۲۔ سورہ مبارکہ روم، آیت ۳۰۔

پھر ارشاد ربّ العزت ہے: ﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَى لِلْمُسْلِمِينَ﴾ (۱)

اور ہم نے آپ پر کتاب نازل کی ہے جس میں ہر شی کی وضاحت موجود ہے اور یہ کتاب اطاعت گزاروں کے لیے ہدایت، رحمت اور بشارت ہے۔

پس معلوم ہوا کہ حضورؐ پر نازل ہونے والی کتاب (قرآن) میں ہر چیز کی وضاحت موجود ہے۔

نیز ارشاد ربّ العزت ہے:

﴿وَلا رَطْبٍ وَلا يَابِسٍ إِلاَّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ﴾ (۲)

کوئی خشک وتر ایسا نہیں ہے جو کتاب مبین کے اندر محفوظ نہ ہو۔

یعنی قرآن میں ہر خشک وتر کا ذکر موجود ہے۔

پھر ارشاد رب العزت ہے:

﴿تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا﴾ (۳)

بابرکت ہے وہ خدا جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا تاکہ وہ سارے جہانوں کے لیے عذاب الٰہی سے ڈرانے والا بن جائے۔

۱۔ سورہ مبارکہ نحل، آیت ۸۹۔

۲۔ سورہ مبارکہ انعام، آیت ۵۹۔

۳۔ سورہ مبارکہ فرقان، آیت ۱۔

پس معلوم ہوا کہ حضورؐ عالمین کے لیے نذیر بن کر آئے ہیں یعنی وہ صرف انسانوں کے لیے مبعوث نہیں ہوئے بلکہ جن و انس اور عالمین (سب جہانوں) کے لیے نذیر بن کر آئے ہیں۔

پھر ارشاد ربّ العزت ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ﴾ [1]

اور ہم نے آپ کو عالمین کے لیے صرف رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

حضورؐ عالمین کے لیے رحمت ہیں۔

پھر ارشاد ربّ العزت ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لا يَعْلَمُونَ﴾ [2]

اور پیغمبر ہم نے آپ کو صرف تمام لوگوں کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے یہ اور بات ہے کہ اکثر لوگ اس حقیقت سے باخبر نہیں ہیں۔

یعنی حضورؐ سب لوگوں کی طرف (قیامت تک کے لیے) بشیر اور نذیر بن کر آئے ہیں دین اسلام دین فطرت ہے اور فطرت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی اور آنجنابؐ پر نازل شدہ کتاب قرآن میں ہر خشک و تر کا ذکر موجود ہے اور حضورؐ لوگوں کو قرآن کی تفسیر بیان فرماتے تھے۔ حضورؐ کی رحلت کے بعد اللہ نے بشر کی راہنمائی کے لیے لوگوں کو بغیر راہنما کے نہیں چھوڑا چونکہ حضور پر نبوت کا

۱۔ سورہ مبارکہ انبیاء، آیت ۱۰۷۔

۲۔ سورہ مبارکہ سبا، آیت ۲۸۔

دروازہ بند ہے لہٰذا حضورؐ کے بعد امامت کا آغاز ہے حضورؐ کے بارہ معصوم جانشین ہیں جن میں پہلا علیؑ اور آخری مہدی آل محمد (عج) ہیں جو کہ انبیاء کے علوم کے وارث اور قرآن کے حقیقی مفسر ہیں ہر مسئلہ خواہ وہ جدید ہو یا قدیمی اس کا جواب ان کے پاس موجود ہے۔ لہٰذا حضورؐ کے معصوم جانشینوں کے ہوتے ہوئے کسی نئے نبی کی ضرورت نہیں ہے۔ فافهم جیداً۔

پھر ارشاد ربّ العزت ہے: ﴿ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الإِسْلامَ دِينًا ﴾[1]

آج میں نے تمہارے لیے دین کو مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمتوں کو تمام کر دیا ہے اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسندیدہ بنادیا ہے۔

جب حضورؐ آخری حج کرکے واپس لوٹے مقام خم غدیر پر یہ آیت اُتری ﴿ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللهَ لا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴾[2]۔

۱۔ سورہ مبارکہ مائدہ، آیت ۳۔

۲۔ سورہ مبارکہ مائدہ، آیت ٦٧۔

اے پیغمبرؐ! آپ اس حکم کو پہنچا دیں جو آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور اگر آپ نے یہ نہ کیا تو گویا اس کے پیغام کو نہیں پہنچایا اور خدا آپ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا کہ اللہ کافروں کی ہدایت نہیں کرتا۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضورؐ نے حضرت علی مرتضی علیہ السلام کا مخصوص منبر پر ہاتھ بلند کرکے ہزاروں صحابہ کے سامنے ان کی ولایت اور خلافت کا اعلان کر دیا۔

من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ؛ جس کا میں مولا (سردار) ہوں اس کا (میرے بعد) علیؑ مولا و سردار ہے۔

امیر المومنین علی علیہ السلام کے بارے میں حضورؐ کا فرمان ہے: انا مدینۃ العلم و علی بابھا؛ میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں۔

اور حضور کا دین چونکہ عالمین کے لیے ہے لہٰذا عالمیت کے جتنے مسائل ہوں گے ان سب کا علم حضورؐ کے معصوم جانشین حضرت علی علیہ السلام کے پاس ہے ان کے بعد امام حسن اور ان کے بعد امام حسین اور ان کے بعد ائمہ طاہرین جو کہ ذریت حسینؑ سے ہیں۔ لہٰذا کسی نئے نبی کی ضرورت نہیں ہے۔ و الشاہد علی ذلک یہی وجہ ہے کہ سب، حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کی انتظار میں ہیں کہ جب وہ بحکم خدا ظہور فرمائیں گے پوری دنیا کو عدل و انصاف کے ساتھ بھر دیں گے جیسے وہ پہلے ظلم و جور کے ساتھ بھری ہے۔ جدید دور کے تمام جدید

مسائل کا حل ان کے پاس موجود ہے۔ لہٰذا امام کے آنے کی انتظار ہے نہ کہ کسی نئے نبی کے آنے کی۔ فافھم جیداً۔

نیز حضورؐ کا ارشاد ہے کہ میں تم میں دو گراں بہا چیزیں قرآن اور اپنی اہل بیت و عترت کو چھوڑ کر جا رہا ہوں اگر تم نے ان کے ساتھ تمسک رکھا تو گمراہی سے بچ جاؤ گے، یہ آپس میں ہرگز جدا نہ ہوں گے حتی کہ میرے پاس حوض کوثر تک آ جائیں۔

قرآن میں ہر چیز کا ذکر موجود ہے لیکن اس کو اس کے مفسر حقیقی ہی بتا سکتے ہیں۔ قرآن قیامت تک کے لیے ہے تو حضور کی نبوت بھی قیامت تک کے لیے ہے۔ حضورؐ کے بعد آنجناب کے معصوم جانشین جو کہ ان کی اہل بیت سے ہیں قرآن کے حقیقی وارث اور مفسر ہیں ہر نئے مسئلہ کا حلّ ان کے پاس موجود ہے۔ چونکہ حضورؐ کی شریعت کامل و اکمل ہے کامل و اکمل شریعت کے ہوتے ہوئے باوجود حضورؐ کے معصوم جانشینوں کے کسی نئے نبی کی ضرورت نہیں ہے۔

خلاصہ حضور کی ختم نبوت پر درج ذیل دلائل ہیں:

۱۔ ضرورت دین، ۲۔ آیات، ۳۔ احادیث، ۴۔ اجماع مسلمین۔

کوئی مسلمان کسی نئے نبی کے انتظار میں نہیں ہے۔

علم غیب(۱)

سب انبیاء و اوصیاء اللہ کی مخلوق اور اس کے نیک بندے ہیں خداوند متعال کی طرف سے بشر کی ہدایت و راہنمائی کے لیے مبعوث ہوئے اور وہ اپنے زمانے میں حجت خدا تھے آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جو کہ اللہ کی پوری مخلوق پر حجت اور ان کے بعد ان کے اہل بیت سے ائمہ طاہرین علیہم السلام اللہ کے مکرم بندے اور آنجنابؐ کے جانشین اور حجت خدا ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نبوت ختم ہے لیکن ان کے بعد امامت کا سلسلہ شروع ہے۔ جس طرح نبی حجت خدا ہوتا ہے امام معصوم بھی حجت خدا ہوتا ہے لیکن ائمہ طاہرین علیہم السلام امام ہیں نبی نہیں ہیں۔ امام معصوم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خدا اکرم ہے اس چیز سے کہ کسی کی اطاعت کو بندوں پر واجب قرار دے اور پھر علم کو اس سے چھپا دے۔(۲)

سوال: آیا انبیاء علم غیبت جانتے ہیں؟

جواب: ہاں وہ خدا کی عطاء اور اذن سے غیب جانتے ہیں۔

سوال: اس دعویٰ کی دلیل کیا ہے؟

۱۔ اگرچہ ہماری بحث انبیاء کے بارے میں ہے لیکن یہاں پر علم غیب کے بارے میں کلی اور وسیع طور پر بحث مطرح کرتے ہیں تاکہ حضورؐ کے خلفاء ائمہ طاہرین علیہم السلام کو بھی شامل ہو جائے پھر ان کے لیے الگ بحث کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔

۲۔ اصول کافی، ج ۲، ص ۳۰۶۔۳۱۰، ناشر انتشارات اسوہ۔

جواب: ارشاد رب العزت ہے: ﴿عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا ۔ إِلَّا مَنِ ارْتَضَى مِنْ رَسُولٍ﴾[1]

وہ عالم الغیب ہے اور اپنے غیب پر کسی کو آگاہ نہیں کرتا مگر جس رسول کو پسند کرلے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسی علیہ السلام لوگوں کو غیبی باتوں سے آگاہ کرتے تھے، جس کی گواہی قرآن نے دی ہے۔

﴿وَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾[2]

جو کچھ تم کھاتے ہو اور اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو میں تمہیں اس کی خبر دیتا ہوں۔ ان سب میں تمہارے لیے نشانیاں ہیں اگر تم صاحبان ایمان ہو۔

(حوزہ علمیہ قم کے آقایان غلام رضا کاردان اور احمد مطہری صاحب نے مقام پر اپنے رسالہ علم پیامبر و امام در قرآن میں درج ذیل آیات سے غیب کے بارے میں جو تحریر کیا ہے اس کا ملخص پیش خدمت ہے۔

ارشاد رب العزت ہے: ﴿إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا﴾[3]

۱۔ سورہ جن، آیت ۲۶۔ ۲۷۔

۲۔ سورہ مبارکہ آل عمران، آیت ۴۹۔

۳۔ سورہ مبارکہ فتح، آیت ۸۔

بتحقیق ہم نے آپ کو بھیجا در حالانکہ گواہ اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہے۔

﴿إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولاً شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَى فِرْعَوْنَ رَسُولاً﴾ [1]

بے شک ہم نے تم لوگوں کی طرف تمہارا گواہ بنا کر ایک رسول بھیجا ہے جس طرح فرعون کی طرف رسول بھیجا تھا۔

مخفی نہ رہے کہ ان آیات میں حضورؐ کو (امت کے اعمال پر) شاہد بیان کیا گیا ہے حالانکہ شاہد (یعنی گواہ) اس وقت ہو سکتا ہے جب وقت عمل میں حاضر اور ان کو مشاہدہ کر رہا ہو۔ (اور یہ آیت مطلق ہے اس میں حیات کی قید کا ذکر نہیں ہے یعنی آپؐ حیات میں اور ظاہری حیات کے بعد بھی شاہد ہیں)

﴿إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ﴾ الیکم یہ خطاب پوری امت کی طرف متوجہ ہے اور سب زمانوں کے لیے ہے۔

اس آیت میں امت کے اعمال پر حضورؐ کی شہادت و گواہی کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ مخفی نہ رہے کہ نیات (نیتیں) بھی عمل میں محسوب ہوتی ہیں تو معلوم ہوا حضورؐ امت کے اعمال اور ان کی نیتوں سے بھی آگاہی رکھتے ہیں اور یہ ایک طرح کی غیبی باتوں پر آگاہی ہے۔

۱۔ سورہ مبارک مزمل، آیت ۱۵۔

نیز مخفی نہ رہے آیت میں شاہد سے مراد، فعلیت ہے رسالت، بشارت اور انذار کے ساتھ وصف شاہد بھی فعلی ہے چونکہ اوصاف مذکور (رسالت، بشارت اور انذار) فعلی ہیں۔ اور یہاں ان آیات میں شہادت سے مراد تحمل شہادت ہے نہ کہ ادائیگی شہادت چونکہ ادائیگی روز قیامت ہو گی۔

ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ سوال آئے کہ پیغمبرؐ کے لیے آگاہی اعمال، قیامت کے دن حاصل ہو اور پھر وہاں انہیں بطور شاہد پیش کیا جائے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ پیغمبر اسی دنیا میں اعمال پر گواہ ہوتا ہے عدل الٰہی اور مقام شہادت کی مناسبت اسی میں ہے کہ عمل کے وقت وہ حاضر اور آگاہ ہوں عمل کو خود مشاہدہ کریں پھر اس شہود عینی کا اظہار کریں نہ یہ کہ جو شخص عمل کے وقت تو حاضر اور آگاہ نہ ہو لیکن فیصلہ سے تھوڑا پہلے یا اسی وقت اس کو بتا دیا جائے اور پھر وہ شہادت دے۔

البتہ بعض دیگر آیات دنیا میں تحمل شہادت پر اور قیامت کے دن گواہی دینے پر دلالت کرتی ہیں۔ انتھی۔)

مخفی نہ رہے کہ انبیاء واوصیاء کا غیبی امور کو جاننا یہ خداوند متعال کی عطا سے ہے ورنہ کوئی بھی مستقلاً و بالذات (خدا کی عطا کے بغیر) غیبت کو نہیں جانتا۔

﴿ذَٰلِكَ مِنْ أَنۢبَآءِ ٱلْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ﴾[۱]

۱۔ سورہ یوسف، آیت ۱۰۲۔

پیغمبر یہ سب غیبت کی خبریں ہیں جنہیں ہم وحی کے ذریعے آپ تک پہنچا رہے ہیں۔

ایک ضروری نکتہ کی وضاحت

غیب اگرچہ شہود کے مقابلے میں ہے غیب عبارت ہے ان اشیاء کا کہ جو ادراک حسی کے محدودہ سے خارج ہوں اور شہود عبارت ہے ان چیزوں کے ادراک کا جو حواس ظاہری کے محدودہ میں ہوں۔

لیکن مورد بحث میں غیب سے مراد اشیاء کا علم جو معمولی اور عادی ذریعہ سے معلوم نہ ہو خواہ مشاہدات سے ہو یا مغیبات سے۔

صدر اسلام میں علم غیب کی ایک خاص اصطلاح تھی وہ یہ کہ غیب کی نسبت صرف ذاتی علم وآگاہی کو غیب کہتے تھے یعنی علم غیب کا استعمال وہاں ہوتا تھا جہاں عالم، خدا کی طرف سے بغیر دوسرے کی تعلیم کے غیب کو جانتا ہو لہٰذا تعلیم کے ذریعہ سے غیب پر آگاہی کو وہ اصلاً غیب نہیں کہتے تھے۔ اسی وجہ سے ائمہ طاہرین علیہم السلام جب کوئی آیندہ کی خبر دیتے تو فرماتے یہ علم غیب نہیں ہے بلکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہم نے لیا ہے حالانکہ لغوی حوالے سے اسی طرح کی آگاہی علم غیب ہے اہل لغت کی نگاہ میں فرق نہیں کرتا کہ علم غیب خود عالم کی طرف سے ہو کسی سے لیا ہو۔

امیر المومنین علی علیہ السلام نے جنگ جمل کے بعد بصرہ میں ایک خطبہ میں کچھ آیندہ حوادث کی خبریں دیں تو ایک صحابی نے ان سے سوال کیا کہ کیا آپ غیب جانتے ہیں؟ امامؑ نے تبسم کرکے فرمایا: لیس ھو بِعِلمِ الغَیبِ وَ اِنَّما ھُوَ تَعَلّمٌ مِن ذِی عِلمٍ[1]؛ یہ علم غیب نہیں ہے یہ تو صرف صاحب علم سے تعلم ہے۔

یا یحییٰ بن عبد اللہ بن حسن کا امام باقر علیہ السلام سے اس طرح کا سوال کرنا کہ آپ پر قربان ہو جاؤں کچھ لوگوں کا عقیدہ ہے کہ آپ علم غیب جانتے ہیں، امام علیہ السلام نے جواب میں فرمایا: لا و اللہ ما ھی الّا وراثۃ عن رسول اللہ ﷺ[2]؛ نہ خدا کی قسم جو کچھ ہم جانتے ہیں وہ پیغمبرؐ کے ذریعے سے ہے (ہم پیغمبرؐ کے علم کے وارث ہیں)

یا اس قبیل کی دیگر روایات میں علم غیب کی نفی، وہ اسی اصطلاح خاص جو کہ صدر اسلام میں تھی اس کو مد نظر رکھتے ہوئے کی گئی ہے۔ چونکہ نبی اور امام لوگوں کی عقلوں کے مطابق گفتگو فرماتے تھے اور ہمیں لوگوں کی اصطلاح خاص سے غرض نہیں ہے۔ یہ بات مسلمات سے ہے کہ خدا کا علم ذاتی ہے اور انبیاء و اوصیاء کا علم عطائی ہے۔ آیا اس علم عطائی پر غیب کا اطلاق کرنا صحیح ہے یا کہ نہیں؟

۱۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۲۴۔
۲۔ امالی شیخ مفید، ص ۱۱۴۔

یہ بحث ایک طرح کے اجتہاد سے مربوط ہے قدماء اور بعض مفسرین کے نزدیک یہ اطلاق صحیح نہیں ہے لیکن محققین متاخرین کے نزدیک یہ اطلاق صحیح ہے اور حق بھی یہی ہے کہ انبیاء اوصیاء ائمہ طاہرین علیہم السلام خدا کی عطا سے علم غیب جانتے ہیں۔ [1]

و الشاهد علی ذلك:

﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ﴾ [2]

اور اس کے پاس غیب کے خزانے ہیں جنہیں اس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا اور وہ خشک و تر سب کا جاننے والا ہے کوئی پتہ بھی گرتا ہے تو اسے اس کا علم ہے زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ یا خشک و تر ایسا نہیں ہے جو کتاب مبین کے اندر محفوظ نہ ہو۔

۱۔ **سوال**: ائمہ معصومین علیہم السلام کو جب مسموم پانی یا انگور وغیرہ دیئے جاتے تو کیا ان کو اس چیز کا علم ہوتا تھا؟ اور علم ہونے کی صورت میں کیا یہ خودکشی کے زمرے میں نہیں آتا؟

جواب: ائمہ طاہرین علیہم السلام کو اپنی شہادت کا علم ہوتا ہے لیکن وہ مشیت الٰہی کے سامنے تسلیم ہو جاتے ہیں اس کی مثال ایسے ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر کسی کو جہاد کا حکم دیں اور ساتھ ہی اس کو اس کی شہادت کی خبر بھی دے دیں اب اس مرد حق کے لیئے میدانِ جنگ میں جانا بھی واجب ہے لیکن یہ بھی جانتا ہے کہ اگر میدان میں گیا تو یقیناً مارا جائے گا اور جانے کی صورت میں خودکشی نہیں ہے۔ آئمہ معصومین علیہم السلام کا مسئلہ بھی اسی قبیل سے ہے۔ اگرچہ مسئلہ میں دیگر اقوال بھی ہیں لیکن وہ ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہیں کیونکہ معصومین کی عصمت کے ساتھ منافات رکھتے ہیں۔

۲۔ سورہ انعام، آیت ۵۹۔

اس آیت میں علم غیب کی جو غیر خدا سے نفی کی گئ ہے وہ علم ذاتی و استقلالی کی ہے یعنی ذاتاً و استقلالاً (بغیر عطاء خدا کے) کوئی غیب نہیں جانتا اور اس چیز میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں ہے۔ دوسرا نکتہ جو کہ ہمارا محل شاہد ہے وہ یہ ہے کہ آیت میں صراحت کے ساتھ آیا ہے کہ کتاب مبین میں ہر خشک و تر کا ذکر موجود ہے۔

اور کتاب (یعنی قرآن) کا علم پیغمبرؐ کے پاس ہے اور ان کے معصوم جانشین ائمہ طاہرین علیہم السلام کے پاس ہے۔ تو معلوم ہوا کہ وہ پوشیدہ باتوں اور ہر خشک و تر کو جانتے ہیں۔

﴿وَقَالَ الَّذِینَ کَفَرُوا لا تَأْتِینَا السَّاعَةُ قُلْ بَلَی وَرَبِّی لَتَأْتِیَنَّکُمْ عَالِمِ الْغَیْبِ لا یَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِی السَّمَاوَاتِ وَلا فِی الأَرْضِ وَلا أَصْغَرُ مِنْ ذَلِكَ وَلا أَکْبَرُ إِلا فِی کِتَابٍ مُبِینٍ﴾ [1]

وہ عالم الغیب ہے اس کے علم سے آسمان و زمین کا کوئی ذرہ دور (پوشیدہ) نہیں ہے اور نہ اس سے چھوٹا اور نہ بڑا بلکہ سب کچھ اس کی روشن کتاب میں محفوظ ہے۔

تو اس آیت میں صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ جل جلالہ، کائنات کے ذرہ ذرہ کو جانتا ہے کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اور کائنات کے ذرّہ ذرّہ کا ذکر کتاب مبین میں ہے۔

۱۔ سورہ سبا، آیت ۳۔

﴿وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِي السَّمَاءِ وَالأَرْضِ إِلا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ﴾ (۱)

اور آسمان و زمین میں کوئی پوشیدہ چیز ایسی نہیں ہے جس کا ذکر کتاب مبین میں نہ ہو۔

﴿وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الأَرْضِ وَلا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلا أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ إِلَى رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ﴾ (۲)

اور زمین میں کوئی بھی رینگنے والا یا دونوں پروں سے پرواز کرنے والا طائر ایسا نہیں ہے جو اپنی جگہ پر تمہاری طرح کی جماعت نہ رکھتا ہو ہم نے کتاب مبین میں کسی شی کے بیان میں کوئی کمی نہیں کی ہے۔

اگرچہ خود ان آیات سے یہ بات واضح نہیں ہے کہ کتاب مبین سے کیا مراد ہے آیا قرآن ہے یا لوح محفوظ یا کتاب دیگر لیکن چونکہ بہت ساری احادیث میں آیا ہے کہ قرآن میں سب اشیاء کا بیان موجود ہے حتی زمین و آسمان کے غیبی امور، گذشتہ اور آیندہ کے جریانات کو بھی متضمن ہے لہٰذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ قرآن میں سب حقائق اور سب مسائل حتی امور غیبی بھی پائے جاتے ہیں اس کا مفاد کتاب مبین اور الکتاب جو کہ بعض آیات میں ذکر ہوا ہے مساوی ہے۔

۱۔ سورہ نمل، آیت ۷۵۔

۲۔ سورہ انعام، آیت ۳۸۔

تائید: سورہ زخرف کی آیت دو اور تین میں کتاب مبین سے مراد قرآن لیا گیا ہے۔ ﴿وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ ـ إِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾ اس روشن کتاب کی قسم بے شک ہم نے اسے عربی قرآن قرار دیا ہے تاکہ تم سمجھ سکو۔ نیز سورہ دخان کی آیت ۳- ۵- میں۔

پھر ارشاد ربّ العزت ہے:

﴿قُلْ كَفَى بِاللهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ﴾ [۱]

کہہ دیجئے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان رسالت کی گواہی کے لیے خدا کافی ہے اور وہ شخص کافی ہے جس کے پاس پوری کتاب کا علم ہے۔

صاحب علم الکتاب سے مراد، اکثر مفسرین کے نزدیک حضرت علی علیہ السلام ہیں۔

نیز ارشاد ہے: ﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ﴾ [۲]

اور ہم نے آپ پر کتاب نازل کی ہے جس میں ہر شی کی وضاحت موجود ہے۔

پس معلوم ہوا کہ قرآن میں سب حقائق موجود ہیں جن کو وارثان قرآن جانتے ہیں چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: عَنْ عَبْدِ الْأَعْلَى بْنِ

۱۔ سورہ رعد، آیت ۴۳۔

۲۔ سورہ نحل، آیت ۸۹۔

أَعْيَنَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا عَبْدِ اللّٰهِ ع يَقُولُ قَدْ وَلَدَنِي رَسُولُ اللّٰهِ ص وَ أَنَا أَعْلَمُ كِتَابَ اللّٰهِ وَ فِيهِ بَدْءُ الْخَلْقِ وَ مَا هُوَ كَائِنٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَ فِيهِ خَبَرُ السَّمَاءِ وَ خَبَرُ الْأَرْضِ وَ خَبَرُ الْجَنَّةِ وَ خَبَرُ النَّارِ وَ خَبَرُ مَا كَانَ وَ خَبَرُ مَا هُوَ كَائِنٌ أَعْلَمُ ذَلِكَ كَمَا أَنْظُرُ إِلَى كَفِّي إِنَّ اللّٰهَ يَقُولُ فِيهِ تِبْيَانُ كُلِّ شَيْءٍ۔

اصول کافی (ج ۱، ص ۱۸۰) میں عبد الاعلی سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا کہ فرمارہے تھے کہ میں رسولؐ کا بیٹا ہوں اور میں کتاب اللہ (قرآن) کو جانتا ہوں اس میں ابتدائے خلقت کا ذکر ہے اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے اس کا ذکر ہے اس میں آسمان زمین جنت و دوزخ گذشتہ کی اخبار اور آیندہ ہونے والے واقعات کا ذکر موجود ہے میں ان سب کو ایسے ہی دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں بتحقیق اللہ جل شانہ ارشاد فرماتا ہے کہ (قرآن میں) ہر چیز کا بیان موجود ہے۔

عَنْ مَنْصُورٍ عَنْ حَمَّادٍ اللَّحَّامِ قَالَ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ ع نَحْنُ وَ اللّٰهِ نَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَ مَا فِي الْأَرْضِ وَ مَا فِي الْجَنَّةِ وَ مَا فِي النَّارِ وَ مَا بَيْنَ ذَلِكَ قَالَ فَبُهِتُّ أَنْظُرُ إِلَيْهِ فَقَالَ يَا حَمَّادُ إِنَّ ذَلِكَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَالَ ثُمَّ تَلَا هَذِهِ الْآيَةَ يَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيداً عَلَيْهِمْ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَ جِئْنا بِكَ شَهِيداً عَلى هؤُلاءِ وَ

نَزَّلْنا عَلَیْكَ الْكِتابَ تِبْیاناً لِكُلِّ شَیْءٍ وَ هُدیً وَ رَحْمَةً وَ بُشْریٰ لِلْمُسْلِمِینَ إِنَّهُ مِنْ کِتَابِ اللهِ فِیهِ تِبْیَانُ کُلِّ شَیْءٍ۔ [۱]

حماد سے منقول ہے کہ انہوں نے کہا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور جو کچھ جنت و دوزخ میں ہے اور جو ان کے درمیان ہے (ان سب کو) جانتے ہیں حماد کہتا ہے میں بہت و حیرت کی حالت میں امام علیہ السلام کی طرف دیکھ رہا تھا! امام علیہ السلام نے فرمایا: اے حماد! ان چیزوں کا علم کتاب خدا (قرآن) میں ہے۔

پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کو (شاہد کے طور پر) تلاوت فرمایا: اور قیامت کے دن ہر گروہ کے خلاف انہیں میں کا ایک گواہ اٹھائیں گے اور پیغمبر آپ کو ان سب کا گواہ بنا کر لے آئیں گے اور ہم نے آپ پر کتاب نازل کی ہے جس میں ہر شی کی وضاحت موجود ہے اور یہ کتاب اطاعت گزاروں کے لیے ہدایت، رحمت اور بشارت ہے۔ اور اس میں (قرآن میں) ہر چیز کا بیان موجود ہے۔

اگرچہ قرآن ہدایت کی کتاب ہے لیکن اس میں سب حقائق اور غیبی امور کا ذکر بھی موجود ہے۔

سوال: اگر قرآن میں سب حقائق اور غیبی امور کا ذکر موجود ہے تو ہمیں ان کا پتہ کیوں نہیں چلتا؟

۱۔ تفسیر عیاشی۔

جواب: احادیث میں ہے کہ قرآن کا ظاہر ہے اور اس کا باطن ہے اور باطن کے سات بلکہ ستر بطون ہیں اور ان کا علم وارثان قرآن کے پاس ہے۔

﴿ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا﴾ (۱)

پھر ہم نے اس کتاب کا وارث ان افراد کو قرار دیا ہے جنہیں اپنے بندوں میں سے چن لیا۔

اور انہی وارثوں کا ذکر حدیث متواتر، حدیث ثقلین میں آیا ہے وہ اہل بیت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جن میں پہلے حضرت علی علیہ السلام ہیں۔

خلاصہ یہ کہ خدا کا علم ذاتی ہے اور انبیاء کا علم عطائی ہے۔

حضورؐ کے پاس سب انبیاء کا علم ہے اور اسکے علاوہ خدا نے غیب کا جو علم آنجنابؐ کو عطا فرمایا ہے حضورؐ نے اس کو امیر المومنین علی علیہ السلام کو عطا فرمایا ہے اور امیر المومنین علی علیہ السلام کے ذریعہ باقی ائمہ طاہرین علیہم السلام کو ملا ہے۔ قرآن کی بعض آیات علم غیب کو ثابت کرتی ہیں اور بعض آیات علم غیب کی نفی کرتی ہیں۔

جن آیات اور احادیث میں علم غیب کی نفی کا ذکر آیا ہے یا تو اس سے مراد غیب ذاتی و استقلالی ہے یا ان سے مراد وہ علم خاص ہے جو خدا کے پاس ہے جیسے

۱۔ سورہ فاطر، آیت ۳۲۔

قیامت کا علم یا علم کے اظہار کی عدم اجازت مراد ہے یا علم ظاہری کی نفی مراد ہے جو کہ عادی اسباب اور ظاہری امارات سے حاصل ہوتا ہے أو غیر ذلك۔

قرآنی آیات کے علاوہ اکثر احادیث، معصومین علیہم السلام کے لیے علم غیب رکھنے کو ثابت کرتی ہیں اور یہ احادیث، نافیہ احادیث کی نسبت زیادہ اور سند کے حوالے سے صحیح تر ہیں اور مشہور بھی ہیں۔

اور غیب کی نفی کرنے والی روایات اور مشیئت سے مقید کرنے والی اور نسیان انبیاء والی روایات، شاذ اور موافق اہل سنت ہیں لہٰذا علم غیب کی نفی کرنے والی روایات قابل اعتماد نہیں ہیں مضافا بر اینکہ نافیہ روایات میں تقیہ کا احتمال بھی پایا جاتا ہے۔

بلکہ معتبر روایات میں ہے کہ اسم الاکبر (اعظم) کے تہتر حروف ہیں جن میں بہتر (۷۲) کا علم خدا نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو دیا اور ان سے ائمہ طاہرین علیہم السلام کو ملا ہے۔

اسم اعظم کے حروف سے حضرت آصف بن برخیا کے پاس صرف ایک حرف کا علم تھا جس کی وجہ سے وہ آنکھ جھپکنے سے پہلے دو ماہ کی دور مسافت سے بلقیس کے تخت کو حضرت سلمان نبی کے پاس حاضر کر دیا حضرت عیسیٰ کے پاس صرف دو حرفوں کا علم تھا جن کے ذریعہ وہ مردوں کو باذن اللہ زندہ کرتے

اور نابیناؤں اور مریضوں کو شفا اور غیبی اخبار دیتے تھے اور جن کے پاس بہتّر کا علم ہو ان کے بارے میں کیا خیال ہے کہ وہ کتنی قدرت کے مالک ہیں۔

تو اس بناء پر یہ کہ ائمہ معصومین علیہم السلام غیبی امور سے بعض جزئی امور کا علم رکھتے ہیں یہ نظریہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اوّلًا تو وہ قرآن کے وارث ہیں اور قرآن میں سب حقائق موجود ہیں و ثانیاً شب قدر تمام مقدرات سال، ملائکہ اور روح ہر زمانہ کے امام و معصوم کے پاس لے کر آتے ہیں و ثالثاً ان کے پاس اسم اعظم کے بہتر حروف کا علم ہے و رابعاً ان کے پاس مصحف فاطمہ علیہا السلام ہے جس میں قیامت تک کے واقعات کا ذکر موجود ہے و۔۔۔

أمّا علم معصومین علیہم السلام کی کیفیت کے بارے میں کہ وہ حضوری ہے یا ارادی تو اس میں علماء کے دو قول ہیں اور مشہور بین العلماء قول اوّل ہے البتہ یہاں تفصیل کا قائل ہو جانا بھی ممکن ہے وہ یہ کہ جن امور کے علم کی احتیاج ہو ان کا علم بالفعل اور حضوری ہو اور جن امور کے علم کی احتیاج نہ ہو اگر ان کو جاننا چاہیں تو جان لیتے ہیں ان کی نسبت ارادی ہو تو اس سے جمع بین الروایات اور اقوال ہو جائے گی۔ مگر یہ کہ یہ کہا جائے کہ علم ارادی بھی علم حضوری کے حکم میں ہے چونکہ ارادہ پر کوئی زور تو نہیں لگتا تو پھر سرے سے بحث ہی ختم ہو جائے گی۔ واللہ العالم۔

توسل

شیعہ کا عقیدہ ہے کہ انبیاء ، اوصیاء و اولیاء اللہ کے مکرم بندے ہیں۔ مشکلات میں خدا سے دعا کرتے ہوئے ان صالحان کو اپنا وسیلہ بنایا جاسکتا ہے اور ان سے توسل بلا اشکال ہے اور اس کا شرک کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے چونکہ ارشاد رب العزت ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ [1]

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس تک پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو کہ شاید اس طرح کامیاب ہو جاؤ۔

اگرچہ سب نیک اعمال بھی وسیلہ ہیں لیکن سب وسیلوں سے اشرف وسیلہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور انکی پاک آل ہیں کہ اگر آنجنابؐ کسی گنہگار کی بخشش کے لیے طلب مغفرت کریں تو خدا گنہگاروں کو بخش دیتا ہے چنانچہ ارشاد رب العزت ہے:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللهَ تَوَّابًا رَحِيمًا﴾ [2]

۱۔ سورہ مائدہ، آیت ۳۵۔

۲۔ سورہ نساء، آیت ۶۴۔

اے کاش جب ان لوگوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا تھا تو آپ کے پاس آتے اور خود بھی اپنے گناہوں کے لیے طلب مغفرت کرتے اور رسول بھی ان کے حق میں طلب مغفرت کرتے تو یہ خدا کو بڑا ہی توبہ کرنے والا اور مہربان پاتے۔

سوال: آنجنابؐ کی رحلت کے بعد وہ کیسے سنتے ہیں اور کیسے مدد کرتے ہیں؟

جواب: **اولاً**: یہ آیت مطلق ہے اس میں حیات کی قید نہیں ہے وہ حضورؐ کی زندگی میں ان کے پاس آئیں اور طلب مغفرت کی ان سے درخواست کریں یا ان کی رحلت کے بعد ان کی قبر اطہر پر درخواست پیش کریں۔

وثانیاً، موت نابودی کا نام نہیں ہے بلکہ انس صحابی سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: انبیاء کرام اپنی قبروں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں[1] یہی وجہ ہے کہ مسلمان نماز میں حضورؐ کو السلام علیك ایها النبی کہہ کر سلام کرتا ہے یعنی ان کو مخاطب اور حاضر سمجھ کر سلام کرتا ہے (كِ ضمیر خطاب کی ہے) اور اگر موت نابودی کا نام ہے کہ پھر نعوذ باللہ نابود کو مخاطب کرنا چہ معنی دارد؟ حالانکہ آنحضرتؐ کو جو کوئی سلام کرتا ہے وہ اس کا جواب دیتے ہیں، خواہ وہ سلام دور سے کرے یا نزدیک سے۔ نیز جو آنجنابؐ پر درود بھیجتا ہے اس پر وہ آگاہ ہیں (خواہ بدون واسطہ یا بواسطہ ملک) اور معتبر روایات میں ہے کہ جب بھی دعا کرو تو درود کے ساتھ کرو تو یہ کیسے باور کیا جائے کہ درود کی آواز تو آنجنابؐ تک پہنچ

۱۔ سُبل الہدی، ج ۱۲/ ۳۶۷، تالیف امام محمد بن یوسف صالحی شامی۔

جائے لیکن استغاثہ کی آواز نہ پہنچے۔ بلکہ حضورؐ نے ان کے ساتھ توسل اور پکارنے کا خود حکم دیا ہے اور یہ روایت صحاح ستہ اہل سنت میں موجود ہے جو کہ سند کے حوالے سے صحیح بھی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ کہ جناب عثمان بن حنیف روایت کرتے ہیں کہ ایک نابینا شخص حضورؐ کی خدمت میں آیا اور حضورؐ سے شفا کی درخواست کی تو آپ نے فرمایا: اگر میں تیرے حق میں دعا نہ کروں تو بہتر ہے (یعنی اس نابینائی پر صبر کرے گا تو ماجور ہے) اگر چاہتا ہے تو میں دعا کرتا ہوں تو اس نے عرض کیا کہ آپ دعا کریں تو آپ نے اس کو حکم دیا کہ وضو کرے اور دو رکعت نماز پڑھے اور یہ دعا پڑھے:

اللھم انی اسألك و اتوجّہ الیك بِمُحَمَّدٍ نبیّ الرحمة یَا محمّد اِنی قد توجّھت بك الی ربّی فی حاجتی فی ھذہ لِتُقضیٰ اللھم فشفعه فِیّ۔

اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوا ہوں تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطہ سے، اے محمدؐ میں آپ کے واسطہ سے اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہوں اپنی حاجت میں تاکہ پوری ہو خدایا تو ان کی شفاعت کو میرے حق میں قبول فرما۔[1]

ا۔ سنن ترمذی، ج۵، ص ۵۳۱، باب ۱۱۹، حدیث ۳۵۷۸، طبع دار الفکر؛ سنن ابن ماجہ، ج۱/ ۴۴۱، باب ماجاء فی صلوۃ الحاجۃ؛ مسند احمد، ج۴/ ۱۳۸، طبع دار صادر بیروت وکتب دیگر۔

مسند احمد میں منقول ہے کہ اس شخص نے ایسا ہی کیا اور شفا پا گیا۔ تو یہ دعا صرف اسی شخص کے لیے نہیں تھی بلکہ ہر کوئی اسے پڑھ سکتا ہے اور حضورؐ سے توسل کر سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ علماء اہل سنت نے اس روایت کو صلوۃ حاجت کے باب میں نقل کیا ہے۔ اب اگر کوئی شخص یہ دعا پڑھے اور حضورؐ کو بارگاہ الٰہی میں اپنا وسیلہ بنائے اور ان سے توسل کرے اگر آنجنابؐ اس کی آواز نہیں سنتے تو پھر دعا کے اس جملے یا محمد اِنّی قد توجّھتُ بك الی ربّی کا کیا مطلب باقی رہتا ہے۔

نہ صرف نبی اکرمؐ ہماری آواز کو سن سکتے ہیں بلکہ وہ دیکھ بھی سکتے ہیں چنانچہ صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ جب میت قبر میں رکھی جاتی ہے تو منکر نکیر سوالات کے لیے حاضر ہو جاتے ہیں تو وہ اس سے پوچھتے ہیں: ما کنت تقول فی ھذا الرجل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؛ کہ تو اس شخص یعنی محمدؐ کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتا تھا۔[1]

اس روایت کے بارے میں ابن حجر مکی سے سوال کیا گیا کہ ھذا الرجل، کلمہ ہذا، حضورؐ پر اشارہ کرتا ہے کہ وہ حاضر ہوں حالانکہ ایک ہی وقت میں بہت لوگ مرتے ہیں اور ادھر ہر میت سے یہی سوال ہو رہا ہے تو ایک ہی وقت میں نبی پاک کس طرح سب کے پاس حاضر ہوتے ہیں تو اسکا جواب ابن حجر، امام عارف ابن ابی حمزہ کے قول سے دیتے ہیں کہ ہذا الرجل سے مراد نبی پاکؐ کی ذات گرامی ہیں اور ان کی رؤیت آنکھوں کے ساتھ ہوتی ہے اور یہ خدا کی

۱۔ نقل از فتح الباری فی شرح صحیح بخاری، ج ۳/ ۲۴۴، باب المیت، یسمع خفق النعال۔

قدرت ہے کہ لوگ ایک ہی وقت مختلف جگہوں پر مرتے ہیں اور وہ سب ان کو نزدیک سے دیکھتے ہیں۔ [1]

اگر خدا کی قدرت سے مرنے والا ان کو نزدیک سے دیکھ سکتا ہے تو کیا نبیوں کا سردار باذن اللہ کائنات میں تصرف نہیں کر سکتا؟

بعض نو مولود فرقوں کا یہ شبہہ کہ روح جب نکل جاتی ہے تو میت کیا سنے گی حالانکہ خود ان کی کتب میں موجود ہے کہ اموات آوازوں کو سنتے ہیں جو ان کی زیارت کے لیے جاتا ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں بلکہ سلام کا جواب بھی دیتے ہیں۔

امام محمد بن یوسف صالحی شامی اپنے کتاب سبل الهدی ج ۱۲، ص ۳۵۵ پر شیخ جمال الدین اردبیلی شافعی کی کتاب الانوار فی اعمال الابرار سے امام بیہقی کا قول نقل کیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی رحلت کے بعد ان کی ارواح ان کی طرف پلٹا دی جاتی ہیں اور وہ اپنے پروردگار کے پاس زندہ ہیں۔

وثالثاً: ارشاد رب العزت ہے: ﴿وَلا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لا تَشْعُرُونَ﴾ [2]

اور جو لوگ راہ خدا میں قتل ہو جاتے ہیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں ان کی زندگی کا شعور نہیں ہے۔

۱۔ فتاوی ابن حجر، ۲، ص ۹، باب الجنائز طبع دار الفکر بیروت۔

۲۔ سورہ بقرہ، آیت ۱۵۴۔

کیاآپ نہیں دیکھتے کہ اس دور میں موبائل ایک آلہ ہے جس سے دنیاکے ہر کونے میں آواز پہنچ سکتی ہے (بلکہ بولنے والے کی تصویر بھی دیکھی جاسکتی ہے) خدا کی قدرت کا تو اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ تو اس میں کیا بُعد ہے کہ خدا کے خاص بندے بغیر آلہ کے بھی ان کی پکار سن لیں بلکہ بغیر آلہ کے خدا نے آج سے کئ ہزار سال پہلے حضرت ابراہیم خلیل کی آواز زمین وآسمان میں سنوائی تھی جیسا کہ اہل سنت کی معتبر کتب میں یہ روایت نقل ہوئی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کو تیار کرچکے تو عرض کیا پروردگارا میں نے یہ گھر تیار کردیا ہے تو حکم ہوا کہ ﴿ أَذِّنۡ فِي النَّاسِ بِالۡحَجِّ ﴾[1] لوگوں میں حج کرنے کا اعلان کردو کہا میری آواز (سب تک) نہیں پہنچے گی فرمایا تم اعلان کردو و علیّ البلاغ پہنچانا میرا کام ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پتھر پر یا صفا پر یا مقام پر یا اِبی قبیس پہاڑ پر کھڑے ہو کر حج کا اعلان کردیا کہ حج تم پر واجب ہے تو ان کی آواز کو جو کوئی زمین وآسمان کے درمیان تھا سب نے سنا حتی کہ باپوں کے صُلبوں اور ماؤں کے رحموں میں بچوں اور نطفوں نے بھی وہ آواز سنی اور سب نے لبیک کہا، قیامت تک جو لوگ حج پر مشرف ہوتے ہیں یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اعلان کی اجابت کا اثر ہے۔[2]

۱۔ سورہ حج، آیت ۲۷۔

۲۔ تفسیر ابن کثیر دمشقی، ج۳/ ۲۲۶، طبع دار المعرفۃ، بیروت؛ تفسیر ابن جریر طبری، جزء ۱۷، ص ۱۰۶، طبع بیروت؛ تفسیر بیضاوی، ج۳/ ۱۴۰۔۱۴۱، طبع بیروت؛ تفسیر در منثور، ج۶، ص ۳۲۔۳۳؛ تفسیر مختصر القرآن الکریم للخازن، ۲/ ۸۳۵ و کتب دیگر۔

متشکلین کچھ انصاف سے بھی کام لیں جو خدا کائنات کے معدومین تک معصوم کی آواز پہنچا سکتا ہے کیا وہ ہماری آواز قبر میں زندہ معصوم تک نہیں پہنچا سکتا۔

مخفی نہ رہے کہ دعا صرف خدا سے ہی کی جاتی ہے اور وہی کائنات کا خالق و مالک ہے لیکن اسکی بارگاہ میں اس کے مقربان کوواسطہ اور وسیلہ قرار دینا یہ منافی توحید نہیں ہے بلکہ وسیلہ کا حکم تو ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کو بھی دیا گیا تھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب خدا نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ان میں اپنی روح ڈالی تو حضرت آدم علیہ السلام عرش کے دائیں جانب ملتفت ہوئے تو انہیں پانچ نور نظر آئے جو رکوع اور سجود کی حالت میں تھے تو عرض کیا پروردگارا! کیا مجھ سے پہلے بھی کسی کو مٹی سے خلق کیا ہے فرمایا: نہیں، تو آدمؑ نے عرض کیا پس یہ پانچ کون ہیں؟ فرمایا: یہ تیری اولاد سے ہوں گے ان کے لیے میں نے اپنے ناموں سے نام مشتق کیئے ہیں اگر یہ ہستیاں نہ ہوتیں تو میں جنت، دوزخ، عرش، کرسی، آسمان و زمین، ملائکہ، جن و انس کسی کو بھی خلق نہ کرتا (جو کچھ خلق کیا ہے انہی کی وجہ سے ہے) میں محمود ہوں یہ محمدؐ ہے، میں عالی ہوں یہ علیؑ ہے، میں فاطر ہوں یہ فاطمہؑ ہے، میں احسان ہوں یہ حسنؑ ہے اور میں محسن ہوں یہ حسینؑ ہے۔ جو بھی دل میں ان کا بغض رکھ کر آئے گا میں اسے جہنم میں ڈالوں گا۔

فاذا کان لك حاجة فهؤلاء توسل؛ اے آدم جب بھی تجھے کوئی حاجت ہو تو انہی کے ذریعہ سے توسل کر۔

حضورؐ ارشاد فرماتے ہیں: ہم نجات کی کشتی ہیں جس نے اس کے ساتھ تعلق پکڑا وہ نجات پا گیا اور جس نے مخالفت کی وہ ہلاک ہوا۔

فمن کان له الی الله حاجة فلیسأل بنا أهل البیت؛ جس کی کوئی خدا کی طرف حاجت ہو پس وہ ہم اہل بیت کے ذریعہ، خدا سے سوال کرے۔ (۱)

سوال: خدا تو قرآن میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ تا آخر آیت﴾ (۲)

اے پیغمبر! اگر میرے بندے تم سے میرے بارے میں سوال کریں تو میں ان سے قریب ہوں پکارنے والے کی آواز سنتا ہوں جب بھی پکارتا ہے لہٰذا مجھ سے طلب قبولیت کریں اور مجھ ہی پر ایمان و اعتماد رکھیں کہ شاید اس طرح راہ راست پر آ جائیں۔

تو اس بنا پر ممکن ہے کہ کوئی کہے کہ جب خدا ہر پکارنے والے کی آواز سنتا ہے تو پھر واسطہ اور وسیلہ کی ضرورت کیا ہے؟

۱۔ اہل سنت کی کتاب فرائد السمطین ج۱، ص ۳۶۔ ۷۳ و کتب دیگر۔
۲۔ سورہ بقرہ، آیت ۱۸۶۔

جواب: قرآنی آیات ایک دوسرے کی تفسیر کرتی ہیں، خود قرآن ہی ارشاد فرماتا ہے کہ ﴿وَلِلّٰهِ الأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا﴾[1] اور اللہ کے لیے بہترین نام ہیں لہٰذا اسے انہی کے ذریعہ سے پکارو۔

امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں: نحن و اللہ الاسماء الحسنیٰ؛ خدا کی قسم اسماء حسنیٰ ہم ہیں ہماری معرفت کے بغیر خدا بندوں سے قبول نہیں کرتا۔[2]

امام رضا علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں: اذا نزلت بکم شدۃ فاستعینوا بنا علی اللہ وھو قولہ تعالیٰ (وللہ الاسماء الحسنیٰ فادعوہ بھا) جب تم پر کوئی مصیبت آئے تو ہمارے ذریعہ سے اللہ سے مدد مانگو۔ اور یہ قول خداوندی ہے کہ اللہ کے لیے اسماء حسنیٰ ہیں لہٰذا اسے انہی ناموں کے ذریعہ سے پکارو پھر امامؑ نے امام جعفر صادق علیہ السلام کے مذکورہ فرمان کو ذکر فرمایا۔[3]،[4]

۱۔ سورہ اعراف، آیت ۱۸۰۔
۲۔ کافی۔
۳۔ تفسیر عیاشی۔
۴۔ محمد وآل محمد علیہم السلام کو بارگاہ الٰہی میں وسیلہ اور شفیع بنانے پر بہت سی صحیح احادیث، جملات ادعیہ اور زیارات دلالت کرتی ہیں جو کہ سندی ابحاث سے بے نیاز کر دیتی ہیں۔

نیز ارشاد رب العزت ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾ [۱] اے مومنو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔

حضرت جابر سے مروی ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: نحن الوسیلۃ الی اللہ؛ اللہ کی بارگاہ میں ہم وسیلہ ہیں۔

دعا اور پکار کو خدا سنتا ہے لیکن یہ اس چیز کے ساتھ منافات نہیں رکھتا کہ دعا اور پکار استجابت کے لیے زمان، مکان اور وسیلہ کے حوالے سے شرائط ہوں چنانچہ حضرت آدم کی توبہ، کلمات کے ذریعہ ہوئی ارشاد رب العزت ہے:

﴿فَتَلَقَّى آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ﴾ [۲]

پھر آدم نے پروردگار سے کلمات کی تعلیم حاصل کی اور ان کی برکت سے خدا نے ان کی توبہ قبول کرلی کہ وہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

وہ کلمات کیا تھے؟ اہل سنت کے مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے محمد وآل محمدؐ کا واسطہ دیا تو خدا نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ [۳]

جب برادران حضرت یوسف علیہ السلام اپنی خطاء پر نادم ہوئے تو اپنی بخشش کے لیے اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس آئے اور ان کو اللہ کے دربار

۱۔ سورہ مائدہ، آیت ۳۵۔

۲۔ سورہ بقرہ، آیت ۳۷۔

۳۔ تفسیر در منثور ۱/ ۱۴۷، طبع دار الفکر بیروت و کتب دیگر۔

میں واسطہ قرار دیا کہ آپ ہمارے لیے استغفار کریں (چونکہ انہیں معلوم تھا کہ نبی کا اللہ کے ہاں بلند مقام ہے) چنانچہ قرآن میں ہے: ﴿قَالُوا يَا أَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا إِنَّا كُنَّا خَاطِئِينَ ـ قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾[۱]

ان لوگوں نے کہا: بابا جان! آپ ہمارے گناہوں کے لیے استغفار کریں ہم یقیناً خطاء کار تھے انہوں نے کہا میں عنقریب تمہارے حق میں استغفار کروں گا میرا پروردگار بہت بخشنے والا اور مہربان ہے۔

ایک روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام (سوف أستغفر لکم ربی) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے (دعا) استغفار کو سحری تک مؤخر کیا پھر ان کے لیے دعا و استغفار کی تو خدا نے وحی کے ذریعہ بتایا کہ میں نے ان کا گناہ بخش دیا ہے۔[۲]

تو یہاں کئی ایک نکات کا استفادہ ہوتا ہے۔

۱. کہ گذشتہ امتوں میں بھی مقربان خدا کو وسیلہ بنایا جاتا تھا۔

۲. قرآن نے اس وسیلہ، توسل کا ذکر کیا ہے اور پھر اس سے منع نہیں فرمایا کہ یہ تو حضرت یعقوب علیہ السلام کی شریعت کی بات ہے اور آپ کے لیے ایسا جائز نہیں ہے۔

۱۔ سورہ یوسف، آیت ۹۷۔۹۸۔

۲۔ تفسیر عیاشی ۲/ ۱۹۶۔

۳. حرف سوف سے استفادہ ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کے لیے فوراً دعا و استغفار نہیں کیا بلکہ اسے بناء بر روایتی سحری تک موخر کیا کہ وہ وقت دعا و استغفار کی استجابت کے بہترین اوقات سے ہے۔ دعا و استغفار ہر وقت کیا جاسکتا ہے لیکن اس کی قبولیت کے کچھ خاص اوقات ہیں تو معلوم ہوا دعا و استغفار کی قبولیت میں زمان خاص بھی مؤثر ہے۔ مثلاً شب جمعہ اور روز جمعہ خصوصاً اس کا آخر وقت، نماز کے بعد، زوال کے وقت، باران رحمت کے نزول کے وقت و۔۔۔ دعا کی قبول کے اوقات ہیں۔

۴. خدا تو شہ رگ حیات سے بھی زیادہ قریب ہے اور جو کوئی اسے پکارے وہ سنتا ہے۔ تو اس چیز کے باوجود برادران یوسف علیہ السلام نے خود ڈائریکٹ خدا سے دعا و استغفار کیوں نہ کی بلکہ اپنے وقت کے نبی کے پاس آئے اور ان کو وسیلہ بنایا تو معلوم ہوا بارگاہ الٰہی میں مقربان خدا کو اپنا وسیلہ بنانا عقلاً، عرفاً اور شرعاً مطلوب اور مشروع ہے اور اس چیز کا شرک کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

محمد بن عبد الوہاب اور اس کا گروہ کہتا ہے کہ صالحان سے توسل، شرک اکبر ہے۔ اور دلیل کے طور پر سورہ اسرائیل کی آیت ۵۷ کو مطرح کیا ہے (یہ جن کو

خدا سمجھ کر پکارتے ہیں وہ خود ہی اپنے پروردگار کے لیے وسیلہ تلاش کر رہے ہیں کہ کون زیادہ قربت رکھنے والا ہے) اس آیت میں مشرکین کی ردّ کی گئی ہے۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ آیت مشرکین کے نزدیک جو توسل رائج تھا اس کے مربوط ہے نہ کہ جو توسل مسلمانوں کے نزدیک رائج ہے۔ مشرکین کے نزدیک جو توسل رائج تھا وہ بتوں کی عبادت پر منتہی ہوتا تھا (پھر وہ ان کے لیے قربانیاں وغیرہ کرتے تھے)۔

مشرکین ان کی عبادت کرتے تھے اور پھر انہیں اپنا شفیع کہتے تھے:

﴿وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللهِ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ (۱)

اور یہ لوگ خدا کو چھوڑ کر ان کی پرستش کرتے ہیں جو نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ فائدہ اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ خدا کے یہاں ہمارے سفارش کرنے والے ہیں تو آپ کہہ دیجئے کہ تم تو خدا کو اس بات کی اطلاع کر رہے ہو جس کا علم اسے آسمان و زمین میں کہیں نہیں ہے وہ پاک و پاکیزہ ہے اور ان کے شرک سے بلند و برتر ہے۔ حالانکہ کوئی مسلمان، کسی نبی یا ولی کی عبادت نہیں کرتا بلکہ ان کو خدا کی مخلوق مانتے ہیں چونکہ انبیاء و اولیاء، اللہ کے مقرب بندے ہیں

۱۔ سورہ یونس، آیت ۱۸۔

لہٰذا بارگاہ الٰہی میں ان کا واسطہ دیتے ہیں تو اس چیز کا شرک کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

اور جو لوگ اس کو شرک سمجھتے ہیں وہ انبیاء اور اولیاء کے سامنے احترام اور خشوع کو ان کی عبادت سمجھ بیٹھے ہیں حالانکہ مطلق خضوع عبادت نہیں ہوا کرتی چونکہ ہم اپنے والدین، اساتید اور بزرگان وغیرہ کے سامنے خضوع کرنے پر مامور ہیں اگر مطلق خضوع عبادت محسوب ہو تو لازم آتا ہے کہ شارع مقدس نے ان کی عبادت کرنے کا حکم دیا ہے حالانکہ شارع مقدس غیر اللہ کی عبادت کا حکم نہیں دیتا۔

خلاصۃ الکلام یہ کہ جن آیات میں غیر خدا کو پکارنے کی مذمت آئی ہے وہ اس جہت سے ہے کہ وہ لوگ ان کو خدا سمجھ کر پکارتے تھے اور یہ بات عقیدہ توحید کے ساتھ منافات رکھتی ہے۔ اولیاء خدا، معصومین علیہم السلام کو خدا کے دربار میں وسیلہ قرار دینا اور ان کو بطور شفیع و وسیلہ، مدد کے لیے پکارنا اس کا شرک کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ ان کی مدد، خدا کی مدد ہے، محمد وآل محمد علیہم السلام باب اللہ اور مخلوق پر خدا کی حجت ہیں ان سے افضل، کائنات میں کوئی وسیلہ نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت آدم نے بھی خدا کے دربار میں محمد و آل محمدؐ کا واسطہ دیا تھا اور ان کی وجہ سے ان کی توبہ قبول ہوئی۔ اور ہر نبی نے اپنی دعاؤں میں محمد وآل محمد علیہم السلام کا واسطہ دیا ہے۔

چوتھا باب

خلافت وامامت

خلافت کی تعریف: خلافت، کسی شخص لیے حضورؐ کی نیابت، دینی اور دنیوی امور میں، خدا کی طرف سے عمومی ریاست کا نام ہے۔[1]

ضرورت امام: امام چونکہ حافظ شریعت ہوتا ہے اگر ہر زمانہ میں امام معصوم نہ ہو تو شریعت تغیر و تبدل سے نہیں بچ سکتی۔ امام لوگوں کو دین حق اور شریعت پیغمبرؐ پر عمل کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ قرآن کی تفسیر واقعی سے لوگوں کو آگاہ کرتا ہے چونکہ امام وارث قرآن ہوتا ہے اور لوگوں کے ـــ خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلمان ـ شبہات کو دور کرتا ہے اور دین کی حفاظت کرتا ہے چنانچہ سید الشہداء امام حسین علیہ السلام نے عظیم قربانیاں دے کر دین محمد ﷺ کی حفاظت کی۔ ائمہ طاہرین علیہم السلام وقتاً فوقتاً، یہود و نصاری اور دیگر لوگوں کے مسائل کے جواب اور شبہات کو دور کرتے رہے، جیسا کہ امام حسن عسکری کے زمانہ میں بارش کا واقعہ بھی اس بات کی شہادت دیتا ہے جس کو اہل سنت کے علماء نے بھی نقل کیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ معتمد عباسی کے دور میں سامراء میں شدید قحط پڑا تین دن لوگوں نے صحرا میں نماز استسقاء پڑھی لیکن بارش نہیں ہوئی۔ چوتھے دن نصرانیوں کا جاثلیق دیگر راہبوں کے ہمراہ نکلا جب اس نے آسمان کی طرف ہاتھ بلند کیا تو بارش آنے لگی پھر اس کے بعد والے دن بھی آیا اور حسب سابق ہاتھ بلند کیا بارش آنے لگی لوگوں نے بڑا تعجب کیا اور بعض کے دلوں میں شک پیدا ہونے لگا اور لوگ دین اسلام سے عیسائیت کی

ا۔ مقام میں لفظ خلیفہ اور امام، مفہوم میں مختلف اور مصداقاً ایک ہی شی کا نام ہے۔

طرف مائل ہونے لگے۔ تو حاکم وقت سخت پریشان ہوا کہ اب کیا کرے تو کسی کو بھیجا کہ زندان[۱] سے امام حسن عسکری علیہ السلام کو اس کے پاس حاضر کرے جب امامؑ کو حاضر کیا گیا تو معتمد عباسی نے کہا: أدرك أمة محمد؛ امت محمد ﷺ کی مدد کریں۔ چونکہ ایک عظیم مصیبت آپڑی ہے کہ لوگ گمراہ ہو رہے ہیں امامؑ نے فرمایا کہ ان کو کہو کہ اگلے دن صحرا میں نکلیں تو اس نے کہا کہ اب لوگ بارش سے بے نیاز ہو چکے ہیں (چونکہ کافی بارش ہوئی ہے) اب نکلنے کا کیا فائدہ؟ فرمایا: لازیل الشك عن الناس؛ تاکہ لوگوں کا شک زائل کردوں۔ (تاکہ وہ دین محمدؐ سے عیسائیت کی طرف مائل نہ ہوں) عباسی حاکم نے جاثلیق، راہبوں اور دیگر لوگوں کو اگلے دن صحرا میں نکلنے کا حکم دیا جب وہ نکلے تو ان کے ساتھ امام حسن عسکری علیہ السلام بھی نکلے جب راہب اور نصرانیوں نے ہاتھ دعا کے لیے بلند کیئے تو آسمان سے بارش آنے لگی۔ امام علیہ السلام نے کسی کو فرمایا کہ راہب کے ہاتھ میں جو کچھ ہے اس کو اس کے ہاتھ سے پکڑ لے۔ تو اس شخص نے دیکھا اس کی انگلیوں میں انسان کی استخوان (ہڈی) تھی تو اس نے اسے نکال کر امامؑ کے حوالے کر دیا تو امام علیہ السلام نے اس کو اپنے کپڑے میں لپیٹ دیا اور اور فرمایا اب ان کو کہو کہ دعا کریں جب انہوں نے ہاتھ بلند کیئے تو

۱۔ خود معتمد عباسی نے ہی امام حسن عسکری علیہ السلام کو زندان بھیجنے کا حکم دیا تھا۔

جو بادل آئے ہوئے تھے وہ بھی ہٹ گئے اور سورج چمکنے لگا لوگوں نے تعجب کیا عباسی حاکم نے امام سے کہا یہ کیا ہے؟

تو امام علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ انبیاء میں سے ایک نبی کی استخوان ہے جس کو انھوں نے ان کی قبر سے حاصل کیا ہے۔ اور انبیاء کے بدن کی استخوان کی یہ برکت ہے کہ جب بھی اس کو آسمان کے نیچے ظاہر کیا جائے تو بارش آنے لگتی ہے۔ سب لوگ، امام علیہ السلام کے عمل پر بہت خوش ہوئے اور پھر انھوں نے امتحاناً اس استخوان کو آسمان کے نیچے ظاہر کیا تو پھر بارش ہونے لگی پھر امام علیہ السلام اپنے گھر تشریف لائے۔ و قد أزال عن الناس هذه الشبهة و سر الخليفة و المسلمون بذلك۔ اور امامؑ نے لوگوں سے شبھہ کو دور کردیا عباسی خلیفہ اور سب مسلمان امامؑ کے اس فعل سے بہت خوش ہوئے۔ (۱)

ضرورت امام پر مزید دلائل

۱۔ ضرورت دین اور نص قرآن سے ثابت ہے کہ جنات بھی، امت محمدؐ سے ہیں او وہ بھی احکام اسلام کے مکلّف ہیں تو ان کو احکام کی وضاحت کرنے والے اور شبہات کے جواب دینے والے کی ضرورت ہے۔ پیغمبرؐ کے بعد کوئی ایسا ہو جو ان کی زبان جانتا ہو اور ان کی ضرورتوں کو پورا کرے اور اگر ان میں جھگڑا ہو جائے تو ان کا فیصلہ کرسکے۔ وہ سوائے امام معصوم معلم عند اللہ کے کوئی

۱۔ اہل سنت کی کتاب نور الابصار، تالیف شیخ مومن شبلنجی، ص ۳۳۹۔ ۳۴۰ و کتب دیگر۔

نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ امیر المومنین علی علیہ السلام کے پاس کئی ایک جنات کبھی سانپ کی صورت میں کبھی کسی صورت میں احکام کی وضاحت کے لیے آتے تھے۔ اور امیر المومنین علیہ السلام کا جنات کے ساتھ جنگ کرنا اور ان کے جھگڑوں کو ختم کرنا اور متمرد و سرکش جنات کو مسلمان کرنے کے واقعات کتب میں موجود ہیں۔ انصاف کے ساتھ بتائیں کہ باقی امت، علماء فقہاء اور صحابہ میں کوئی ان کاموں کو کر سکتا تھا اور کر سکتا ہے؟ فرض کریں کسی کو سب لوگ ووٹ دے کر حضورؐ کے منبر پر بٹھا دیں تو کیا وہ شخص حضورؐ کی جانشینی کا حق ادا کر سکتا ہے کیا ووٹ دینے سے وہ قرآن کا وارث ہو جائے گا؟ قرآن کے تمام حقائق سے آگاہ ہو جائے گا کیا جنات کی زبان سے فوراً آشنا ہو جائے گا، کیا دین کے تمام مسائل پر احاطہ پیدا کر لے گا؟

۲۔ اسلام کی پہلی صدی میں بہت سارے کفار پر اسلام کے حقائق مخفی تھے قرآن کے اعجاز کے درک کرنے پر عاجز تھے۔ مانند اعراب بادیہ نشین جو حضورؐ سے معجزات کا تقاضا کرتے تھے جیسے سنگریزوں کا تسبیح پڑھنا وغیرہ۔

حضورؐ کی رحلت کے بعد اگر کوئی کافر آنجنابؐ کے منبر پر بیٹھنے والے سے معجزہ دکھانے کا مطالبہ کردے کہ معجزہ دکھائے تو تب مسلمان ہوتا ہوں۔ اب منبر پر بیٹھنے والے کا کام اس کی پٹائی شروع کرنا ہے یا اس کے مطالبہ کو پورا کر دکھانا ہے تاکہ اس کی خلافت کی حقانیت کو دیکھ کر دین مبین اسلام کو قبول کرلے۔ آیا

ووٹوں سے بنایا ہوا شخص معجزہ دکھا سکتا ہے؟ حضورؐ کی رحلت کے بعد کئی ایک راہب وغیرہ اسلام کی ندا سن کر مدینہ پہنچے تاکہ خدا کے رسولؐ کو آنکھوں سے دیکھیں اور یقین کے ساتھ ان کی رسالت کی گواہی دیں۔ جب پہنچے تو آنجنابؐ کی رحلت ہو چکی تھی تو ان لوگوں نے سوال کیا تمہارے رسولؐ کا خلیفہ و جانشین کون ہے اس سے ہم سوال کرتے ہیں اگر صحیح جواب دے دے تو مسلمان ہو جائیں گے ورنہ معلوم ہو جائے گا کہ (نعوذ باللہ) اسلام جھوٹا دین ہے۔ جب ان کو مسجد میں لایا گیا مشکل سوالات کے جواب میں منبر پر ووٹوں کے ذریعے سے بیٹھنے والا، لاجواب ہو گیا۔ ان لوگوں نے اسلام کی تکذیب شروع کر دی، جب سلمان فارسی نے ان کو امیر المومنین علی علیہ السلام کی طرف راہنمائی کی جو کہ باغ میں کام کر رہے تھے تو ان کے سوالات کے جواب جب حضرت علی علیہ السلام نے دیئے تو انہوں نے اسلام بھی قبول کر لیا اور جناب امیر علیہ السلام کے خلیفہ برحق ہونے کی گواہی بھی دی[۱]۔ اگر کوئی کسی غرض یا مرض کی وجہ سے ان تاریخی حقائق کا انکار کر دے تو ہم کہیں گے فرض یہ کر لیں کہ ایسا واقعہ رونما ہو جائے۔ تو منبر پر بیٹھنے والے لاجواب، اور اسلام کے وہن کے موجب بننے والے کو خلیفہ مانیں یا اسلام کی لاج رکھنے والے کو مانیں؟ آپ کا ضمیر کیا کہتا ہے؟

۱۔ کفایۃ الموحدین، ۲/ ۲۲۰۔۲۲۱۔

تاریخ کا مطالعہ کریں کیا یہ صحیح ہے کہ عمر بن خطاب نے کئی مرتبہ کہا: لولا علیٌ لَهَلَكَ عمر؛ اگر علیؑ نہ ہوتے تو میں ہلاک ہو جاتا۔ [۱]

آپ ہی انصاف سے بتائیں کہ اس کو مانیں جو اسلام کے سب احکام کو جانتا ہے یا اس کو مانیں جو احکام نہ جاننے کی وجہ سے خود بھی ہلاک ہو رہا ہے اور دوسروں کو بھی ہلاکت میں ڈال رہا ہے؟

معلوم ہوا کہ پیغمبرؐ کی رحلت کے بعد بھی خدا کی طرف سے کسی معصوم امام اور راہنما کی ضرورت ہے اور وہ بارہ معصوم امام ہیں جن میں پہلے حضرت علی علیہ السلام اور آخری امام مہدی علیہ السلام ہیں۔

۳۔ جن وجوہ کی بنا پر نبی کی ضرورت ہوتی ہے انہی وجوہ کی بناء پر بقاء دین کے لیے امام کی ضرورت بھی ہوتی ہے۔ بعبارت دیگر نبی دین کے لیے علت محدثہ ہے یعنی ابتدائے دین کی علت نبی ہوتا ہے اور امام علت مبقیہ ہوتا ہے (یعنی دین کی بقاء کی علت امام ہوتا ہے)۔ یہی وجہ ہے ارشاد نبویؐ ہے: من مات ولم یعرف امام زمانه فقد مات میتة جاهلیة؛ جو شخص اپنے زمانہ کے امام کی معرفت کے بغیر مر گیا وہ جاہلیت (کفر) کی موت مرا۔ [۲]

۱۔ المناقب خوارزمی، ص ۴۸؛ ذخائر العقبی ۸۰؛ کفایۃ الطالب ۲۲۷؛ و دیگر کتب۔
۲۔ مسند احمد و کتب دیگر۔

تو اس حدیث نبویؐ سے مستفاد یہ ہے کہ امام زمانہ کی معرفت حاصل کرنے کا حکم ہے (نہ کہ امام کو بنانے کا) چنانچہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے: ﴿إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَىٰ﴾[1] بے شک ہدایت کی ذمہ داری ہمارے اوپر ہے۔

۴۔ ہر دور میں ایک حجت خدا کا ہونا ضروری ہے چونکہ زمین حجت سے خالی نہیں رہ سکتی۔ و فی صلوۃ عیسیٰ خلف رجل من ھذہ الامۃ مع کونہ فی آخر الزمان و قرب قیام الساعۃ دلالۃ للصحیح من الاقوال أن الارض لا تخلو عن قائم للہ بحجۃ۔[2]

۵۔ و دلائل دیگر، ان شئت التفصیل فراجع الی المطولات۔

امامت، اصول دین سے ہے

امامت اصول دین سے ہے شیعہ کا عقیدہ یہ ہے کہ حضورؐ کے بعد آنجناب کے بارہ معصوم جانشین ہیں جن کے اسماء گرامی یہ ہیں:

۱۔ امام علی بن ابی طالب علیہ السلام؛ ۲۔ امام حسن علیہ السلام؛
۳۔ امام حسین علیہ السلام؛ ۴۔ امام علی بن الحسین علیہ السلام؛
۵۔ امام محمد باقر علیہ السلام؛ ۶۔ امام جعفر صادق علیہ السلام؛

۱۔ سورہ لیل، آیت ۱۲۔
۲۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری، ج۶، ص ۵۷۰؛ کتاب احادیث انبیاء باب نزول عیسیٰ؛ المناقب خوارزمی، ص ۳۶۶۔

۷۔امام موسیٰ کاظم علیہ السلام؛ ۸۔امام علی رضا علیہ السلام؛
۹۔امام محمد تقی علیہ السلام؛ ۱۰۔امام علی نقی علیہ السلام؛
۱۱۔امام حسن عسکری علیہ السلام؛ ۱۲؛امام محمد مہدی علیہ السلام۔

شیعہ کا عقیدہ یہ ہے کہ جس طرح انبیاء خدا کی طرف سے آتے ہیں اسی طرح انبیاء کے اوصیاء بھی اسی کی طرف سے متعین ہوتے ہیں۔ ہم شیعیان کا عقیدہ یہ ہے کہ نبی کے خلفاء کے لیے شرائط ہوتی ہیں ہر کوئی حضورؐ کا خلیفہ نہیں بن سکتا۔

خلافت کی شرائط:

۱۔ حضور کے خلیفہ کے لیے عصمت کا ہونا ضروری ہے ورنہ اس کی بات پر مکمل اعتماد حاصل نہیں ہوگا۔ اور اگر حضورؐ کا خلیفہ خطاء کار ہو تو پھر اس کے لیے ایک اور راہنما کی ضرورت ہے اور فرض یہ کہ وہ بھی خطاء کار ہو تو پھر اس کے لیے ایک اور امام کی ضرورت ہوگی۔ وھکذا یتسلسل و التسلسل باطل، بالاخر ماننا پڑے گا ایک معصوم امام کا ہونا ضروری ہے جو خود خطاء سے محفوظ ہو۔

مقام میں صرف عدالت کافی نہیں ہے چونکہ عادل ہونے کی صورت میں جھوٹ کی نفی تو ہو جاتی ہے یعنی عادل شخص جھوٹ نہیں بولتا لیکن خطاء، اشتباہ، سہو و نسیان کا احتمال عدالت کے باوجود پایا جاتا ہے۔ لہٰذا خلیفہ اور امام کا معصوم ہونا ضروری ہے۔ عصمت پر تفصیلی بحث آیندہ صفحات پر آرہی ہے۔

۲۔آنجنابؐ کے خلیفہ کی خلافت پر نص قائم ہو، نص کے ذریعہ خلیفہ بنے نہ کہ ووٹوں کے ذریعہ۔

۳۔آنجناب کے خلیفہ کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ اپنے زمانہ کے سب لوگوں سے مطلّقاً افضل ہو (علم کے حوالے سے عبادت و شجاعت کے حوالے سے و و۔۔۔

(جو لوگ حق کے طالب ہیں وہ انصاف سے فیصلہ کریں کہ حضورؐ کے خلیفہ کے لیے شرائط ہونی چاہیں یا کہ نہیں؟ کیا ابتدائی تعلیم حاصل کرنے والے کو یونیورسٹی کا پروفیسر لگایا جاسکتا ہے اور اگر کسی طریقہ سے متعین ہو بھی جائے تو وہ طالب علموں کو خاک تعلیم دے گا۔

ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ پر جو کتاب نازل ہوئی ہے وہ قرآن مجید ہے جس کی فصاحت و بلاغت حیران کن ہے۔ جس میں اشارات بھی ہیں، رموز بھی ہیں، لطائف بھی ہیں، حقائق بھی ہیں جس کا ظاہر ہے اور اس کے کئی بطون ہیں جس میں ہر خشک وتر کا ذکر ہے۔اس کو وہی بتا سکتے ہیں جو راسخون فی العلم ہوں جو وارث قرآن ہوں، جن کے بارے میں حضورؐ نے ارشاد فرمایا: علیؑ مع

القرآن و القرآن مع علیٍ[۱]؛ علیؑ قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے۔ اور یہ حدیث صحیح السند ہے۔

قرآن کی ایک سو چودہ سورتیں ہیں اور مدعیان خلافت سے کوئی ایسا بھی تھا جس نے بارہ سال میں قرآن کی ایک سورہ بقرہ کو یاد کیا، جب یاد کرلیا تو (بطور خوشی) بچہ شتر کو نحر کیا[۲] اور دوستوں کو کھلایا۔ قارئین انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں کیا یہی خلافت نبوی ہے؟

بارہ برس میں ایک سورہ یاد کرنے والا وارث نبی ہے یا جو گھوڑے کی ایک رکاب میں پاؤں رکھے ابھی دوسرے رکاب میں پاؤں نہ پہنچے پائے بطور اعجاز و کرامت پورے قرآن کی تلاوت کرنے والا[۳] وارث پیغمبر ہے۔ جھگڑے کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ قرآن، حدیث، تاریخ کو سامنے رکھیں تعصب سے دور ہو کر اپنی عقل سلیم سے فیصلہ کرلیں مغرض اور متعصب مولویوں کے پیچھے جانے کی کیا ضرورت ہے۔

۱۔ المستدرک للحاکم، ج۳/ ۱۲۴ مجمع الزوائد، ۹/ ۱۳۴؛ نور الابصار، ص ۱۶۳؛ کفایۃ الطالب، ص ۳۹۹؛ تاریخ الخلفاء، ص ۱۹۳؛ صواعق محرقہ و کتب دیگر۔

۲۔ تفسیر در منثور سیوطی، ۱/ ۲۱۔

۳۔ شواہد النبوۃ ملا جامی حالات حضرت علی علیہ السلام۔

تاریخ کو دیکھ لیں وہ کون ہے بدن کربلا میں ہے سر نوک نیزہ پر ہے اور قرآن کی تلاوت کر رہا ہے۔ (۱)

حضورؐ کے بعد سب سے زیادہ علم حضرت علی علیہ السلام کے پاس ہے یا کسی اور کے پاس؟ کسی غرض یا مرض کی بناء پر دعویٰ کر دینا کہ حضورؐ کے بعد فلاں افضل ہے پھر فلاں اور کتب میں تحریر کر دینے سے افضیلت ثابت نہیں ہوتی۔ انصاف کے ساتھ دیکھیں کہ حقائق کیا ہیں افضیلت کا معیار علم، عبادت، شجاعت وامثال ذلک ہوتا ہے کیا صحابہ میں سوائے علی بن ابی طالب کے کسی نے سلونی، مجھ سے پوچھو قبل اس کے مجھے مفقود پاؤ کا دعویٰ کیا ہے؟ ہرگز نہیں۔ (۲)

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں قرآن کی ہر آیت کے متعلق جانتا ہوں کہ کس کے بارے میں نازل ہوئی اور کہاں نازل ہوئی۔ (۳)

نیز فرماتے ہیں کہ مجھ سے کتاب اللہ (قرآن) کے بارے میں پوچھو میں ہر آیت کے بارے میں جانتا ہوں رات کو نازل ہوئی یا دن کو سہل میں نازل

۱۔ ارشاد للمفید، ج ۲، ص ۱۱۷؛ تاریخ دمشق لابن العساکر، ج ۲۲، ص ۱۱۷ در حالات سلمہ بن کھیل؛ مختصر تاریخ دمشق لابن العساکر، ج ۱۰، ص ۹۲؛ حیوۃ الحیوان دمیری، ج ۱، ص ۸۰۔

۲۔ کنز العمال، ج ۳، ص ۱۳۰، ۱۶۵؛ الاستیعاب، ج ۲، ص ۵۰؛ تاریخ الخلفاء، ص ۱۹۱ و کتب دیگر۔

۳۔ تہذیب التہذیب، ۷/ ۳۳۷؛ استیعاب، ج ۲/ ۵۲؛ طبقات ابن سعد، ۲/ ۱۰۱؛ کفایۃ الطالب گنجی، ص ۲۰۸؛ حلیۃ الاولیاء، ۱/ ۶۷۔

ہوئی یا پہاڑ میں [1]۔ امیر المومنین علی علیہ السلام کی شان میں حضورؐ نے فرمایا: انا مدینة العلم و علی بابھا [2]؛ میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں۔ نیز حضورؐ فرماتے ہیں: اعلم امتی بالسنة و القضاء بعدی علی بن ابی طالب؛ میرے بعد میری امت میں سنت اور قضا میں اعلم ــسب سے زیادہ جاننے والا- علی بن ابی طالبؑ ہے [3]۔

نیز فرمایا: اعلم امتی بعدی علی بن ابی طالب؛ میری پوری امت میں میرے بعد سب سے زیادہ جاننے والا علی بن ابی طالب ہے۔ [4]

نیز ارشاد نبویؐ ہے: من أراد منکم ان ینظر الی آدم فی علمه و الی نوح فی حکمته و الی ابراهیم فی حلمه فلینظر الی علی بن ابی طالب؛ جو شخص تم میں آدم کے علم کو، نوح کی حکمت کو، ابراہیم کے حلم کو دیکھنا چاہتا ہے وہ علی بن ابی طالبؑ کو دیکھ لے۔ [5]

اہل سنت کے عالم گنجی اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے حضرت علی علیہ السلام کو آدمؑ کے علم کے ساتھ تشبیہ دی ہے چونکہ اللہ نے

۱۔ کفایۃ الطالب، ص ۲۰۸؛ الاستیعاب، ج ۲، ص ۵۲۔
۲۔ سنن ترمذی؛ الاستیعاب، ج ۲، ص ۴۹ تاریخ الخلفاء سیوطی، ص ۱۹۰ و کتب دیگر۔
۳۔ کفایۃ الطالب، ص ۳۳۲، باب ۹۴۔
۴۔ کفایۃ الطالب، ص ۳۳۲؛ مناقب خوارزمی، ص ۸۲؛ فرائد السمطین، ج ۱، ص ۹۷۔
۵۔ کنز العمال، ۱/ ۲۲۶؛ ریاض النضرۃ، ۲/ ۲۱۸؛ کفایۃ الطالب گنجی، ص ۱۲۲ و کتب دیگر۔

حضرت آدمؑ کو ہر چیز کی صفت کا علم دیا تھا﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الأَسْمَاءَ كُلَّهَا﴾خدا نے سب اسماء کی آدمؑ کو تعلیم دی[۱]۔ گنجی فرماتے ہیں پس ہر حادثہ ہر واقعہ کا علم حضرت علی علیہ السلام کے پاس ہے ان کے معانی کے استنباط میں وہ فہم رکھتے ہیں۔

عبد اللہ بن مسعود صحابی فرماتے ہیں کہ قرآن سات حروف پر نازل ہوا اور ہر حروف کے لیے ظاہر اور باطن ہے علی بن ابی طالبؑ کے پاس ظاہر کا علم بھی ہے اور باطن کا علم بھی ہے۔[۲]

دعوت فکر

جو شخص عقل سلیم رکھتا ہے جس شخص کا ضمیر زندہ ہے۔ جو شخص تعصب سے نفرت کرتا ہے، جو شخص کچھ انصاف کو دوست رکھتا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام کے دیگر فضائل کے قطع نظر مذکورہ مطالب کو مد نظر رکھتے ہوئے انصاف کے ساتھ بتائے کہ خلافت نبویؐ کا مستحق علی بن ابی طالبؑ ہیں یا وہ جس کو قرآن کی صرف دس آیات کا علم ہے یا وہ جو بارہ برس میں ایک سورہ یاد کرتا ہے؟ خلافت کا حق دار وہ ہے جو باب مدینۃ العلم ہے یا وہ جو کہتا ہے: لولا علی

۱۔ سورہ بقرہ، آیت ۳۱۔

۲۔ کفایۃ الطالب، ص ۲۹۲، باب ۷۴؛ فرائد السمطین، ج۱، ص ۳۵۵ و کتب دیگر۔

لهلك عمر؛ اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا[1]۔ یا وہ ہے جو کہتا ہے مجھے قرآن کی آیت، وفاکھۃ و اَبّاً کے معنی کا علم نہیں ہوا[2]۔ یا وہ ہے جو کہتا ہے مجھ سے تو بوڑھی عورتیں زیادہ احکام جانتی ہیں[3]۔ کیا یہی خلافت الٰہیہ ہے؟

حضور کا ارشاد ہے: من مات ولم یعرف امام زمانه فقد مات میتة جاهلیة[4]؛ جو شخص مر گیا اور اپنے زمانہ کے امام کی معرفت حاصل نہ کی وہ جاہلیت (کفر) کی موت مرا۔

قبر میں امام کے متعلق پوچھا جائے گا کہ تیرا امام کون ہے؟ حق کے ساتھ ہو جانا چاہیے اور اپنے آپ کو جہنم کی آگ کا ایندھن نہیں بنانا چاہیے۔

سوال: اہل سنت مسئلہ امامت کو اصول دین سے کیوں نہیں مانتے بلکہ اسے فروع دین سے سمجھتے ہیں؟

۱۔ الاستیعاب، ج ۲، ص ۴۹۰؛ المناقب خوارزمی، ص ۸۱؛ الریاض النظرہ، ج ۲، ص ۱۹۴؛ ذخائر العقبی، ص ۸۲؛ کنز العمال، ج ۳، ص ۹۶؛ کفایۃ الطالب، ص ۲۲۷ و کتب دیگر۔

۲۔ کنز العمال، ج ۱، ص ۲۷۴۔

۳۔ نور الابصار، ص ۱۳۳؛ سنن بیہقی، ج ۷، ص ۲۳۳ پر ہے فقال کل احد افقه من عمر مرتین او ثلاثه و کتب دیگر۔

۴۔ تشریح و محاکمہ در تاریخ آل محمدؐ، ص ۱۶۶ (تالیف قاضی بہلول بہجت آفندی)، شرح المقاصد تفتازانی، ج ۲، ص ۲۷۵ و کتب دیگر۔ نوٹ اس حدیث کے ہم معنی مختلف الفاظ کے ساتھ بہت سی کتب اہل سنت میں روایات موجود ہیں۔

جواب: چونکہ انکے پاس ثلاثہ کی خلافت پر قرآن وسنت سے کوئی دلیل نہیں ہے اور ادھر ان کی خلافت کے قائل ہیں، بغیر دلیل کے خلیفہ کو کون مانے لہٰذا ناچار ہو کر دعوی کر دیا کہ ان کی خلافت پر دلیل اجماع ہے۔ اجماع چونکہ ظنی دلیل ہے لہٰذا دعویٰ کر دیا کہ خلافت کا مسئلہ فروع دین کا ہے تاکہ اسے اجماع کے ذریعہ ثابت کریں۔ چونکہ اصول دین کا مسئلہ ظنی دلیل سے ثابت نہیں ہوتا، حالانکہ اجماع کی حجیت پر جو دلیل دی جاتی ہے وہ روایت لا تجتمع امتی علی الخطاء ہے۔ قطع نظر از سند کے اس کی دلالت ان کے مدعی پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ روایت میں امتی کا لفظ ہے جس سے مستفاد یہ ہے کہ پوری امت کسی بات پر متفق ہو جائے تو وہ امر خطاء نہیں ہے حالانکہ سقیفائی خلافت کا بنی ہاشم اور بالخصوص حضرت علی علیہ السلام نے انکار کیا ہے اور دیگر کئی ایک صحابہ جن میں سعد بن عبادہ ہیں نے بھی انکار کیا ہے۔

پیغمبر اسلامؐ کی اکلوتی بیٹی حضرت فاطمہ علیہا السلام ان پر غضب ناک اس دنیا سے چلی گئی ہیں بلکہ وصیت فرمائی کہ مجھ پر ظلم کرنے والے میرے جنازے میں شریک نہ ہوں یہی وجہ ہے حضرت علی علیہ السلام نے ان کو رات میں دفن کیا۔ پھر امت پیغمبرؐ میں تو شیعہ بھی ہیں جو ثلاثہ کو خلافت نبوی کا مستحق نہیں سمجھتے تو پھر اجماع کہاں رہا۔)

خلافت اور امامت کے بارے میں امت اسلامی میں دو نظریے پائے جاتے ہیں۔

ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ خلیفہ اور امام، منصوص ہوتا ہے یعنی اس کی امامت و خلافت پر پیغمبر اسلام ﷺ نے صراحت فرمائی ہو، چونکہ ہمارے نزدیک امامت وخلافت یہ منصب، عہد خدائی ہے۔ و الشاھد علی ذلك

﴿ وَإِذِ ابْتَلَى إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ﴾ (۱)

اور اس وقت کو یاد کرو جب خدا نے چند کلمات کے ذریعے ابراہیم کا امتحان لیا اور انہوں نے پورا کر دیا تو اس نے کہا ہم تم کو لوگوں کا امام بنا رہے ہیں انہوں نے عرض کیا کہ میری ذریت۔ فرمایا کہ یہ عہدہ امامت ظالمین تک نہیں جائے گا۔

اس آیت سے چند چیزوں کا استفادہ ہوتا ہے:

۱. لوگوں کے لیے امام خدا بناتا ہے۔ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا ؛خدا فرماتا ہے کہ میں تمہیں لوگوں کا امام بنا رہا ہوں۔
۲. امامت کوئی آسان عہدہ نہیں ہے اس کے لیے کئی امتحانات دینے پڑھتے ہیں وَإِذِ ابْتَلَى إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ ؛اس وقت کو یاد کرو جب خدا نے چند کلمات کے ذریعہ حضرت ابراہیم کا امتحان لیا۔
۳. صرف امتحان دینا کافی نہیں بلکہ امتحان میں کامیابی شرط ہے۔ فَأَتَمَّهُنَّ ؛

۱۔ سورہ بقرہ، آیت ۱۲۴۔

۴. امامت، نبوت سے بلند مرتبہ ہے چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے نبی تھے پھر امام بنے اگر نبی نہ ہوتے تو پھر ان پر وحی بعنوان شریعت نازل نہ ہوتی اور حضرت ابراہیمؑ کی اولاد بڑھاپے میں ہوئی﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی وَهَبَ لِی عَلَى الْكِبَرِ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ﴾[1]؛ شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل و اسحاق جیسی اولاد عطا کی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے طرح طرح کے امتحانات دیئے ہیں؛ جن میں نمرود کی آگ میں پھینکا جانا، اپنی زوجہ اور بیٹے کو خشک وادی میں چھوڑنا اور ذبح اسماعیل بھی امتحان تھا۔ معلوم ہوا کہ وہ پہلے نبی تھے بعد میں امامت ملی ہے اور آیت میں امامت سے مراد نبوت نہیں ہے اگرچہ اہل سنت کے اس بارے میں دو قول ہیں بعض نے نبوت مراد لی ہے اور بعض نے امامت کہا ہے لیکن چونکہ ان کی اولاد بڑھاپے میں ہوئی ہے اور جبرائیل کا ان کے پاس پہلے آنا، ملائکہ کا گفتگو کرنا وغیرہ یہ سب اس کے شواہد ہیں کہ وہ پہلے نبی تھے۔

۱۔ سورہ ابراہیم، آیت ۳۹۔

۵. امامت، عہد الٰہی ہے یعنی یہ منصب الٰہی ہے، خدا کی طرف سے ملتا ہے جس پر کلمہ عَہدِی میرا عہد دلالت کر رہا ہے۔ خدا نے عہد کو اپنی طرف نسبت دی ہے۔

٦. امام کا انتخاب اگر امت کے ووٹوں سے شرعاً جائز ہوتا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام خدا سے اپنی ذریت میں امامت کے ہونے کا سوال نہ کرتے۔

۷. امامت کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ ظالم نہ ہو لا یَنَالُ عَهْدِی الظَّالِمِینَ؛ ظلم کی تعریف یہ ہے وضع الشی الی غیر محلہ؛ جو کسی شی کو اپنے محل کے غیر میں رکھے۔

انسان کبھی اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے اور کبھی دوسروں پر، کبھی حیوانات پر اور کبھی شرک کے کرنے سے۔ چنانچہ ارشاد رب العزت ہے: ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾[1]

خلاصہ یہ کہ لوگوں کی چار قسمیں ہیں:

۱۔ پوری زندگی، اول زندگی سے لے کر آخر عمر تک معصیت کرتے ہیں؛

۱۔ سورہ لقمان، آیت ۱۳۔

۲۔ کچھ لوگ ابتدائی زندگی میں گناہ میں مبتلا ہوتے ہیں لیکن آخر عمر میں گناہ نہیں کرتے؛

۳۔ کچھ لوگ ابتدائی زندگی میں گناہ نہیں کرتے لیکن آخر عمر میں گناہ کرتے ہیں؛

۴۔ اور کچھ اول زندگی سے لے کر آخری عمر تک گناہ نہیں کرتے۔

قرآن کی نگاہ میں پہلی تین قسموں کے لوگ منصب امامت کو نہیں پاسکتے چونکہ ظالمین کے زمرے میں آتے ہیں۔ خداوند متعال نے حضرت ابراہیمؑ کو فرمایا کہ میرے عہد (امامت) کو ظالمین نہیں پاسکتے۔ تو معلوم ہوا کہ امام کے لیے ضروری ہے کہ وہ (مذکورہ چوتھی قسم) سے ہو اور ہر طرح کے گناہ سے محفوظ و مصون ہو۔ پس امام کا از نظر قرآن معصوم ہونا ضروری ہے۔

۸. لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ؛سے مستفاد یہ ہے کہ اگر کوئی ظالم امامت کا دعوی کردے وہ شخص خدا کی طرف سے امام نہیں ہے۔ جو شخص بت پرست رہا ہو وہ شخص بنص قرآن ظالم کا مصداق ہے خواہ توبہ کرلے یا نہ کرے۔ ہاں اگر توبہ کرلے تو اس کے گناہ کی عفو ہو جائے گی لیکن چونکہ ظلم کے مبدا کے ساتھ متلبس رہا ہے لہٰذا یہ منصب امامت اباء رکھتا ہے کہ ایسا شخص امام ہو یعنی امام

وہ ہوتا ہے جس نے کبھی بھی ظلم نہ کیا ہو۔ فافهم جیداً فانه دقیق و مزل الاقدام۔

خلاصہ یہ کہ شیعہ کے نزدیک امامت منصب الٰہی ہے جس طرح کسی شخص کو ووٹوں یا شوریٰ کے ذریعہ نبی نہیں بنایا جاسکتا اسی طرح کسی کو ووٹوں یا شوریٰ کے ذریعہ امام برحق بھی نہیں بنایا جاسکتا۔ امام کو خدا متعین کرتا ہے اور رسول اس کا اعلان کرتا ہے یا وہ امام جس کی امامت نص کے ساتھ ثابت ہو وہ دوسرے امام کی معرفی کرے دونوں طریقوں سے ہمارے ائمہ کی امامت ثابت ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارہ معصوم جانشین ہیں جن میں پہلے علیؑ اور آخری حضرت مہدیؑ ہیں۔ لیکن اہل سنت کا نظریہ یہ ہے حضورؐ نے اپنے بعد اپنی امت کی ہدایت و راہنمائی کے لیے کسی کو اپنا جانشین نہیں بنایا بلکہ یہ کام خود امت پر چھوڑ دیا ہے۔ حالانکہ حضورؐ مختصر سفر پر بھی جاتے تو امور کی ادائیگی کے لیے کسی کو متعین کرکے جاتے تھے۔ یہ کیسے باور کیا جائے کہ حضورؐ ہمیشہ کے لیے سفر آخرت پر جارہے ہیں اور امت کو کسی کے حوالے نہیں کرگئے حالانکہ چوپان بھی اگر صحرا سے تھوڑے وقت کے لیے بھی شہر یا دیہات آنا چاہے تو اپنی بھیڑ بکریوں کو وہاں کسی کے سپرد کرکے آتا ہے کیا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نعوذ باللہ اپنی امت کو بھیڑ بکریوں سے بھی پست سمجھا؟

حالانکہ شیطان گمراہ کرنے والا موجود ہے مدینہ منافقین سے بھر پڑا تھا (الفارق شبلی نعمانی) اسلام کو خارجی دشمنان کا خطرہ بھی تھا عربوں میں قبائلی نظام تھا۔ حضورؐ کی رحلت کے بعد کئی قبائل مرتد ہوگئے تھے اور خلافت کا مسئلہ حساس مسئلہ ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ حضورؐ نے کسی کو اپنا جانشین نہ بنایا ہو۔

اہل سنت کے ہاں امامت کا طریق کار

۱. اہل حل و عقد، علماء رؤسا، معزز طبقہ لوگوں کی بیعت سے امام منتخب ہوسکتا ہے۔ اس میں بیعت کرنے والوں کی عدد کی بھی کوئی شرط نہیں ہے اور دوسرے شہروں کا اتفاق بھی ضروری نہیں ہے بلکہ اہل حل و عقد کے ایک مطاع شخص کی بیعت بھی کافی ہے۔

۲. شوری کے ذریعہ امام کا انتخاب کیا جاسکتا ہے۔

۳. اہل سنت کے نزدیک قہر و غلبہ کے ذریعہ بھی امامت ثابت ہوتی ہے۔ وکذا اذا کان فاسقا او جاھلاً علی الاظھر۔

بنا بر اظہر فاسق و فاجر اور جاہل شخص بھی (امت کا) امام ہوسکتا ہے[1]۔

یہ ہے اہل سنت کا عقیدہ امامت۔

تذکر: مخفی نہ رہے کہ حضور کا کام صرف وحی کو پانا اور تبلیغ کرنا ہی نہیں تھا بلکہ وہ درج ذیل کام بھی انجام دیتے تھے۔

۱۔ شرح مقاصد تفتازانی، ۲/ ۲۷۲، طبع استنبول۔

۱. قرآن کریم کی تفسیر اور قرآن کے مقاصد کی تشریح اور اس کے اسرار کو کشف کرتے تھے ﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾[۱] اور آپ کی طرف ہم نے جو ذکر کو (قرآن) کو نازل کیا ہے تاکہ لوگوں کے لیے ان احکام کو واضح کر دیں جو ان کی طرف نازل کئے گئے ہیں۔

۲. حضورؐ کے زمانے میں جو موضوعات حادث ہوتے تھے ان کے احکام بیان فرماتے تھے۔

۳. یہود و نصاری کے مشکل سوالات اور شبہات کے جواب دیتے تھے۔

۴. اصول و فروع میں دین کی حفاظت فرماتے تھے تاکہ مسلمانوں کے قدم لغزش نہ کریں اور لوگوں کی اسلامی تربیت فرماتے تھے۔

۵. شریعت کو نافذ فرماتے تھے اور حدود الٰہی کو جاری کرتے تھے۔

۶. اسلامی معاشرے میں عدل و انصاف کو برقرار رکھتے تھے اور دشمنان اسلام کے مقابلے میں دفاعی اقدامات فرماتے تھے۔

تو یہاں پر تین طرح کے احتمال پائے جاتے ہیں:

۱۔ سورہ نحل، آیت ۴۴۔

۱۔ حضورؐ نے اپنے بعد اپنی امت کی راہنمائی اور آنے والے مسائل اور دین کی حفاظت کے لیے کوئی بندوبست نہیں فرمایا۔ یہ احتمال ساقط ہے کیونکہ ان چیزوں کے ترک میں شریعت اور دین ضائع ہو جاتا ہے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ امت اس حد تک ترقی اور کمال کو پہنچ گئی تھی کہ ان امور کے انجام پر قادر تھی حالانکہ تاریخ گواہی دیتی ہے کہ یہ احتمال بھی باطل ہے کیونکہ حضورؐ کی رحلت کے بعد کئی قبائل مرتد ہو گئے تھے اور دستگاہ سقیفہ کا علمی مشکلات میں گھر کر بار بار اعتراف کرنا لولا علی لهلك عمر؛ مذکورہ احتمال کے بطلان پر واضح شاہد ہے۔

تیسرا احتمال یہ ہے کہ حضورؐ نے کسی مثالی شخصیت کو اپنا قائم مقام بنایا ہو یہ احتمال اقرب الی الصواب بلکہ متعین ہے۔ کیونکہ ایک طرف مدینہ منافقین سے بھرا پڑا تھا اور دوسری طرف بیرونی دشمنان اسلام کا خطرہ تھا اور ادھر تازہ مسلمانوں کے برگشت کا خوف بھی تھا اور آنجنابؐ کی روش یہ تھی کہ جب بھی سفر پر تشریف لے جاتے تو اپنے غیاب میں امور، کسی نہ کسی کے حوالے کر کے جاتے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ حضورؐ نے اپنی رحلت کے بعد اپنی امت کی ہدایت اور اسلام کی حفاظت کے لیے کسی کو اپنا جانشین مقرر نہ فرمایا ہو۔

حق کے طالب اور منصف مزاج کے لیے مذکورہ مطالب پر فیصلہ کرنا بہت آسان ہے متعصب اور ہٹ دھرم بیسیوں دلائل سے بھی قانع نہیں ہوتا۔

اہل سنت کے ہاں امامت کی شان

ملخص یہ کہ اہل سنت کے نزدیک امام اگر فسق و فجور بھی کرے لوگوں پر ظلم کرے اور ان کا مال غصب بھی کر لے، قتل و غارت اور حقوق کو پائمال، حدود کو معطل بھی کردے تو اس پر خروج واجب نہیں ہے بلکہ اس امام کو وعظ و نصیحت کرنا واجب ہے اور اس کو ڈرانا ضروری ہے تاکہ وہ معصیت انجام نہ دے۔[1]

انصاف: تعصب و ہٹ دھرمی سے دور ہو کر عقل سلیم کے ساتھ خود ہی فیصلہ کرلیں کہ شیعہ کا عقیدہ امامت صحیح ہے یا غیر شیعہ کا؟ اپنی عقل سے صحیح فیصلہ کرلیں چونکہ قبر میں امام کے متعلق پوچھا جائے گا کہ تیرا رب کون ہے تیرا نبی کون ہے اور تیرا امام کون ہے؟

اب آپ کی مرضی کہ شیعہ کے عقیدہ کے مطابق منصوص، معصوم، افضل کو مان کر دنیا وآخرت کی سعادت پر فائز ہو جائیں یا ظالمین کو مان کر اپنی آخرت تباہ کرلیں۔ امامت کا مقصد لوگوں کی راہنمائی و ہدایت ہے اور اگر امام خود معصیت کار[2] ہو اور لوگوں پر واجب ہو کہ وہ امام صاحب کو نصیحت کریں تو پھر امامت کا کیا مقصد باقی رہ جاتا ہے۔

۱۔ تمہید مولفہ ابی بکر باقلانی، ۱۸۱، متوفی ۴۰۳ھ؛ لا ینخلع الامام بفسقه و ظلمه بغصب الاموال و ضرب الأبشار وتناول النفوس المحرمه و تضییع الحقوق و تعطیل الحدود ولا یجب الخروج علیه بل یجب وعظه و تخویفه و ترك طاعته فی شئ مما یدعوا الیه من معاصی الله۔

۲۔ تاریخ کو ملاحظہ کریں کہ رسول خداؐ کی رحلت کے بعد اہل بیت رسولؐ پر کن کن لوگوں نے ظلم و ستم کیا ہے۔

حالانکہ رب العزت کا ارشاد ہے کہ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الأَمْرِ مِنْكُمْ﴾[1]

ایمان والوں اللہ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو اور صاحبان امر کی اطاعت کرو، یہاں تین اطاعتوں کا حکم دیا گیا ہے خدا، رسول اور اولی الامر، اولی الامر سے مراد بارہ معصوم امام ہیں جن میں پہلے حضرت علیؑ اور آخری حضرت مہدیؑ ہیں جن کی امامت کا اعتقاد ہم شیعہ رکھتے ہیں مروی ہے کہ حضرت جابر صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہؐ اولی الامر کون ہیں جن کی اطاعت ہم پر واجب ہے۔ تو حضور نے بارہ اماموں کے نام گرامی بیان فرمائے کہ یہ اولی الامر ہیں۔ جن میں پہلے حضرت علیؑ اور آخری حضرت مہدیؑ ہیں۔ آیت اطاعت کے بارے میں تفصیل، دلائل خلافت میں آئے گی، فانتظر۔

تو آیت مجیدہ میں اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے جس طرح رسول کی اطاعت مطلّقاً واجب ہے اسی طرح اولی الامر کی اطاعت بھی مطلّقاً واجب ہے۔ چونکہ آیت مَیں کسی قید و شرط کا ذکر نہیں آیا معلوم ہوا کہ قرآن کی نگاہ میں اولی الامر بھی رسول کی طرح معصوم ہوتا ہے۔ چونکہ اگر وہ معصیت کار اور خطاء کار ہو تو اس کا لازمہ یہ ہے کہ معصیت اور خطاء میں بھی اس کی اطاعت کی جائے حالانکہ خدا معصیت سے روکتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اولی الامر معصوم ہوتا ہے۔

۱۔ سورہ نساء، آیت ۵۹۔

شرائط امامت وخلافت

امامت وخلافت کے لیے شرائط ہیں ہر شخص نبیؐ کا خلیفہ اور امت کا امام نہیں بن سکتا اَن پڑھ شخص کو تو کوئی سکول ٹیچر لگانے کے لیے تیار نہیں ہوتا پرائمری اسکول کے ٹیچر کے لیے بھی شرائط ہوتی ہیں کہ پڑھا لکھا ہو، صلاحیت رکھتا ہو، شریعت میں پیش نماز (امام جماعت) کے لیے بھی شرائط ہیں ہر شخص پیش نماز نہیں ہوسکتا، پیش نماز کی قرائت صحیح ہو، عادل ہو، حلال زادہ ہو اور دیگر شرائط بھی رکھتا ہو۔ یہ کیسے مانا جائے کہ پیش نماز اور اسکول ٹیچر کے لیے تو شرائط ہوں اور نبیوں کے سردار کے جانشین کے لیے کوئی شرط نہ ہو؟ یہ کیسے تسلیم کیا جائے کہ پوری امت کے امام کے لیے کسی وصف کی ضرورت نہ ہو جو بھی امامت کا دعویٰ کردے وہی امام ہو جائے؟ ایسا ہرگز نہیں ہے خلافت وامامت یہ ایک بلند منصب الٰہی ہے ہر ایک اس کا حامل نہیں ہوسکتا۔ خلیفہ اور امام کے لیے عقلاً اور شرعاً شرائط ہیں۔ جن میں ایک شرط یہ ہے کہ وہ عصمت رکھتا ہو یعنی معصوم ہو، دوسری شرط یہ ہے کہ اس کی خلافت و امامت پر خدا کی طرف سے نص ہو اور رسول خداؐ نے اسے متعین فرمایا ہو۔

تیسری شرط یہ ہے وہ لوگوں میں رسول خداؐ کے بعد سب سے اعلم ہو،

چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ رسول خداؐ کے بعد سب لوگوں سے مطلقاً افضل ہو، (عبادت، شجاعت اور دیگر اوصاف کے حوالے سے)

پانچویں شرط یہ کہ وہ ہاشمی ہو (جو کہ قریش کا ایک قبیلہ ہے) جیسا کہ حضورؐ نے ائمہ طاہرین علیہم السلام کے بارے میں فرمایا: کلھم بنی ھاشم۔[۱]

عصمت

عصمت کا لغت میں معنی، منع ہے[۲] عصمه يعصمه عصماً: منعه وقاه

المنجد میں ہے العصمة: بچاؤ، گناہوں سے بچنے کا ملکہ۔

تاج العروس، ج۸، ص۳۹۹ پر ہے: العصمة بالکسر: المنع

مناوی نے کہا ہے العصمة ملكة اجتناب المعاصى مع التمكن منها، گناہوں پر ارتکاب کی قدرت رکھنے کے باوجود، ان سے بچنے کے ملکہ کا نام عصمت ہے۔

عصمت کی اصطلاحی تعریف

عصمت ربانی قوت کا نام ہے جو کہ سب خطاؤں اور لغزشوں پر ان کے ارتکاب کی قدرت رکھنے کے باوجود سب حالات میں مانع ہوتی ہے۔

نبی اور امام اپنی پوری زندگی میں سب گناہوں کی نسبت خواہ وہ بڑے ہوں یا چھوٹے مبرّا اور مصون ہوتے ہیں نیز سہو و نسیان و شک، جہل و شبہات اور

۱۔ ینابیع المودة، ج۳، ص۲۹۲، ناشر دار الاسوة، و کتب دیگر۔

۲۔ لسان العرب، ج۱۲، ص۴۰۳۔

صفات رذیلہ اور اعمال قبیحہ سے پاک ہوتے ہیں خلاصہ یہ کہ امام، نبی کی طرح مطلّقا معصوم ہوتا ہے۔ اور اہل سنت کے نزدیک امام کے لیے عصمت شرط نہیںً ہے بلکہ امام سے فسق وفجور بھی صادر ہو جائے تو پھر بھی وہ امام رہتا ہے اور اس کو امامت سے ہٹایا نہیں جاسکتا۔

عصمت کے دلائل

ا۔ اگر امام معصوم نہ ہو تو نقص غرض لازم آتی ہے چونکہ جو فوائد ان کے وجود پر مترتب ہوتے ہیں وہ پھر متحقق نہیں ہوں گے اور جو غرض اور مقصود امام کے نصب کی تھی وہ پھر حاصل نہیں ہوگی۔ نقض غرض یعنی مقصود کا حاصل نہ ہونا خدا پر محال ہے چونکہ یہ چیز جہالت اور عجز کو مستلزم ہے اور واجب الوجود کی ذات ان چیزوں سے مبرّا ہے۔ پس امام کا معصوم ہونا ضروری ہے چونکہ وہ حافظ شریعت، ہادی اور شریعت کو نافذ کرنے والا ہوتا ہے۔

۲۔ اگر امام جائز الخطا ہو تو امام کے وجود پر فوائد منتفی ہو جائیں گے اور وہ خود ایک اور امام کی طرف محتاج ہو جائے گا اگر وہ (تیسرا شخص) خود معصوم ہو تو فثبت المطلوب؛ مطلوب ثابت ہو جائے گا وگرنہ وہ خود ایک امام کا محتاج ہوگا وھکذا یتسلسل؛ تو اس طرح تسلسل لازم آتا ہے جو کہ محال ہے۔ پس امام کا معصوم ہونا ضروری ہے۔

اشکال: کیا عدالت کافی نہیں ہے جس کے ساتھ وہ انصاف دلوائے اور شریعت کی حفاظت کرے۔

جواب: امام کے لیے صرف عدالت کافی نہیں ہے بلکہ امام کا معصوم ہونا ضروری ہے چونکہ جن وجوہ کی بناء پر نبی کا معصوم ہونا ضروری ہے صرف عدالت ان کے لیے کافی نہیں ہے انہی وجوہ کی بناء پر امام کا بھی معصوم ہونا ضروری ہے چونکہ امام حافظ شریعت ہوتا ہے بقاء شریعت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ امام بھی معصوم ہو۔

۳۔ امامت کی تعریف سنی و شیعہ نے جو کی ہے وہ اس بات پر متفق ہیں کہ امام کی اتباع پوری امت پر واجب ہے[1] تو اس بناء پر اگر امام جائز الخطاء والعصیان ہو تو اس کا لازمہ یہ ہوگا کہ امت بھی گناہ میں مبتلاء ہو جائے گی حالانکہ محرمات سے اجتناب اور واجبات کو ادا کرنا دونوں فریقوں کے نزدیک مسلمات سے ہے۔ پس امام کا معصوم ہونا ضروری ہے۔

۴۔ امام اگر عصیان کرے تو امام کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی وجہ سے انکار کرنا امت پر واجب ہو جائے گا اور اس چیز سے نصب امام، اطاعت امام اور تعظیم امام کی غرض مطلقاً ختم ہو جائے گی چونکہ اولی الامر (امام) کی اطاعت ہر حالت میں واجب ہے چنانچہ خداوند متعال فرماتا ہے: ﴿ أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا

۱۔ هي خلافة الرسول في اقامة الدين بحيث يجب اتباعه على كافة الامة۔ شرح المواقف، ج۸، ص۳۴۵۔

الرَّسُولَ وَأُولِی الأَمْرِ مِنْكُمْ ﴾[1] اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور جو تم میں صاحبان امر ہیں ان کی اطاعت کرو، اس آیت میں کسی قید و شرط کا ذکر نہیں آیا پس ہر حالت میں اطاعت واجب ہے۔

۵۔ اگر امام سے معصیت صادر ہو جائے تو وہ لوگوں کی نظروں سے گر جائے گا اور لوگ اس کی پھر اطاعت نہیں کریں پس نصب امام کا فائدہ منتفی ہو جائے گا۔ پس امام کا معصوم ہونا ضروری ہے۔

۶۔ اگر امام لغزش سے محفوظ نہ ہو تو اس کا لازمہ یہ ہوگا کہ احکام الٰہی میں خدا کی طرف سے اجتماع ضدین ہو چونکہ امام کا حکم ماننا واجب ہے کیونکہ اس کی اطاعت واجب ہے فرض یہ ہے کہ وہ معصوم نہیں ہے جائز الخطاء والعصیان ہے تو صدور معصیت کی حالت میں لازم آئے گا کہ ایک ہی چیز واجب بھی ہو اور حرام بھی ہو۔ یہ اجتماع ضدین ہو جائے گا۔ پس امام کا معصوم ہونا ضروری ہے۔

۷۔ امام اگر جائز الخطا والذنب ہو تو لازم یہ آئے گا کہ وہ حزب شیطان میں داخل ہو جائے لانهم فعلوا ما اراد الشيطان وحزب الشيطان هم الخاسرون۔

حالانکہ دلائل عقلیہ اور شرعیہ سے ثابت ہے کہ امام اور خلیفہ حزب اللہ، اللہ کے گروہ سے ہیں جو کہ کامیاب ہیں۔

۸۔ خداوند متعال ارشاد فرماتا ہے:

۱۔ سورہ نساء، آیت ۵۹۔

﴿ وَإِذِ ابْتَلَى إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ﴾[1]

اور اس وقت کو یاد کرو جب خدا نے چند کلمات کے ذریعہ ابراہیم کا امتحان لیا اور انھوں نے پورا کر دیا تو اس نے کہا کہ ہم تم کو لوگوں کا امام بنا رہے ہیں انھوں نے عرض کی کہ میری ذریت؟ فرمایا کہ یہ میرا عہدہ (امامت) ظالمین نہیں پا سکتے۔

ظلم کی تعریف: وضع الشئی فی غیر موضعه؛ کسی چیز کو اس کے مقام پر نہ رکھنے کا نام ظلم ہے۔

قرآن کی نگاہ میں ظلم

۱۔ بندے کا ظلم، خدا کی نسبت: ﴿ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ﴾[2] بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

۲۔ ﴿ فَمَنِ افْتَرَى عَلَى اللهِ الْكَذِبَ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴾[3]

اس کے بعد جو بھی خدا پر بہتان رکھے گا اس کا شمار ظالمین میں ہوگا۔ پس خدا پر افتراء باندھنا یہ بھی ظلم ہے اور ایسا کرنے والا ظالم ہے۔

۱۔ سورہ بقرہ، آیت ۱۲۴۔

۲۔ سورہ لقمان، آیت ۱۳۔

۳۔ سورہ آل عمران، آیت ۹۴۔

۳۔ انسان کا ایک دوسرے پر ظلم کرنا: ﴿إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِي الأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾[۱] الزام ان لوگوں پر ہے جو ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق زیادتیاں پھیلاتے ہیں انہی لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

۴۔ انسان کا اپنے نفس پر ظلم کرنا: ﴿فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ﴾[۲] ان میں سے بعض اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں۔

﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَظَالِمٌ لِنَفْسِهِ مُبِينٌ﴾[۳] اور ان کی اولاد میں بعض نیک کردار اور بعض کھلم کھلا اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں۔

﴿وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ﴾[۴] اور جو خدا کی حدود سے تجاوز کرے گا اس نے اپنے ہی نفس پر ظلم کیا ہے۔

﴿وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾[۵] اور جو حدود الٰہی سے تجاوز کرے گا وہ ظالمین میں شمار ہوگا۔

۱۔ سورہ شوری، آیت ۴۲۔
۲۔ سورہ فاطر، آیت ۳۲۔
۳۔ سورہ صافات، آیت ۱۱۳۔
۴۔ سورہ طلاق، آیت ۱۔
۵۔ سورہ بقرہ، آیت ۲۲۹۔

انسان چار حال سے خارج نہیں ہے۔

۱. ابتدائے زندگی سے لے کر آخر عمر تک معصیت میں مبتلاء ہو؛

۲. اوّل عمر میں گناہ کرے اور آخر عمر میں نہ کرے؛

۳. ابتدائے زندگی میں گناہ نہ کیا ہو لیکن آخر عمر میں گناہوں میں مشغول ہو جائے۔

۴. ابتداء زندگی سے لے کر (یعنی بچپن سے لے کر) آخر زندگی (موت تک) گناہ میں مبتلاء نہ ہوا ہو۔

پہلی تین قسم کے لوگوں پر قرآن کی اصطلاح میں ان پر ظلم کا اطلاق ہوتا ہے اور ظالم بفرمان خداوند لاینال عھدی الظالمین، امام نہیں ہو سکتا۔

پس نتیجہ یہ نکلا کہ امام کا معصوم ہونا ضروری ہے۔

نوٹ: مخفی نہ رہے کہ آیت : انی جاعلك للناس اماما ، میں امامت سے مراد نبوت نہیں ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے منصب نبوت پر فائز تھے جب امتحانات کو پورا کر دکھایا۔ حضرت ہاجرہ اور اپنے فرزند اسماعیلؑ کو مکہ میں کعبہ کے پاس خشک جنگل بیابان میں تنہا چھوڑنا یہ بڑا امتحان ہے پھر حضرت اسماعیل کو ذبح کرنے کی خاطر ان کی گردن پر چھری چلانا یہ بہت بڑی آزمائش ہے۔ اس طرح کے سب امتحانات کی کامیابی پر عہد امامت مل رہا ہے۔ جب

نبوت کے لیے عصمت شرط ہے تو امامت جو کہ نبوت سے بلند مرتبہ ہے اس کے لیے بطریق اولیٰ عصمت شرط ہے۔

چنانچہ لاینال عھدی الظالمین، سے امامت کے لیے عصمت کا استفادہ ہوتا ہے۔

بر فرض اگر امامت کا رتبہ، نبوت سے کم بھی ہو تو تب بھی اس آیت سے عصمت کا استفادہ ہوتا ہے جب امامت کے لیے عصمت شرط ہے تو نبوت جو کہ اس سے بلند مرتبہ ہے (بقول خصم کے) تو اس کے لیے بطریق اولیٰ عصمت شرط ہے حالانکہ امامت، کا رتبہ نبوت سے بلند ہے کما لا یخفی، نتیجہ یہ کہ بہر حال امامت کے لیے عصمت، شرط ہے۔

نوٹ: جو شخص شرک میں مبتلا رہا ہو خواہ بعد میں اسلام بھی لائے اس کے باوجود وہ منصب امامت پر فائز نہیں ہو سکتا چونکہ جو متلبس بہ شرک رہا ہو وہ قرآن کی نگاہ میں ظالم ہے اور یہ منصب اباء (انکار) رکھتا ہے کہ ظالم اس پر فائز ہو۔ فافھم جیداً۔

۹۔ اہل بیت کی عصمت پر قرآن گواہی دے رہا ہے۔

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ [1]

بس اللہ کا ارادہ ہے کہ اے اہل بیت کہ تم سے ہر برائی کو دور رکھے اور اس طرح پاک و پاکیزہ رکھے جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔

۱۔ سورہ احزاب، آیت ۳۳۔

مفسرین شیعہ و سنی نے لکھا ہے کہ یہ آیت پیغمبر اسلامؐ کے اہل بیت حضرت علی، حضرت فاطمہ، امام حسن اور امام حسین علیہم السلام کے بارے میں نازل ہوئی۔ جبکہ رسول خداؐ نے ان کو اپنی چادر کے نیچے بٹھایا تھا۔ اور فرمایا: اللھم ھولاء اھل بیتی؛ خدایا یہی میرے اہل بیت ہیں۔ [1]

ابن مردویہ سے منقول ہے کہ ایک سو سے زیادہ طرق سے منقول ہے کہ یہ آیت تطہیر حضرت محمدؐ، علی، فاطمہ، حسن اور حسین علیہم السلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے [2]۔ ابی سعید خدری سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ آیت تطہیر پانچ ہستیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نزلت ھذہ الایۃ فی خمسہ فیّ و فی علی و حسن و حسین و فاطمہ۔ کما فی تفسیر ابن

۱۔ صحیح مسلم، ج۵، ص ۳۷؛ المستدرک حاکم، ج۳؛ سنن ترمذی، ج۲، ص ۲۰۹؛ مسند احمد، ج۴، ص ۱۰۷؛ الاستیعاب، ج۲، ص ۵۰؛ سنن بیہقی، ج۲، ص ۱۴۹؛ تفسیر در منثور، ج۵، ص ۱۹۹؛ تفسیر کبیر رازی، ج۴، ص ۹۰؛ تفسیر روح المعانی، ج۲۲، ص ۱۴؛ تفسیر جامع البیان طبری، ج۱۲، ص ۹، طبع دار الفکر، تفسیر غرائب القرآن، ج۲، ص ۱۷۸، طبع بیروت؛ تفسیر کشاف، ج۱، ص ۳۶۹؛ فرائد السمطین، ج۲، ص ۲۳؛ مناقب علی ابن ابی طالب لابن المغازلی، ص ۲۳۶؛ ذخائر العقبیٰ، ص ۲۳؛ نور الابصار، ص ۲۲۵؛ اسد الغابہ، ج۲، ص ۱۲؛ کفایۃ الطالب، ص ۳۷۲؛ مشکوۃ شریف، ج۳، ص ۲۶۹۔

نوٹ: یہ روایت بسند صحیح کئی طرق سے مختلف الفاظ کے ساتھ کتب اہل سنت میں موجود ہے۔

۲۔ مناقب علی بن ابی طالب وما نزل من القرآن فی علیٍ، ص ۳۰۱۔

کثیر، ج ۳، ص ۱۴۸۲۔ چنانچہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں آیت تطہیر کے نزول کے بارے میں متعدد روایات کو ذکر کیا ہے۔

نوٹ: یہ آیت ازواج نبیؐ کے بارے میں نہیں ہے اس کی پہلی دلیل یہ کہ چونکہ آیت میں ضمائر مذکر کی ہیں۔ آیت تطہیر سے قبل اور بعد جہاں ازواج کا ذکر ہے وہ صیغے اور ضمائر مؤنث کے ہیں۔

دوسری دلیل یہ کہ آیت کے نزول کے وقت حضرت ام سلمہؓ نے چادر کے نیچے آنے کی خواہش کی تو حضورؐ نے فرمایا: اپنی جگہ پر ٹھہری رہو تم خیر پر ہو[۱]۔ یہ میرے اہل بیت ہیں۔ اور بعض روایات میں ہے کہ ام سلمہ نے چادر کو اٹھایا تاکہ نیچے داخل ہوں تو رسول خدا نے چادر کو ان کے ہاتھ سے کھینچ لیا اور فرمایا تو ازواج سے ہے[۲]۔ اور بعض روایات میں ہے حضرت ام سلمہؓ گھر کے دروازے پر بیٹھی ہوئی تھیں اور عرض کیا: یا رسول اللہ ألست من أل البیت؟ کیا میں اہل بیت سے نہیں ہوں؟ تو آپؐ نے فرمایا: انك الی الخیر انت من ازواج

۱۔ کفایۃ الطالب، ص ۳۷۲ و کتب دیگر۔
۲۔ نور الابصار، ص ۲۲۵، باب ثانی۔

النبیؐ؛ تو خیر پر ہے تو ازواج نبیؐ سے ہے حضرت ام سلمہؓ کا کہنا ہے کہ گھر میں رسول خداؐ، علی، فاطمہ، حسن اور حسین علیہم السلام تھے[1]۔

تیسری دلیل یہ کہ اگر یہ آیت ازواج کے بارے میں نازل ہوئی تھی اور حضرات علی و فاطمہ، حسن و حسین علیہم السلام کو بھی اہل بیت میں قرار دیا تھا تو فرمانا چاہیے تھا کہ اَللّٰھُمَّ ھٰؤُلَاءِ مِنْ اَھْلِ بَیْتِی؛ خدایا یہ میرے اہل بیت میں سے ہیں۔ حالانکہ حضورؐ نے فرمایا: اللھم ھولاء اھل بیتی؛ خدایا یہی میرے اہل بیت ہیں تو معلوم ہوا کہ ازواج، اہل بیت شرف میں شامل نہیں ہیں۔

چوتھی دلیل یہ کہ ازواج کی عصمت کی نفی خود قرآن کر رہا ہے چنانچہ سورہ تحریم کی آیت میں ہے﴿ان تتوبا الی اللہ فقد صغت قلوبکما﴾ تم دونوں کے دل کج (ٹیڑھے) ہو چکے ہیں[2]۔ اور یہ خطاب عائشہ اور حفصہ کے لیے ہے۔ جس کی خود علماء اہل سنت نے تصریح کی ہے۔

نیز اہل سنت کی روایات میں ہے کہ بی بی عائشہ کہتی ہیں میں نے رسول خداؐ کو دیکھا کہ علی، فاطمہ، حسن اور حسین (علیہم السلام) کو بلایا اور اُن پر کپڑا (چادر)

۱۔ تفسیر فتح القدیر، ج۵، ص ۳۵۰، طبع دار الفکر بیروت؛ تفسیر ابن کثیر دمشقی، ج۴، ص ۱۹۱۴، طبع دار الفکر (طبع جدید)؛ تفسیر معالم التنزیل، ج۵، ص ۲۵۳؛ مختصر تفسیر القرآن الکریم للخازن، ج۲، ص ۱۱۶۵؛ فتح الباری، ج۸، ص ۵۲۶ و کتب دیگر۔

۲۔ تفسیر ابن کثیر دمشقی، ج۳، ص ۱۴۸۱، طبع دار الفکر۔

ڈالی تو میں ان کے نزدیک ہوئی اور عرض کیا: یا رسول اللہ و أنا من أھل بیتك؟ کیا میں آپؐ کے اہل بیت سے ہوں تو حضورؐ نے فرمایا: تَنَحّي الخ؛ تو دور ہو جا[1]۔

جنگ جمل میں حضرت علی علیہ السلام نے اتمام حجت کے لیے عائشہ کو خط لکھ کر بھیجا کہ تو اپنے گھر سے خدا اور رسولؐ کی معصیت کرکے نکلی ہے عورتوں کا میدان جنگ میں لشکر کشی کرنے کا کیا مطلب ہے؟ اللہ سے ڈر اور اپنے گھر لوٹ جا اور اپنے پردے کا خیال کر۔

وَ كَتَبَ إِلَى عَائِشَةَ أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّكِ خَرَجْتِ مِنْ بَيْتِكِ عَاصِيَةً لِلّٰهِ وَ لِرَسُولِهِ مُحَمَّد الخ۔۔۔ فَاتَّقِ اللهَ يَا عَائِشَةُ وَ ارْجِعِي إِلَى مَنْزِلِكِ وَ أَسْبِلِي عَلَيْكِ سِتْرَكِ و السلام۔[2]

امیر المومنین علی علیہ السلام کی اس نصیحت کے باوجود گھر واپس نہ پلٹی اور امام برحق کے مقابلے میں جنگ میں حاضر رہی، اگر یہ معصومہ ہوتی تو ہرگز جنگ کے لیے اپنے گھر سے نہ نکلتی اور پھر جنگ کے بعد اپنی خطاء پر گریہ نہ کرتی۔ چنانچہ وہ جب بھی جنگ جمل کو یاد کرتی تھی تو گریہ کرتی تھی یہاں تک کہ اس کا دوپٹہ تر ہو جاتا تھا اور کہتی تھی اے کاش کہ نسیا منسیا ہوتی۔[3]

۱۔ تفسیر ابن کثیر، ج۳، ص ۱۳۸۲ (ذیل آیت تطہیر) فرائد السمطین ج۱، ص ۳۶۸۔

۲۔ المناقب خوارزمی، ص ۱۸۴؛ الامامۃ والسیاسۃ دینوری، ج۱، ص ۷۰۔

۳۔ المناقب خوارزمی، ص ۱۸۲۔

مخفی نہ رہے کہ حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کی خبر سن کر اس بی بی نے سجدہ شکر کیا تھا۔ (۱)

تذکر: شوریٰ کے دن کمیٹی میں امیر المومنین علی علیہ السلام نے آیت تطہیر سے بھی اپنے مستحق خلافت ہونے کے بارے میں استدلال فرمایا تھا کہ میں تمہیں قسم دے کر کہتا ہوں کیا تم میں میرے علاوہ کوئی ہے جس کی شان میں آیت تطہیر اتری ہو تو انہوں نے کہا: نہیں۔ (۲)

ذرا اپنے عقل سے کام ہو کہ معصوم کے ہوتے ہوئے غیر معصوم کیسے مقدم ہو سکتا ہے؟

پانچویں دلیل کہ جب سورہ طہ کی آیت نمبر ۳۲ ﴿وأمر أهلك بالصلوة و اصطبر عليها﴾ نازل ہوئی تو رسول خدا آٹھ مہینے حضرت علیؑ کے دروازے پر آکر آیت تطہیر کی تلاوت کرتے رہے اور فرماتے رہے: الصلوۃ رحکما الله (۳)۔ اور بعض روایات میں: الصلوۃ رحمکم الله؛ کے الفاظ ہیں۔

۱۔ مقابل الطالبین، ص ۵۵۔

۲۔ مناقب علی بن ابی طالب لابن المغازلی، ص ۱۱۹؛ کتاب الولایۃ لابن عقدہ کوفی، ص ۱۷۵۔

۳۔ کفایۃ الطالب، ص ۳۷۷؛ ترجمہ امام علی بن ابی طالب من تاریخ دمشق، ج ۱، ص ۲۷۲۔

نوٹ: اِنس صحابی کی روایت کو ابن اِبی شیبہ، احمد، ترمذی، ابن جریر اور حاکم نیشاپوری اور طبرانی نے نقل کیا ہے جس کو ہمارے رسالہ تحقیق در تفسیر آیہ تطہیر میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

نوٹ: بعض روایات میں چھ ماہ بعض میں سات ماہ اور بعض میں نو ماہ کا ذکر ہے[1] اور بعض میں اس سے زیادہ کا بھی ذکر ہے۔ تو ان روایات میں کوئی منافات نہیں ہے ممکن ہے کسی راوی نے چھ یا سات ماہ سنا ہو تو اس نے چھ ماہ کا ذکر کر دیا اور کسی نے آٹھ ماہ سنا ہو تو اس نے آٹھ ماہ ذکر کر دیا اور کسی نے زیادہ مدت سنا تھا تو اس سے زیادہ مدت ذکر کر دی۔ چنانچہ ابن مردویہ کی روایت میں ہے حضورؐ نو ماہ ہر نماز کے وقت علی علیہ السلام کے دروازے پر دن میں پانچ مرتبہ تشریف لاتے اور فرماتے: السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ أهل البيت؛ پھر آیت تطہیر کی تلاوت فرماتے تھے: الصلوۃ رحمکم اللہ۔

اور بعض روایات میں ہے کہ حضرت فاطمہ علیہا السلام کے دروازے پر فرماتے تھے: السلام علیکم أهل البيت و رحمۃ اللہ و برکاتہ الصلوۃ رحمکم اللہ، انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا۔[2]

۱۔ کفایۃ الطالب، ص ۳۷۶؛ مناقب علی ابن ابی طالب و ما نزل من القرآن فی علیٍ لابن مردویہ، ص ۳۰۵۔
۲۔ نور الابصار، ص ۲۲۶۔

مخفی نہ رہے حضرت فاطمہ علیہا السلام کا دروازہ، حضرت علی علیہ السلام کا ہی دروازہ ہے اور بعض روایات میں دونوں حضرت علی و حضرت فاطمہ علیہا السلام کے نام کا ذکر آیا ہے۔ (۱)

اور بعض روایات میں یہ اضافہ بھی موجود ہے کہ آپؐ جناب سیدہ فاطمہ علیہا السلام کے دروازے پر آیت تطہیر کی تلاوت کے بعد فرماتے تھے: انا حرب لمن حاربهم أنا سلم لمن سالمهم؛ جن سے تمہاری جنگ ہوگی ان سے میری جنگ ہوگی اور جن سے تمہاری صلح ہوگی ان سے میری صلح ہوگی۔ (۲)

تذکر: اہل سنت کی بعض روایات میں، ائمہ طاہرین علیہم السلام بارہ اماموں کا ذکر بھی آیت تطہیر کے شان نزول میں آیا ہے رسول خداؐ نے حضرت ام سلمہ کو فرمایا یہ آیت میرے بارے میں اور (میری بیٹی) اور میرے بھائی علی بن ابی طالب اور میرے دو بیٹوں (حسن اور حسین علیہما السلام) اور حسین علیہ السلام کی اولاد سے نو (اماموں) کے بارے میں نازل ہوئی ہے یہ آیت ہمارے بارے میں خاص ہے اس میں ہمارے علاوہ اور کوئی شریک نہیں ہے۔ (۳)

۱۔ ترجمہ الامام علی بن ابی طالب من تاریخ دمشق، ج۱، ص ۲۷۴۔
۲۔ مناقب علی بن ابی طالب و مانزل من القرآن فی علی لابن مردویہ، ص ۳۰۴، در منثور، ج۵، ص۱۹۹۔
۳۔ فرائد السمطین، ج۱، ص ۳۱۶؛ کتاب الولایۃ، ص ۲۰۱۔

حافظ ابن عقدہ کوفی کی کتاب میں ایک طولانی روایت میں بھی یہی فرمان رسالت منقول ہے جس میں حضرت علیؑ نے ابو درداء اور ابو ہریرہ اور دیگر ہمراہ لوگوں کو خطاب کرکے فرمایا: اے لوگو کیا جانتے ہو کہ خداوند متعال نے اپنی کتاب میں آیت ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ کو نازل فرمایا، پس رسول خداؐ نے مجھے، فاطمہ، حسن اور حسین کو چادر کے نیچے جمع کیا پھر فرمایا خدایا یہی میرے محبوب، میری عترت، میرے ثقل، میرے خاص اور میرے اہل بیت ہیں ان سے رجس کو دور رکھ اور ان کو پاک رکھ جس طرح پاک رکھنے کا حق ہے تو ام سلمہ نے عرض کیا، کیا میں بھی ان میں ہوں؟ تو ان کو فرمایا تو نیکی پر ہے۔ بتحقیق یہ آیت میرے بارے میں اور میرے بھائی علی اور میری بیٹی فاطمہ اور میرے دونوں بیٹے حسن اور حسین اور حسینؑ کی نسل سے نو اماموں کے بارے میں خاص طور پر نازل ہوئی ہے اس فضیلت میں ہمارے علاوہ کوئی بھی ہمارے ساتھ شریک نہیں ہے۔

ثُمَّ قَالَ عَلِيٌّ صلوات الله عليه لِأَبِي الدَّرْدَاءِ وَ أَبِي هُرَيْرَةَ وَ مَنْ حَوْلَهُ يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَ تَعْلَمُونَ أَنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَ تَعَالَى أَنْزَلَ فِي كِتَابِهِ ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيراً﴾ فَجَمَعَنِي رَسُولُ اللهِ (ص) وَ فَاطِمَةَ وَ الْحَسَنَ وَ الْحُسَيْنَ فِي كِسَاءٍ ثُمَّ قَالَ "اللَّهُمَّ هَؤُلَاءِ أَحِبَّتِي وَ عِتْرَتِي وَ ثِقْلِي وَ خَاصَّتِي وَ

أَهْلُ بَيْتِی فَأَذْهِبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَ طَهِّرْهُمْ تَطْهِيراً " فَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ وَ أَنَا فَقَالَ لَهَا أَنْتِ إِلَى خَيْرٍ ، إِنَّمَا أُنْزِلَتْ فِیَّ وَ فِی أَخِی عَلِیٍّ وَ فِی ابْنَتِی فَاطِمَةَ وَ فِی ابْنَیَّ الْحَسَنِ وَ الْحُسَيْنِ وَفِی تِسْعَةٍ مِنْ وُلْدِ الْحُسَيْنِ خَاصَّةً لَيْسَ فِيهَا مَعَنَا أَحَدٌ غَيْرُنا۔ (۱)

نیز رسول خداؐ نے اپنے آخری وقت بھی اہل بیت کون ہیں کی تشریح میں بارہ اماموں کا ذکر فرمایا جو کہ زمین پر خدا کے گواہ اور اس کی مخلوق پر حجت ہیں من اطاعھم اطاع اللہ، جس نے ان بارہ کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی و من عصاھم عصی اللہ، جس نے ان بارہ کی نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی۔ (۲)

پس ان بارہ اماموں کی عصمت بنص حدیث ثقلین سے ثابت ہے چونکہ رسول خداؐ نے اپنی امت کے لیے دو چیزوں کو چھوڑا ہے قرآن اور اپنی اہل بیت۔ اور امت کو ان دونوں کے ساتھ تمسک کرنے کا حکم دیا ہے چونکہ اس صورت میں پھر امت کی گمراہی کا خوف نہیں ہے۔ اور یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک حضورؐ کے پاس حوض کوثر پر آ پہنچیں تو اس حدیث سے ثابت ہے کہ جس طرح قرآن بے عیب ہے اسی طرح اہل بیت بھی بے عیب اور گناہوں سے پاک اور معصوم ہیں۔ قرآن قیامت تک کے لیے ہے تو ہر زمانہ میں

۱۔ کتاب الولایۃ، ص ۲۰۱۔

۲۔ فرائد السمطین، ج ۱، ص ۳۱۸؛ کتاب الولایۃ، ص ۲۰۲۔

اہل بیت علیہم السلام کا کوئی نہ کوئی فرد قرآن کے ہمراہ، امت کے لیے امام اور ہادی موجود ہے۔

دلیل دہم: پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا: خمسة منّا معصومون أنا و علی و فاطمه و الحسن و الحسین؛ ہم میں پانچ معصوم ہیں، میں، علی، فاطمہ، حسن اور حسین (علیہم السلام)[۱]

نیز حضورؐ نے فرمایا: فانا و اهل بیتی مطهرون من الذنوب؛ میں اور میرے اہل بیت گناہوں سے پاک ہیں۔[۲]

اہل سنت کے محدث کبیر جوینی نے اپنی اسناد کے ساتھ عبد اللہ بن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے رسول خداؐ سے سنا کہ انہوں نے فرمایا میں اور علیؑ، حسن، حسین اور حسین کی اولاد سے نو (امام) پاکیزہ اور معصوم ہیں۔

عَنِ عبد اللهِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ (ص) يَقُولُ أَنَا وَ عَلِيٌّ وَ الْحَسَنُ وَ الْحُسَيْنُ وَ تِسْعَةٌ مِنْ وُلْدِ الْحُسَيْنِ مُطَهَّرُونَ مَعْصُومُونَ[۳]

۱۔ مناقب علی بن ابی طالب ومانزول من القرآن فی علی، لابن مردویہ، ص ۲۱۳۔
۲۔ تفسیر در منثور، ج۵، ص ۱۹۹؛ تفسیر روح المعانی، جزء ۲۲، ص ۱۴، طبع بیروت؛ تفسیر فتح القدیر، ج ۴، ص ۳۹۹، طبع دار الفکر؛ مناقب علی ابن ابی طالب ومانزل من القرآن فی علی، لابن مردویہ، ص ۳۰۵۔
۳۔ فرائد السمطین، ج ۲، ص ۱۳۳، باب ۳۱، طبع بیروت، ینابیع المودۃ، ص ۳۰۳، ۵۰۴، طبع بیروت۔

نوٹ: عصمت پر عقلی اور نقلی (یعنی آیات و روایات) کے حوالے سے بہت دلائل ہیں لیکن منصف مزاج کے لیے اسی میں کفایت پائی جاتی ہے۔[۱]

افضیلت، اعلمیت اور عظمت امیر المومنین علی علیہ السلام کے بارے میں فرمان رسالت اور اعترافات صحابہ اور بزرگان۔

رسول خداؐ نے فرمایا: جو روئے زمین پر چل رہا ہے ان سب میں میرے بعد علی بن ابی طالبؑ اچھے اور افضل ہیں۔

عن حبشی بن جنادة قال رسول اللہ(ص) خیر من یمشی علی الارض بعدی علی بن ابی طالب۔[۲]

نیز رسول خدا ﷺ نے سلمان (فارسی) کو مخاطب کرکے فرمایا: آج میں تمہیں گواہ کرکے کہتا ہوں ان سب میں علی بن ابی طالب اچھے اور افضل ہیں۔

أشهدك اليوم علی بن ابی طالب خيرهم و أفضلهم۔[۳]

نیز رسول خدا ﷺ نے حضرت علی علیہ السلام کو مخاطب کرکے فرمایا: أنت خير أمتی فی الدنيا و الاخرة۔ (اے علیؑ) تو دنیا وآخرت میں میری امت میں سب سے اچھا (افضل) ہے۔[۴]

۱۔ آیت تطہیر کی تفسیر میں مزید معلومات کے لیے ہمارے تحقیقی رسالے، تحقیق در تفسیر آیہ تطہیر کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

۲۔ مناقب علی بن ابی طالب لابن مردویہ، ص ۱۱۱۔

۳۔ مناقب علی بن ابی طالب لابن مردویہ، ص ۱۱۱۔

۴۔ مناقب علی بن ابی طالب لابن مردویہ، ص ۱۱۱۔

حسن بن اِبی الحسن بصری سے حضرت علی علیہ السلام کے متعلق سوال کیا گیا تو اس نے کہا کہ وہ اس امت کے ربانی، صاحب فضیلت، صاحب سابقت اور رسول خداؐ سے قرابت رکھنے والے تھے۔[1]

حذیفہ سے حضرت علیؑ کے بارے میں پوچھا گیا تو کہا: وہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اس امت کے سب سے بہتر و افضل ہیں اور اس میں سوائے منافق کے کوئی شک نہیں کرتا۔

سئل حذیفه عن علی علیہ السلام فقال خیر هذه الامه بعد نبیها ولا یشك فیه الّا منافق۔[2]

حضرت جابر بن عبد اللہ نے حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ وہ خیر البشر تھے۔[3]

عبد اللہ نے کہا: أعلم أهل المدینة بالفرائض علی بن ابی طالب؛ مدینہ والوں میں فرائض کی نسبت سب سے اِعلم (سب سے زیادہ جاننے والے) علی بن ابی طالب ہیں۔[4]

۱۔ الاستیعاب، ج ۲، ص ۵۳۔ ۵۴۔

۲۔ مناقب علی ابن ابی طالب وما نزل من القرآن فی علیٍ، لابن مردویہ، ص ۱۱۱۔

۳۔ مناقب علی بن ابی طالب لابن مردویہ، ص ۱۱۰۔

۴۔ الاستیعاب، ج ۲، ص ۵۱۔

نوٹ: مدینہ کا نام اس لیے آیا ہے کہ اس وقت مدینہ اسلام کا مرکز تھا۔ نیز عبداللہ نے کہا ہے کہ ہم گفتگو کرتے تھے کہ اہل مدینہ میں سب سے افضل علی بن ابی طالب ہیں۔

كنا نتحدث أن أقضى اهل المدينة علي بن ابي طالب۔ (۱)

ام المومنین عائشہ کا بیان ہے کہ اِما انہ لاعلم الناس بالسنۃ؛ آگاہ رہو کہ وہ (علیؑ) سنت کی نسبت سب لوگوں سے اعلم ہیں۔ (۲)

عبدالملک بن اِبی سلیمان نے کہا کہ میں نے عطا کو کہا کیا اصحاب محمدؐ میں کوئی، علیؑ سے اعلم ہے تو اس نے کہا خدا کی قسم! میں کسی کو نہیں جانتا۔

عن عبد الملك بن أبي سليمان قال قلت لعطاء أكان في اصحاب محمد أحد أعلم من عليٍ، قال لا و الله ما أعلمه۔ (۳)

یحییٰ بن سعید بن مسیب نے کہا لوگوں میں سوائے علی ابن ابی طالبؑ کے کسی نے سلونی کا دعویٰ نہیں کیا۔

ما كان أحد من الناس يقول سلوني غير علي بن ابي طالب(ع)۔ (۴)

۱۔ الاستیعاب، ج ۲، ۵۰؛ اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ص ۱۰۰۔
۲۔ الاستیعاب، ج ۲، ص ۵۰؛ فرائد السمطین، ج ۱، ص ۳۶۸۔
۳۔ الاستیعاب، ج ۲، ص ۵۰۔
۴۔ الاستیعاب، ج ۲، ص ۵۰؛ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۱۳۰۔۱۳۱؛ اِسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، ص ۱۰۰۔

معاویہ اپنی عداوت کے باوجود بھی اپنی مجبوری کی وجہ سے حضرت علی علیہ السلام سے مسائل پوچھتا تھا چونکہ حضرت علی علیہ السلام کے علاوہ مسائل کا کوئی حل نہیں تھا۔ جب معاویہ کو، حضرت علیؑ کی شہادت کی خبر پہنچی تو کہا ابو طالب کے بیٹے کی موت کے ساتھ فقہ اور علم بھی چلا گیا ہے۔ ذھب الفقہ و العلم بموت ابن أبی طالب۔[۱]

محمد بن منصور طوسی کہتا ہے کہ میں نے احمد بن حنبل سے سنا وہ کہہ رہے تھے اصحاب محمدؐ میں جتنے فضائل علی بن ابی طالبؑ کے نقل ہوئے ہیں اتنے فضائل کسی کے نہیں ہیں۔

محمد بن منصور الطوسی یقول سمعت احمد بن حنبل یقول ما جاء لاحد من اصحاب رسول اللہ ﷺ من الفضائل لعلی بن أبی طالب رضی اللہ عنہ۔[۲]

اور ابن عبد البر نے استیعاب میں تحریر کیا ہے کہ احمد بن حنبل اور اسماعیل بن اسحاق قاضی نے یہ اعتراف کیا ہے کہ جتنے فضائل حسان اسانید کے ساتھ

۱۔ الاستیعاب، ج ۲، ص ۵۳۔

۲۔ المستدرک حاکم، ج ۳، ص ۱۰۷؛ تہذیب التہذیب عسقلانی، ج ۷، ص ۳۳۹؛ الاستیعاب، ج ۲، ص ۵۶؛ شواہد التنزیل، ج ۱، ص ۱۹؛ ترجمہ الامام علی بن ابی طالب من تاریخ دمشق لابن العساکر، ج ۳، ص ۸۳؛ اسمی المناقب فی تہذیب اِسنی المطالب فی مناقب الامام اِمیر المومنین علی بن ابی طالب، تالیف محمد جزری شافعی دمشقی، ص ۱۹؛ فرائد السمطین، ج ۱، ص ۳۷۹؛ تاریخ الاسلام (ذہبی) حوادث سن ۱۱۔ ۴۰ (علی بن ابی طالب) ص ۶۳۸ و کتب دیگر۔

علی بن ابی طالب کے روایت ہوئے اتنے فضائل، صحابہ میں سے کسی کے نقل نہیں ہوئے۔ اور اسی طرح احمد بن شعیب بن علی نسائی نے بھی کہا ہے۔

اہل سنت کے حافظ گنجی اپنی کتاب میں [1] حدیث منزلت کے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں حضرت ہارون، حضرت موسی علیہ السلام کی امت کے سب سے افضل شخص تھے پس اس نصّ صریح کے تحفظ کی وجہ سے ثابت ہے کہ حضرت علی علیہ السلام بھی پوری امت محمدؐ سے افضل ہوں۔

خلاصہ یہ کہ حضرت علی علیہ السلام، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد پوری امت سے ہر حوالے سے افضل ہیں افضل اور اعلم کے ہوتے ہوئے مفضول کو امامت وخلافت میں کیسے مقدم کیا جاسکتا ہے؟ ذرا عقل سے کام لو۔

امام اور خلیفہ کی سب شرائط، پیغمبر اسلامؐ کے بعد حضرت علی علیہ السلام میں پائی جاتی ہیں کیونکہ وہ حضورؐ کے بعد معصوم، منصوس من اللہ و رسولہ، اعلم الناس، اشجع الناس، أزهد الناس، قریشی و ہاشمی تھے۔

أزهد الناس، لوگوں میں سب سے بڑا زاہد علیؑ ہے۔

۱۔ کفایۃ الطالب، ص ۲۸۳۔

عمر بن عبد العزیز نے کہا: أزھد الناس فی الدنیا علی بن ابی طالب؛ دنیا میں سب سے بڑا زاہد علی بن ابی طالب ہیں۔ [1]

قبیصہ بن جابر نے کہا میں نے دنیا میں علی بن ابی طالب سے بڑھ کر کسی کو زاہد نہیں دیکھا۔

قال ما رأیت أزھد فی الدنیا من علی بن ابی طالب علیہ السلام۔ [2]

دلائل خلافت

آیات:

شیعہ کا عقیدہ ہے کہ حضور نے امت کی راہنمائی، ہدایت اور دین کی حفاظت کے لیے اپنا خلیفہ و جانشین مقرر فرمایا ہے اور وہ حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں جن کی خلافت و امامت کا کئی ایک مقامات و مناسبات پر اعلان فرمایا جن میں ایک مناسبت دعوت ذی العشیرہ تھی جسے یوم الدار سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ بعثت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جب تین سال گزر گئے تو حضورؐ کو کھل کر دعوت اسلام کرنے کا حکم ہوا۔

۱۔ ترجمہ الامام علی بن ابی طالب من تاریخ دمشق، ج ۳، ص ۲۵۲، ح ۱۲۶۹؛ المناقب خوارزمی، ص ۱۱۷، ح ۱۲۸؛ تاریخ الاسلام، ذہبی (ذکر علی بن ابی طالب) ص ۶۴۵۔

۲۔ المناقب خوارزمی، ص ۱۲۲، ح ۱۳۷۔

آیت اول: ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾[1] اور پیغمبرؐ آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیں۔

حضورؐ نے اپنے خاندان کے بزرگوں کی دعوت کی جن کی تعداد چالیس کے قریب تھی جب وہ اکٹھے ہوئے تو انہیں فرمایا میں تمہارے لیے دنیا و آخرت کی خیر و نیکی لایا ہوں پروردگار نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمہیں اس کی طرف دعوت دوں؛ ایکم یوازرنی علی ھذا الامر علی ان یکون اخی و وصی و خلیفتی فیکم۔ یعنی تم میں کون اس کام میں میری مدد کرے گا تاکہ وہ میرا بھائی، میرا وصی اور تم میں میرا خلیفہ ہو؟ حضورؐ نے تین بار اس جملہ کو دہرایا، ہر بار کسی نے حضرت علی علیہ السلام کے سوا حضورؐ کی بات کا جواب نہ دیا۔ حضرت علیؑ نے عرض کیا: انا یا نبی اللہ اکون وزیرك علیه؛ اے اللہ کے نبی! میں اس کام میں آپ کا وزیر اور مددگار بنوں گا۔ حضورؐ نے ان کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: ان ھذا اخی و وصی و خلیفتی فیکم[2]۔ بے شک یہ تمہارے درمیان میرا بھائی، میرا وصی اور میرا خلیفہ ہے۔

۱۔ سورہ شعراء، آیت ۲۱۴۔

۲۔ تاریخ طبری، ج۱، ص ۵۴۳، طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت؛ الکامل فی التاریخ، ج۲ ص ۶۳ و کتب دیگر۔

مخفی نہ رہے کہ اس واقعہ کو بہت سے مؤرخین، مفسرین اور محدثین نے اپنی کتب میں نقل کیا ہے[1]۔ بعض نے تفصیل کے ساتھ اور بعض نے اختصار و اجمال کے ساتھ، بعض نے واقعہ کے ذیل کو حذف کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اگر سب عبارات کو نقل کیا جائے تو ایک مستقل رسالہ تیار ہو جائے گا۔ ہمارا مقصد یہاں واقعہ کی تفصیل کو بیان کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ اس واقعہ میں محل شاہد، فرمان رسالتؐ کو بیان کرنا مقصود ہے کہ حضورؐ نے اپنی پہلی اعلانیہ تبلیغ میں ان ھذا اخی و وصی و خلیفتی فیکم کہہ کر خلافت حضرت علی علیہ السلام کا بھی اعلان کر دیا تھا۔ فھو المطلوب۔ اور یہ حدیث، حدیث دار کے نام سے معروف ہے البتہ بعض نے وصی و خلیفتی کے الفاظ کو حذف کرکے اس کی جگہ کذا و کذا کو نقل کرکے اپنی خیانت کا ثبوت دیا ہے۔

۱۔ تفسیر در منثور، ج۵، ص ۹۷؛ تفسیر طبری، ج۱۹، ص ۷۴؛ تفسیر ابن کثیر، ج۳، ص ۱۳۶۴؛ تفسیر معالم التنزیل، ج۴، ص ۱۶۱؛ شواہد التنزیل، ج۱، ص ۳۷۲ و ۴۲۰؛ تذکرۃ الخواص، ص ۳۸؛ مسند احمد، ج۱، ص ۱۱۱؛ ترجمہ الامام علی بن ابی طالب من تاریخ دمشق لابن العساکر الشافعی، ج۱، ص ۱۰۲؛ السیرۃ الحلبیہ، ج۱، ص ۲۸۶؛ ینابیع المودۃ، ص ۱۰۵؛ کفایۃ الطالب، ص ۲۰۵؛ تاریخ ابی الفداء، ج۱، ص ۱۱۹؛ کنز العمال، ج۱۳، ص ۱۱۴۔ ۱۲۹؛ مناقب علی بن ابی طالب ومانزل من القرآن فی علیٍ۔ لابن مردویہ، ص ۲۹۰ و کتب دیگر۔

آیت دوم:

﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ﴾ [۱] بتحقیق تمہارا ولی فقط اللہ ہے اور اس کا رسول اور وہ صاحبان ایمان جو قائم کرتے ہیں نماز کو اور دیتے ہیں زکوۃ کو درحالیکہ رکوع میں ہوتے ہیں۔

ائمہ اہل بیت علیہم السلام اور سب شیعہ علماء کے نزدیک یہ آیت حضرت علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے اور اہل سنت کے مفسرین کے نزدیک یہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے [۲]۔ جب انہوں نے رکوع کی حالت میں زکوۃ (صدقہ) دی۔ اور آلوسی بغدادی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں غالب اخباریین کے نزدیک یہ آیت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں نازل

۱۔ سورۃ المائدہ، آیت ۵۵۔

۲۔ تفسیر کبیر رازی، ۱۲/ ۲۶، طبع دار احیاء التراث العربی بیروت، در منثور سیوطی ۳/ ۱۰۵، طبع دار الفکر بیروت، فتح القدیر شوکانی، ۲/ ۵۰؛ تفسیر ابن کثیر دمشقی، ۲/ ۴۷ طبع دار المعرفۃ بیروت؛ تفسیر کشاف، ۱/ ۳۴۷، طبع دار المعرفۃ بیروت؛ تفسیر مظہری، ۳/ ۱۳۲؛ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان؛ تفسیر بیضاوی، ۱/ ۲۷۲، طبع دار الکتب العلمیۃ؛ تفسیر خازن، ۱/ ۴۶۸، طبع دار الفکر؛ تفسیر طبری، ۶/ ۱۶۵، طبع مصر؛ تفسیر نسقی برحاشیہ تفسیر خازن، ۱/ ۴۶۸؛ بحر المحیط ۳/ ۵۱۳، دار احیاء التراث العربی بیروت؛ تفسیر غرائب القرآن نیشاپوری برحاشیہ تفسیر طبری ۴/ ۱۶۷۔۱۶۸ و کتب دیگر۔

ہوئی ہے[1] اور شیعہ کے نزدیک بالاتفاق یہ آیت حضرت علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

حضرت ابوذر کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن نماز ظہر حضورؐ کے ساتھ پڑھی ایک شخص نے مسجد میں آکر سوال کیا لیکن سائل کو کسی نے کچھ نہ دیا، سائل نے آسمان کی طرف ہاتھ بلند کیئے اور عرض کیا خداوندا! تو گواہ رہنا کہ میں نے اللہ کے رسول کی مسجد میں سوال کیا ہے اور مجھے کسی نے کچھ نہیں دیا اور حضرت علیؑ اس وقت (نافلہ نماز کے) رکوع میں تھے انہوں نے اپنے ہاتھ کی چھوٹی انگشت سے اشارہ کیا جس میں انگوٹھی تھی سائل بڑھا اور اس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے انگوٹھی لے لی، حضورؐ نے یہ منظر دیکھ کر بارگاہ الٰہی میں عرض کیا خدایا! میرے بھائی موسیٰ نے تجھ سے سوال کیا تھا اور کہا تھا ﴿قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِنْ لِسَانِي يَفْقَهُوا قَوْلِي وَاجْعَلْ لِي وَزِيرًا مِنْ أَهْلِي هَارُونَ أَخِي اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي﴾[2]

پروردگار میرے سینے کو کشادہ کردے میرے کام کو آسان کردے اور میری زبان کی گرہ کو کھول دے کہ یہ لوگ میری بات سمجھ سکیں اور میرے اہل میں

۱۔ روح المعانی، جزء ۶، ص ۱۶۷، طبع دار احیاء التراث العربی بیروت۔

۲۔ سورہ طہ، آیات ۲۵ تا ۳۲۔

سے میرا وزیر قرار دیدے ہارون کو جو میرا بھائی بھی ہے اس سے میری پشت کو مضبوط کردے اسے میرے کام میں شریک بنادے۔

تو نے موسی کے جواب میں قرآن ناطق کی یہ آیت نازل فرمائی:

﴿قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطَانًا﴾ (۱)

ہم عنقریب تمہارے بازو کو تمہارے بھائی کے ذریعہ مضبوط بنادیں گے تم دونوں کو غالب کردیں گے۔

(حضورؐ نے درگاہ الٰہی میں عرض کیا) اللهم أنا محمد نبيك و صفيك فاشرح لی صدری و يسر لی أمری و اجعل لی وزيراً من أهلی عليا اشدد به ظهری قال أبو ذر فو الله ما اتّم رسول الله هذه كلمة حتى نزل جبرئيل فقال يا محمد اقرأ ﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللهُ وَ رَسُولُهُ وَ الَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلاةَ وَ يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَ هُمْ رَاكِعُون﴾

اے اللہ میں محمد تیرا نبی اور تیرا برگزیدہ بندہ ہوں میرے سینہ کو کشادہ فرما، میرے امر تبلیغ کو آسان بنادے اور میرے اہل سے میرے بھائی علی کو میرا وزیر بنااور اس کے ذریعہ میری کمر کو مضبوط بنا۔

۱۔ سورہ قصص، آیت ۳۵۔

ابوذر کا بیان ہے کہ خدا کی قسم! ابھی رسول خدا ﷺ کے (دعا کے) الفاظ ختم نہ ہونے پائے تھے کہ جبرئیل یہ آیت لے کر نازل ہوا، کہا: اے محمدؐ پڑھیں انما ولیکم اللہ و رسولہ تا آخر آیت۔ (۱)

مخفی نہ رہے کہ مقام میں اہلسنت کے مفسرین نے متعدد روایات کو ذکر کیا ہے جن میں بعض کی سند بلا اشکال ہے کما فی تفسیر ابن کثیر اور دیگر بعض انہی کی موید ہیں (۲) لہٰذا سندی حوالے سے یہاں کوئی اشکال نہیں پایا جاتا۔

دلالت کے حوالے سے بھی منصف مزاج کے لیے مسئلہ واضح ہے کیونکہ لفظ ولی سے متبادر معنی اولی بالتصرف، سرپرست اور حاکم ہے اور مقام میں انما حصریہ ہے جو ولی بمعنی دوست کی نفی کر رہا ہے چونکہ حضور کا خدا سے اپنے وزیر کے بارے میں سوال کرنا اور آیت کا نازل ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہاں ولی بمعنی حاکم ہے اور کلمہ زکوۃ سے مراد مقام میں صدقہ نافلہ ہے۔ جس کی کئی ایک علماء اہل سنت نے تصریح کی ہے۔ (۳)

نیز جمع کے صیغوں کا استعمال فرد واحد کے لیے قرآن میں اور کلام عرب میں بطور تعظیم پایا جاتا ہے جیسا کہ سورہ مومنون کی آیت ۵۱ میں رسل، کلوا، و

۱۔ تفسیر کبیر، ۱۲/ ۲۶، طبع دار احیاء التراث العربی بیروت و کتب دیگر۔
۲۔ تفسیر المنیر فی العقیدۃ والشریعۃ والمنہج جزء سادس، س ۲۳۲، طبع دار الفکر۔
۳۔ احکام القرآن ابوبکر رازی، ج ۲/ ۴۴۶ و کتب دیگر۔

اعملوا، تعلمون۔ جمع کے صیغے استعمال ہوئے ہیں حالانکہ نزول آیت کے وقت مکہ میں صرف ایک رسول ہمارے نبیؐ ہیں نیز آیہ مباہلہ میں فرد واحد کے لیے جمع کے صیغے آئے ہیں نیز سورہ آل عمران کی آیت ۳۹ میں الملائکہ جمع کا صیغہ صرف جبرائیل کے لیے ان کی تعظیم و شان کی خاطر آیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس طرح کااستعمال کلاب عرب میں بکثرت پایاجاتا ہے۔

اہل سنت کے مفسر زمخشری نے اپنی تفسیر کشاف ج۱/ ۷ ۲۴ پر یوں جواب دیا ہے جئی بہ علی لفظ الجمع واِن کان السبب فیہ رجلاً واحداً لیرغب الناس فی مثل فعلہ فینالوا مثل ثوابہ۔

سبب نزول صرف (علیؑ) ہیں مگر ان کے واسطے جمع کا لفظ اس وجہ سے لایا گیاہے کہ لوگوں کو ایسے نیک کام کرنے کی رغبت پیدا ہو تاکہ وہ حضرت علیؑ کی طرح ثواب حاصل کریں۔

انگوٹھی کا رکوع کی حالت میں عطا کرنا یہ فعل کثیر نہیں ہے[1] جو کہ نماز کے لیے مبطل ہوتا ہے۔

امیرؑ کا نماز کی حالت میں انگوٹھی کا دینا یہ خشوع و خضوع سے بھی منافاۃ نہیں رکھتا اور ان کی توجہ پورے خضوع و خشوع کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں تھی سائل کی آواز بھی بارگاہ الٰہی میں جب پہنچی تو وہاں یہ آواز سن کر اس غرض کے ساتھ

۱۔ تفسیر کشاف۱/ ۷ ۳۴، طبع دارالمعرفۃ بیروت، تفسیر مظہری، تالیف قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی، ج۳/ ۱۳۲۔

کہ مسجد رسول سے سائل خالی نہ پلٹے انہوں نے انگوٹھی سائل کو دے دی تو یہ فعل عبادۃٌ فی العبادۃ عبادت کے اندر اور عبادت ہے۔

اگرچہ ولی کے متعدد معانی، محب، ناصر، صدیق وغیرہ نقل ہوئے ہیں لیکن مقام میں یہ معانی مناسبت نہیں رکھتے۔

ولی کا معنی آیت میں اولی بالتصرف ہے جو کہ اس لفظ سے متبادر ہے۔ ہذا اولاً

و ثانیاً: آیت میں کلمہ انما حصر کا ہے جو ولی بمعنی دوست کی نفی کر رہا ہے کیونکہ قرآن فرماتا ہے﴿ وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ﴾ (سورہ توبہ، آیت ۷۱)۔ چونکہ مومنین ایک دوسرے کے پہلے سے دوست بلکہ بھائی تھے۔

و ثالثاً: انما ولیکم یہ خطاب سب کے لیے ہیں چاہے وہ نیک ہوں یا بد۔ یہاں خطاب کا عموم، اس بات سے مانع ہے کہ ولی بمعنی دوست ہو کیونکہ خدا اور رسول بدکاروں کو دوست نہیں رکھتے۔

رابعاً: خود آیت کی شان نزول کی بعض روایات میں تصریح موجود ہے کہ ولی سے مراد، اولی بالتصرف، حاکم اور سرپرست مراد ہے۔ کما لا یخفی

وخامساً: سنن ترمذی[۱] جو کہ صحاح ستہ سے ہے اس میں یہ روایت موجود ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا: علی منّی و انا منہ وھو ولی کل مؤمن بعدی؛ علی مجھ سے ہیں اور میں علیؑ سے ہوں اور وہ میرے بعد ہر مومن کے ولی ہیں۔

یہاں روایت میں کلمہ بعدی، ولی بمعنی دوست کی تردید کر رہا ہے چونکہ حضرت علی علیہ السلام، پیغمبر اسلامؐ کے زمانے میں بھی دوست تھے اگر ولی بمعنی دوست تسلیم کیا جائے تو لازم آئے گا کہ علی علیہ السلام، حضورؐ کے زمانہ میں، مومنین کے دوست نہیں تھے حالانکہ بنص قرآن، مومنین ایک دوسرے کے دوست ہیں۔[۲]

اور ابن مردویہ کی روایت میں فھو أولی الناس بکم بعدی کے الفاظ بھی موجود ہیں۔[۳]

خلاصہ یہ کہ آیت ولایت میں اور مذکورہ حدیث میں ولی بمعنی اولی بالتصرف، حاکم و سرپرست کے ہیں جیسا کہ اس لفظ سے متبادر بھی یہی ہے جیسا

۱۔ سنن ترمذی، ج۵، ص ۲۹۶؛ خصائص امیر المومنین (نسائی) ص ۸۷ و (ص ۹۷ پر وھو ولیکم بعدی کے الفاظ بھی موجود ہیں)، تذکرۃ الخواص، ج۱، ص ۲۸۳ مطبع لیلیٰ؛ کفایۃ الطالب ص ۱۱۵؛ مستدرک حاکم، ج ۳، ص ۱۱۰؛ مناقب علی بن ابی طالب لابن المغازلی، ص ۱۸۶؛ المناقب خوارزمی، ص ۱۵۳؛ میزان الاعتدال، ذہبی، ج۱، ص ۴۱۰؛ کنزالعمال، ج ۱۳، ص ۱۴۲ و کتب دیگر۔

۲۔ سورہ توبہ، آیت ۷۱۔

۳۔ مناقب علی بن ابی طالب لابن مردویہ، ص ۱۱۹ و کتب دیگر۔

کہ نکاح کے وقت کہا جاتا ہے بچی کے ولی کو بلاؤ۔ اور اسی طرح ولی الدم، ولی الیتیم وغیرہ کے اطلاق سے بھی یہی معنی متبادر ہوتا ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام اس آیت ولایت "انما ولیکم اللہ و رسولہ و الذین امنوا الخ" کے بارے میں ایک طولانی روایت میں فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امامؑ نے فرمایا یہودیوں کا ایک گروہ جن میں عبد اللہ بن سلام، وثعلبۃ و ابن یامین و ابن صوریا بھی تھے اسلام لائے۔ اور حضور کی خدمت میں پہنچ کر عرض کرتے ہیں یا نبی اللہ، حضرت موسیٰ نے اپنے بعد کے لیے حضرت یوشع بن نون کو اپنا وصی بنایا؛ فمن وصیك یا رسول اللہ، یا رسول اللہ آپ کا وصی کون ہے؟ اور و مَن ولینا بعدك؛ آپ کے بعد ہمارا حاکم کون ہے تو یہ آیت ﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللهُ وَ رَسُولُهُ وَ الَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَ هُمْ رَاكِعُون﴾ نازل ہوئی۔ حضورؐ نے فرمایا: اٹھو (میرے ساتھ آؤ) وہ مسجد میں آئے تو ایک سائل مسجد سے نکل رہا تھا حضورؐ نے فرمایا: هل اعطاك أحد شیئاً؟ کیا کسی نے تجھے کچھ عطا کیا ہے؟ کہا جی ہاں، یہ انگوٹھی ملی ہے، فرمایا کس نے عطا کی ہے؟ کہا: وہ شخص جو نماز پڑھ رہا ہے، فرمایا: کس حالت میں عطا کی ہے؟ کہا: رکوع کی حالت میں تو حضورؐ نے تکبیر کہی اور حاضرین مسجد نے بھی تکبیر بلند کی۔

حضورؐ نے فرمایا: علیؑ ولیکم بعدی؛ میرے بعد تمہارا ولیّ (حاکم) علیؑ ہے انہوں نے کہا رضینا باللہ ربّا و بمحمد نبیاً و بعلی بن ابی طالب ولیاً۔
کہ ہم اللہ کی ربوبیت اور محمد کی نبوت اور علی بن ابی طالب کی ولایت وحاکمیت پر راضی ہیں تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿وَمَنْ يَتَوَلَّ اللهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللهِ هُمُ الْغَالِبُونَ﴾[1]۔[2]

اور جو بھی اللہ، رسول اور صاحبان ایمان کو اپنا سرپرست بنائے گا تو اللہ ہی کی جماعت غالب آنے والی ہے۔
نتیجہ: پس یہ آیت حضرت علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے اور نزول کے وجوہات میں سے ایک وجہ عبد اللہ بن سلام کا سوال ہے کہ آپ کا وصی کون ہے؟ اہل سنت کا یہ روایت اپنی کتب میں لکھنا کہ عبد اللہ بن سلام نے کہا: جب سے ہم اسلام لائے ہیں ہماری قوم نے ہمارا بائیکاٹ کر دیا ہے اور اس مجلس، (یعنی مجلس النبیؐ) کے علاوہ اور ہماری کوئی مجلس نہیں ہے یعنی آپؐ کے سوا اور ہمارا کوئی سہارا نہیں ہے۔

۱۔مائدہ، آیت ۵۶۔
۲۔ تفسیر برہان، ۱/ ۴۸۰؛ تفسیر المیزان، ۶/ ۱۶۔۱۷ مختصر تفاوت کے ساتھ؛ مناقب علی بن ابی طالب وما نزل فی القرآن فی علیٍ، لابن مردویہ، ص ۲۳۷، ناشر دار الحدیث؛ المناقب خوارزمی، ص ۲۶۴، ۲۶۵؛ تفسیر در منثور، ج ۲، صً ۲۹۳ (مضمون فوق)؛ فرائد السمطین، ج ۱، ص ۱۹۰، ۱۹۳ و کتب دیگر۔

تو یہ روایت بھی مذکرہ روایت کے صدق کی شہادت دے رہی ہے کہ یا رسول اللہؐ اب تو آپ موجود ہیں اور آپ کا ہمیں سہارا ہے لیکن فرمائیں آپؐ کے بعد آپ کا ولی و جانشین کون ہے تاکہ وہ ہمارے حاکم اور ولی ہوں۔

ضمناً سیاق آیات کا اشکال بھی یہاں پر رفع ہو جاتا ہے چونکہ یہ سب آیات ایک دفعہ نازل نہیں ہوئیں اور نزول آیات کے وجوہات بھی مختلف ہیں چونکہ ممکن ہے سورہ مائدہ کی آیت ۵۱ طبق نظر مفسرین اہل سنت کے عبادۃ بن صامت اور اس کے ساتھی کے بارے میں نازل ہوئی ہو اور اس مناسبت سے منافقین کی مذمت آئی ہے اور آیت نمبر ۵۴ میں خداوند متعال فرماتا ہے کہ اگر تم دین سے پھر بھی جاؤ تو خدا کو کوئی پرواہ نہیں وہ ایک قوم لائے گا جس کو وہ دوست رکھتا ہوگا اور وہ اس کو دوست رکھتے ہوں گے (مع بقیہ صفات کہ جو آیت میں مذکور ہیں)

اور آیت نمبر ۵۵ کے نزول کی وجہ عبد اللہ بن سلام کا حضورؐ سے وصیّ کے بارے میں استفسار ہو کہ آپؐ کے بعد ہمارا ولیّ و سرپرست و امام کون ہے؟ تو یہ آیت نازل ہوئی اور اسی مناسبت سے جو اللہ اور اس کے رسول اور مومنین یعنی حضرت علیؑ کو اپنا ولی مانے وہی غالب ہیں یہ آیت نمبر ۵۶ نازل ہوئی اس مطلب پر شاہد روایات ہیں، کما لا یخفی۔

یہ کیسے مانا جائے کہ عبد اللہ بن سلام، وصی کے بارے میں سوال کرے کہ آپؐ کا وصی کون ہے جو کہ آپ کے بعد ہمارا حاکم ہو اور خدا جواب میں فرمائے کہ تمہارا دوست خدا، رسول اور مومنین (با صفات مذکورہ در آیت) ہیں۔ جواب، سوال کی مناسبت سے ہوتا ہے۔

نیز یہ بات بھی روشن ہو گئی کہ آیت کے نزول کا موجب عبد اللہ بن سلام کا سوال تھا کہ آپ کا وصی کون ہے۔ نہ یہ کہ یہ آیت عبد اللہ بن سلام کی شان میں نازل ہوئی فافهم جیدا۔ چونکہ حضرت علیؑ کے علاوہ صحابہ میں سے کسی اور کی شان میں یہ آیت نازل نہیں ہوئی اور کسی معتبر روایت میں یہ نہیں ہے کہ ابو بکر نے رکوع کی حالت میں زکوۃ دی ہو۔

آیت سوم

ارشاد ربّ العزت ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الأَمْرِ مِنْكُمْ﴾[1]

اے ایمان والو خدا کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور صاحبان امر کی اطاعت کرو۔ ہم سب شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اولی الامر سے مراد ائمہ اثنا عشر بارہ معصوم امام ہیں حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری نے رسول خداؐ سے اولی الامر کے بارے میں سوال کیا کہ ہمیں حکم ہے کہ ہم اولی الامر کی اطاعت کریں

۱۔ نساء، آیت ۵۹۔

وہ کون ہیں؟آپؐ نے فرمایا وہ میرے بعد خلفاء ہیں جن میں پہلا میرا بھائی علیؑ ہے ان کے بعد حسنؑ اور حسینؑ پھر علی بن الحسین پھر محمد باقر، اے جابر آپ ان سے ملاقات کریں گے جب ملاقات کریں تو میرا ان کو سلام پہنچا دینا، ان کے بعد جعفر صادق ان کے بعد موسیٰ کاظم ان کے بعد علی رضا ان کے بعد محمد جواد ان کے بعد علی ہادی ان کے بعد حسن عسکری ان کے بعد قائم منتظر مہدیؑ۔ میرے بعد یہ امام ہوں گے۔ [۱]

نیز اہل سنت کے علماء نے بھی اسی مضمون کی روایت کو اپنی کتب میں ذکر کیا ہے۔ چنانچہ محدث جوینی نے اپنی کتاب [۲] میں ایک طویل روایت نقل کی ہے جس میں آیت اطاعت و ولایت اور آیت ام حسبتم أن تترکوا ولما یعلم اللہ الذین جاھدوا منکم ولم یتخذوا من دون اللہ الخ کی تفسیر کے بارے میں لوگوں نے حضورؐ سے پوچھا کیا یہ خاص ہے یا عام تو حضورؐ نے اس کی تفسیر فرمائی اور غدیر پر بارہ اماموں کا ذکر فرمایا جن میں پہلے علیؑ پھر حسن اور حسین پھر حسینؑ کی اولاد سے نو امام ہیں قرآن ان کے ساتھ ہے اور وہ قرآن کے ساتھ ہیں وہ قرآن سے جدا نہیں ہوں گے اور قرآن ان سے جدا نہیں ہوگا یہاں تک کہ حوض کوثر پر پہنچیں۔

۱۔اعلام الوریٰ بأعلام الہدیٰ، ج۲/ ۱۸۱۔ ۱۸۲؛ کمال الدین و تمام النعمۃ، ص ۲۵۳۔

۲۔فرائد السمطین، ج۱، ص ۳۱۴۔ ۳۱۵؛کتاب الولایۃ، ص۱۹۹(قریب بہ ہمین مضمون اختصار کے ساتھ)۔

فی المناقب عن الحسن بن صالح عن جعفر الصادق علیہ السلام فی هذه الآیة قال اولوا الامرهم الائمة من أهل البیت۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اس آیت میں اولی الامر سے مراد اہل بیت میں سے ائمہ طاہرین ہیں۔ [1]

حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا میرے بعد بارہ امام ہیں ان میں پہلے علی بن ابی طالب اور آخری قائم (امام مہدیؑ) ہیں یہ میرے خلیفہ، وصی اور مددگار ہیں میرے بعد میری امت پر اللہ کی حجت ہیں۔ جو ان کی امامت وخلافت کا اقرار کرے گا وہ مومن ہے اور جو ان کا منکر ہو گا وہ کافر ہو گا۔

قال الصدوق بِاسنَادِهِ عن علی (ع) قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ص الْأَئِمَّةُ بَعْدِی اثْنَا عَشَرَ أَوَّلُهُمْ عَلِیُّ بْنُ أَبِی طَالِبٍ وَ آخِرُهُمُ الْقَائِمُ فَهُمْ خُلَفَائِی وَ أَوْصِیَائِی وَ أَوْلِیَائِی وَحُجَجُ اللهِ عَلَى أُمَّتِی بَعْدِی الْمُقِرُّ بِهِمْ مُؤْمِنٌ وَ الْمُنْكِرُ لَهُمْ كَافِرٌ۔ [2]

شیخ صدوق اپنی کتاب فقیہ میں لکھتے ہیں قوی اسناد کے ساتھ صحیح روایات میں آیا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کے حکم کے ساتھ علی بن ابی طالب کو (اپنا) وصی بنایا اور انہوں نے حسن کو اور حسن نے حسین کو اور انہوں نے علی بن حسین کو انہوں نے محمد باقر کو انہوں نے جعفر صادق کو انہوں نے موسی

۱۔ ینابیع المودة، الجزء الاول، ص ۱۳۵، طبع بیروت باب ۳۸۔

۲۔ اثبات الہداۃ، ج۱/ ۴۷۶۔

کاظم کو انہوں نے علی رضا کو اور انہوں نے محمد (تقی) کو انہوں نے علی (نقی) کو انہوں نے اپنے بیٹے حسن (عسکری) کو انہوں نے اپنے بیٹے حجۃ اللہ القائم بالحق یعنی حضرت مہدی کو اپنا وصی بنایا۔ وہ مہدی اگر دنیا سے ایک دن بھی باقی رہ گیا تو خدا اس دن کو اتنا طولانی کر دے گا یہاں تک کہ وہ خروج کریں اور دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دیں جیسے وہ ظلم وجور سے بھر چکی ہوگی۔[1]

محدث حر عاملی نے اپنی کتاب اثبات الہداۃ ج ۱ میں آئمہ علیہم السلام کی امامت پر شیعہ وسنی کی کتب سے بارہ سو سے زائد نصوص کو ذکر کیا ہے اور کتاب مذکور کی جلد دوم میں امیر المومنین علی علیہ السلام کی امامت وخلافت پر شیعہ کتب سے ایک ہزار انیس احادیث اور اہل سنت کی کتب سے پانچ سو سے زائد حدیثوں کو ذکر کیا ہے۔ ان شئت التفصیل فراجع هناك۔

ائمہ اثنا عشر کی امامت وخلافت کی نصوص کے بارے میں درج ذیل کتب کی طرف نیز رجوع فرما سکتے ہیں۔ کافی والروضہ کلینی، کتاب الغیبۃ نعمانی، امالی صدوق، عیون اخبار الرضا، کمال الدین وتمام النعمۃ، وکفایۃ الاثر مولفہ ابو القاسم علی بن محمد، الارشاد مفید، بحار الانوار مجلسی وغیر ذلک۔

نوٹ مخفی نہ رہے کہ ہمارے بارہ اماموں کا ذکر اہل سنت کے علماء نے بھی اپنی کتب میں بعض نے تفصیل کے ساتھ اور بعض نے اجمال کے ساتھ ذکر کیا ہے

۱۔ اثبات الہداۃ، ج ۱/ ۴۶۵۔۴۶۶۔

جیسے علامہ گنجی نے اپنی کتاب کفایۃ الطالب، ابن صباغ مالکی نے اپنی کتاب فصول المہمہ، ملاں جامی نے اپنی کتاب شواہد النبوۃ اور علامہ شبلنجی نے اپنی کتاب نور الابصار اور ابن حجر نے اپنی کتاب صواعق محرقہ میں ذکر کیا ہے۔ و نیز در کتب دیگر۔

اہل سنت کے محدث جوینی نے اپنی کتاب فرائد السمطین کی جلدی دوم کے صفحہ ۱۳۳۔ ۱۳۴ پر ابن عباس کی مفصل روایت کو ذکر کیا ہے جس میں نعثل یہودی نے حضور اکرم ﷺ سے آپ کے وصی کے بارے میں سوال کیا کہ وہ کون ہے کیونکہ ہر نبی کا وصی ہوتا ہے تو آپؐ نے فرمایا: میرا وصی اور میرے بعد خلیفہ علی ابن ابی طالب ہیں اور ان کے بعد میرے نواسے حسن پھر حسین ہیں پھر حسینؑ کی نسل سے نو امام ابرار ہیں۔ یہودی نے عرض کیا آپ ان کے نام لیں تو آپ نے فرمایا: حسینؑ کے بعد ان کا بیٹا علی انکے بعد ان کا بیٹا محمد ان کے بعد ان کا بیٹا جعفر ان کے بعد ان کا بیٹا موسی ان کے بعد ان کا بیٹا علی ان کے بعد ان کا بیٹا محمد ان کے بعد ان کا بیٹا علی ان کے بعد ان کا بیٹا حسن اور ان کے بیٹے حجۃ ابن الحسن ہوں گے۔ یہ بارہ امام ہیں بنی اسرائیل کے نقباء کی تعداد کے مطابق ۔۔۔ پھر حضورؐ نے فرمایا کہ میری اولاد سے میرا بارہواں نائب لوگوں کی نظروں سے غائب ہو جائے گا اور میری امت پر ایسا زمانہ آئے گا کہ اسلام سے کوئی چیز باقی نہیں رہے گی صرف اسلام کا نام باقی رہ جائے گا اور قرآن کا صرف رسم الخط رہ جائے گا (کوئی تعلیمات قرآن پر عمل نہیں کرے گا) اس وقت اللہ

تعالیٰ ان کو خروج کی اجازت فرمائے گا پس وہ اسلام کو ظاہر کریں گے اور دین کی تجدید کریں گے۔

نیز محدث جوینی اسی کتاب کے صفحہ ۱۳۳پر ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں نے رسول خداؐ سے سنا وہ فرمارہے تھے کہ میں علی، حسن، حسین اور حسین کی اولاد سے نو (امام) پاکیزہ اور معصوم ہیں۔عن عبد الله بن عباس قال سمعت رسول الله(ص) يقول أنا و على و الحسن و الحسين و تسعة من ولد الحسين مطهرون معصومون۔

نیز اسی کتاب کے صفحہ ۱۳۷پر حدیث لوح کو ذکر فرمایا ہے جس میں ہمارے بارہ اماموں کا ذکر ہے۔ نیز صفحہ ۱۵۳، ۱۵۴پر ایک اور روایت میں بارہ اماموں کا ذکر فرمایا ہے نیز ص ۲۵۹پر ائمہ اثنا عشر کے بارے میں فرمان رسالت ہے کہ آپؐ نے فرمایا انہی ائمہ کے صدقے میں خدا بارش برساتا ہے اور انہی کی وجہ سے میری امت کی دعائیں قبول ہوتی ہیں انہی کی وجہ سے بلائیں دور ہوتی ہیں اور انہی کی وجہ سے خدا آسمان سے رحمت کو نازل کرتا ہے۔

آیت چہارم

﴿ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴾ (۱)

اے پیغمبر آپ اس حکم کو پہنچادیں جو آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور اگر آپ نے یہ کام نہ کیا تو گویا رسالت کو ہی نہ پہنچایا اور خدا آپ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا کہ اللہ کافروں کو ہدایت نہیں کرتا۔ حضورؐ کو خطرہ یہ تھا کہ کہیں لوگ خاندان دوستی کا الزام نہ لگادیں جس کے نتیجہ میں لوگ دین سے منحرف نہ ہو جائیں اور سب زحمات پر پانی نہ پھر جائے (۲)۔

یہ آیت مقام غدیر خم -جو کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان تھا- پر نازل ہوئی۔ اس واقعہ کا خلاصہ یہ کہ جب رسول خداؐ حجۃ الوداع سے فارغ ہو کر مدینہ کی طرف چلے تو مقام غدیر پر حضرت جبرائیل یہ آیت لے کر حضورؐ پر نازل ہوئے، دوپہر کا وقت تھا، شدید گرمی پڑ رہی تھی، صحابہ کی تعداد ایک لاکھ کے قریب یا اس سے کچھ زیادہ تھے۔ بعض نے ایک لاکھ چوبیس ہزار تعداد نقل کی ہے۔ جو اصحاب آگے گزر گئے تھے ان کو پیچھے بلایا گیا اور رجو پیچھے رہ گئے تھے ان کا انتظار کیا گیا۔

۱۔ سورہ مائدہ، آیت ۶۷۔

۲۔ تفسیر فتح القدیر، ج ۲، ص ۸۸، طبع دار الفکر، تفسیر در منثور سیوطی، ج ۲، ص ۲۹۸؛ شواہد التنزیل، ج ۱، ص ۱۸۷۔ ۱۹۲؛ تاریخ دمشق، ج ۴۲، ص ۲۳۷؛ الفصول المھمہ، ص ۲۵؛ فرائد السمطین، ج ۱، ص ۱۵۸ و کتب دیگر۔

ایک مخصوص منبر بنایا گیا اور منادی نے الصلوۃ جامعہ کی ندا دی۔ حضورؐ نے ایک عظیم خطبہ دیا جس میں حمد الٰہی کے بعد وعظ و نصیحت فرمائی۔ اور حضورؐ نے اپنی امت کو اپنی وفات کی خبر دی۔

پھر حضورؐ نے حضرت علی علیہ السلام کا بازو پکڑ کر بلند کرکے فرمایا: اے لوگوں کیا میں تمہارے نفسوں کا تم سے زیادہ اولی، مالک، بااختیار نہیں ہوں؟ سب نے کہا: بے شک اے اللہ کے رسول! آپ زیادہ مالک ہیں، تو حضورؐ نے فرمایا: من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ[۱]؛ جس کا میں سردار ہوں اس کا یہ علی بھی سردار ہے۔ اے اللہ جو اس کو دوست رکھے تو اس کو دوست رکھ اور جو اس سے دشمنی کرے تو اس کو دشمن رکھ۔

تو پھر حضرت علیؑ کے لیے بیعت لی گئی تو حضورؐ نے فرمایا: جو اس بیعت کو توڑے گا وہ اپنے لیے توڑے گا (یعنی اس کے نقصان اور ضرر کا وہ خود ذمہ دار ہوگا) اور جو اپنے عہد کئے ہوئے کو پورا کرے گا اور وفادار رہے گا اس کو اللہ عنقریب اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ حضورؐ نے اپنے خطبہ میں آیت ولایت ﴿انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین امنوا الخ﴾ کا حوالہ بھی دیا اور حدیث ثقلین کو بھی بیان فرمایا۔

۱۔ ارشاد شیخ مفید، ۱/ ۱۷۵۔ ۱۷۶؛ سنن ترمذی، ج۵، ص ۲۹۷؛ المستدرک علی الصحیحین، ج۳، ص ۱۱۰؛ مسند احمد ج۱، ص ۸۸؛ تفسیر کبیر فخر رازی، ج۳، ص ۶۳۶؛ ترجمہ الامام علی بن ابی طالب من تاریخ دمشق، ج۲، ص ۶۰؛ تفسیر در منثور ج۵، ص ۱۸۲ و کتب دیگر۔۔

رسول خداؐ نے حضرت علیؑ کے سرپر دستار باندھی، صحابہ نے حضرت علیؑ کو مبارک دی، عمر بن خطاب نے ان الفاظ میں مبارک باد دی: هنيألك يابن ابی طالب اصبحت مولای و مولا کل مومن و مومنة۔[1]

اور روایت کے مطابق بخٍ بخٍ لك یابن ابی طالب کے الفاظ کہے کہ اے ابوطالب کے بیٹے مبارک ہو کہ آپ میرے اور ہر مومنہ کے سردار ہوگئے ہو۔ ابو سعید خدری کا بیان ہے کہ ابھی ہم پلٹنے نہیں پائے تھے کہ یہ آیہ مبارک نازل ہوئی۔

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾[2]

آج میں نے تمہارے لیے دین کو کامل کر دیا ہے اور اپنی نعمتوں کو تمام کر دیا ہے اور تمہارے یے دین اسلام کو پسندیدہ بنا دیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہ آیت غدیر خم پر نازل ہوئی۔[3]

۱۔ تفسیر کبیر فخر رازی، ج۳، ص ۶۳۶؛ المناقب خوارزمی، ص ۱۵۵؛ فرائد السمطین، ج۱، ص ۶۵۔ ۷۱؛ ذخائر العقبی ص ۶۷؛ کنز العمال، ج۱۳، ص ۱۳۴؛ مسند احمد، ج۴، ص ۲۸۱؛ الفصول المهمہ ص ۲۴؛ تذکرۃ الخواص، ص ۲۹؛ کفایۃ الطالب، ص ۶۲؛ مناقب علی بن ابی طالب لابن المغازلی، ص ۳۷ و کتب دیگر۔

۲۔ سورہ مبارکہ المائدہ، آیت نمبر ۳۔ (ازالہ شبهہ) اہل سنت کی دیگر روایت کہ یہ آیت عرفہ میں نازل ہوئی ہے کو بھی اگر ملاحظہ کیا جائے تو مقام میں پھر بھی منافات نہیں رکھتی چونکہ ممکن ہے یہ آیت دو مرتبہ نازل ہوئی ہو ایک مرتبہ عرفہ میں اور ایک مرتبہ غدیر پر جیسا کہ ابن جوزی نے یہ احتمال دیا ہے۔ تذکرۃ الخواص، ج۱، ص ۲۶۵ باب ثانی اور ہمارے نزدیک اس آیت غدیر خم پر نازل ہونا مسلمات سے ہے۔

۳۔ ترجمہ الامام علی بن ابی طالب من تاریخ دمشق لابن العساکر الشافعی، ج۲، ص ۸۶؛ تذکرۃ الخوواص، ج۱، ص ۲۶۵؛ فرائد السمطین، ج۱، ص ۷۲، ۷۴، ۳۱۵؛ مقتل الحسین الخوارزمی، ص ۸۱؛ مناقب علی بن ابی

تو حضور نے نعرہ تکبیر بلند کیا دین کے کامل ہونے پر اور نعمت کے پورے ہونے پر اور اپنی رسالت اور اپنے بعد علیؑ کی ولایت سے اللہ کے راضی ہونے پر۔ (۱)

پھر مشہور شاعر حسان بن ثابت نے حضورؐ سے اجازت لے کر حضرت علی علیہ السلام کی شان میں قصیدہ پڑھا جس کا ایک شعر یہ تھا۔

فقال له قم یا علی فاننی

حضورؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا اے علیؑ اٹھ کھڑے ہو

رضیتك من بعدی اماما و هادیا

میں نے اپنے بعد تم کو امام و ہادی بنانا پسند کیا ہے

جیسا کہ مقتل الحسین للخوارزمی، ص ۸۱، فرائد السمطین، ج ۱، ص ۷۳، ۷۵؛ تذکرة الخواص، ج ۱، ص ۲۷۲ اور دیگر کتب میں منقول ہے۔

حدیث غدیر کو شیعہ و سنی محدثین نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے اور یہ حدیث صحیح بلکہ متواتر ہے (۲)۔ جس کا سوائے متعصب کے اور کوئی انکار نہیں

طالب لابن المغازلی، ص ۷۳؛ شواہد التنزیل، ج ۱، ص ۱۵۷۔ ۱۶۰؛ تفسیر در منثور، ج ۲، ص ۲۵۹؛ مناقب علی بن ابی طالب ومانزل من القرآن فی علی، لابن مردویہ، ص ۲۳۱۔ ۲۳۲ و کتب دیگر۔

۱۔ مقتل الحسین الخوارزمی، ص ۸۱؛ مناقب علی بن ابی طالب ومانزل من القرآن فی علی، ص ۲۳۲؛ فرائد السمطین، ج ۱، ص ۷۳، ۷۴۔

۲۔ اہل سنت کے جید عالم شمس الدین ذہبی حدیث غدیر کے بارے میں فرماتے ہیں کہ صدر حدیث متواتر ہے میں یقین رکھتا ہوں کہ رسول خداؐ نے فرمایا ہے أما جمله اللهم وال من والاه یہ زیادہ ہے لیکن اس

کر سکتا۔ اس حدیث کو زید بن ارقم اور دیگر صحابہ نے روایت کیا ہے، اس حدیث کی تفصیل کے لیے علامہ عبد الحسین امینی کی مشہور کتاب الغدیر کو ملاحظہ کیا جاسکتا ہے جس میں انہوں نے اس کو ایک سو دس صحابہ اور تین سو ساٹھ علماء سے نقل کیا ہے۔

حضرت علیؑ کی ظاہری خلافت میں تیس صحابہ نے اس حدیث کی گواہی دی ہے کمافی تاریخ الدمشق۔ نیز امیر المومنین علیؑ نے اس حدیث سے بھی دستگاہ سقیفہ سے احتجاج کیا ہے۔ اگر حضرت علی علیہ السلام کی خلافت و امامت پر اور کوئی آیت یا حدیث نہ بھی ہوتی تو یہ آیت تبلیغ اور حدیث غدیر، من کنت مولاہ فھذہ علی مولاہ، ان کی خلافت بلافصل پر کافی تھی۔ حالانکہ امیر المومنین علی علیہ السلام کی خلافت و امامت پر بہت سی آیات اور احادیث دلالت کرتی ہیں جن میں سے بعض کی طرف اشارہ کیا جاچکا ہے۔ ان شئت التفصیل فراجع الی المطولات۔

دلالت حدیث: اس حدیث غدیر کی دلالت منصف مزاج کے لیے روشن اور واضح ہے کہ لفظ مولی سے مراد المتصرف اور اولیٰ ہے اور یہی معنی یہاں متبادر بھی ہے۔ کہ آپؐ نے فرمایا: جس کا میں مولی، سردار ہوں علیؑ بھی اس کے مولیٰ و سردار ہیں۔

کے اسناد قوی ہیں۔ صدر الحدیث متواتر اتیقن أن رسول اللہ (ص) قالہ و أما اللھم وال من والاہ وفزیادۃ قویۃ الاسناد، البدایۃ والنھایۃ لابن کثیر الدمشقی، ج۵، ص۱۸۸، طبع دار الکتب بیروت۔

چونکہ باقی معانی سے یا تو کفر لازم آتا ہے جیسے مولا بمعنی ربّ یا کذب لازم آتا ہے جیسے مولا بمعنی۔ العم، الابن، ابن الاخت، معتق، عبد، تابع، صاحب، جار، قریب وغیرہ بھی مراد نہیں لیئے جاسکتے چونکہ قرینہ حالیہ ان کے لیے مصحح نہیں ہے۔ ناصر اور محب بھی مراد نہیں ہو سکتے چونکہ ان باتوں کا سب کو علم تھا۔

اہل سنت کے علامہ سبط ابن جوزی اپنی کتاب تذکرۃ الخواص، ج۱، ص ۷۱۲ پر فرماتے ہیں کہ مولا کا معنی یہاں اولی ہے معناہ من کنت أولی بہ من نفسہ فعلی اولی بہ اور اسی مطلب پر آنجناب کا فرمان الست اولی بالمومنین من انفسھم بھی دلالت کرتا ہے اور یہ حضرت علیؑ کی امامت کے اثبات میں صریح نص ہے۔ انتہی

نیز قرائن حالیہ اور مقالیہ اور آیت کے نزول کے لحن سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ایک بہت اہم حکم تھا فقہی اور اخلاقی مسائل سے مربوط نہ تھا۔ سنی، شیعہ کتب سے بعض قرائن کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

قرائن

۱. صدر روایت کے الفاظ یہ ہیں یا ایھا الناس اَلَستُ أولی بالمومنین مِن اَنفُسِکُم کما فی ترجمہ الامام علی ابن ابی طالب من تاریخ دمشق، ج۲، ص ۶۸ (یا قریب بہ مضمون جملات: ألم تعلموا انی

أولی بکم من انفسکم[۱]۔ پھر اس کے بعد تین مرتبہ فرمانا: من کنت مولاہ فعلیؑ مولاہ۔

۲. لوگوں سے توحید و رسالت، جنت ودوزخ، موت اور قیامت کا اقرار لینا أَلَستُم تَشهَدُونَ ان لا اله الا الله و أنّ محمداً عبدہ و رسولہ، پھر فرمانا: ایھا الناس ان الله مولای و أنا مولی المومنین و انی أولی بهم من أنفسهم، ان تمہیدی جملات کے بعد فرمانا: فمن کنت مولا فهذا (علی) مولا الخ اور پھر قرآن اور اپنی عترت کے بارے میں تاکید فرمانا۔ اور ان کی متابعت کا حکم دینا اس بات کی دلیل ہے کہ حضورؐ نے اپنے جانشین، علیؑ کی خلافت کا اعلان کیا ہے۔[۲]

۳. جب حضرت علیؑ کا بازو پکڑ کر بلند کرکے فرمایا: من کنت مولاہ الخ، پھر ان کو دعا[۳] دینا: اللهم وال من والاہ و عاد من عادہ و

۱۔ خصائص نسائی، ص ۱۰۱۔

۲۔ ترجمہ الامام علی بن ابی طالب من تاریخ دمشق، ج ۲، ص ۴۵۔۴۶۔

۳۔ تہذیب إسنی المطالب، ص ۳۱؛ کفایۃ الطالب، ص ۶۳، ۶۴؛ ترجمہ الامام علی بن ابی طالب من تاریخ دمشق لابن العساکر، ج ۲، ص ۱۸؛ وارشاد مفید ۱/ ۱۷۶ و کتب دیگر۔

انصر من نصرہ واخذل من خذلہ۔ یہ دعا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت علیؑ بلند مقام پر فائز ہوئے۔

۴. خطبہ کے آخر میں فرمانا: أن یُبَلِّغَ الشاھدُ منکم الغائب، کہ تم میں جو حاضر ہے، اس فرمان کو غائب تک پہنچا دے۔ کما فی کتاب الولایۃ للحافظ ابن عقدہ، ص ۱۸۸۔ ۱۷۳۔ تو یہ تاکیدی حکم اس بات کی دلیل ہے کہ منصب ولایت ہی دیا گیا۔

۵. حضرت علیؑ کے سر مبارک پر حضورؐ کا دستار باندھنا۔ کما فی کنز العمال ۸/ ۶۰ وغیرہ۔

۶. حضورؐ کا حضرت علیؑ کو اپنے خیمہ میں بیٹھنے کا حکم دینا اور سب حاضر مسلمین کو حکم دینا کہ وہ حضرت علیؑ کو مبارک باد دیں، کما فی الارشاد للمفید، ج۱ / ۱۷۶۔

۷. نیز حکم دیا گیا کہ حضرت علیؑ کو امیر المومنین کہہ کر سلام کریں، کما فی الارشاد، ج۱/ ۱۷۶ او مناقب علی بن ابی طالب لابن مردویہ، ص ۵۵۔ نیز حضورؐ نے حضرت علی علیہ السلام کو ایک مخصوص الگ خیمے میں بیٹھنے کا حکم دیا اور لوگوں کو کہا کہ جاؤ علیؑ کو ان کے خیمے میں مبارک باد پیش کرو، کما فی روضۃ الصفا، ج۱/ ۱۷۳۔

۸. عمر بن خطاب نے حضرت علیؑ کو مبارک دی [۱] اور کہا: اصحبت و امسیت مولی کل مومن و مؤمنه، کما فی کنزل العمال و رواه عساکر فی تاریخه اور کفایۃ الطالب کے ص ۶۰ پر ہے فقال ابوبکر و عمر أمسیت یا ابن ابی طالب مولی کل مؤمن و مؤمنه۔

سالم بن إبي الجعد کا بیان ہے کہ کسی نے عمر کو کہا (جب عمر نے حضرت علیؑ کو مبارک دی) کہ تم علیؑ کے ساتھ ایسا سلوک کر رہے ہو جو کسی اور صحابی کے ساتھ نہیں کرتے ہو، عمر نے جواب دیا انه مولای کہ وہ (علیؑ) میرے مولا ہیں۔ ترجمہ الامام علی بن ابی طالب لابن العساکر، ج ۲، ص ۸۲، طبع بیروت (نوٹ) اگر مولا کا معنی دوست ہے تو کیا عمر کا صحابہ میں سے اور کوئی دوست نہیں تھا۔

۹. حسان بن ثابت کا حضورؐ سے اجازت لے کر حضرت علیؑ کی شان میں حدیث غدیر کا منظر، قصیدہ کی صورت میں پیش کرنا اور اس میں امامت کی گواہی دینا [۲]۔ رضیتك من بعدی اماما و هادیا۔ اور حضورؐ کا اس کو مشروط دعا دینا۔

۱۔ مسند احمد، ج ۴، ص ۲۸۱؛ المناقب خوارزمی، ص ۱۵۶؛ فرائد السمطین، ج ۱، ص ۶۵، ۷۱، ۷۷۔

۲۔ کفایۃ الطالب، ص ۶۴؛ تذکرۃ الخواص، ج ۱، ص ۲۷۲۔۲۷۳ و فیه، لا تزال مؤیدا بروح القدس ما نصرتنا و مقتل الحسین خوارزمی، ص ۸۱ و کتب دیگر۔

۱۰. حضورؐ کا اور حاضر صحابہ کا حسان شاعر کو منع نہ کرنا کہ مولی کا معنی رہبری اور امامت نہیں ہے جو کہ تو نے سمجھا ہے بلکہ یہاں تو دوستی علیؑ کا اعلان ہوا ہے۔ حسان شاعر خود بھی عرب زبان تھا اس نے مولا کا معنی رہبری ہی سمجھا تھا اور حاضرین صحابہ کی کثیر تعداد کا منع نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے۔

۱۱. حضورؐ کا خطبہ سے پہلے اپنی موت [۱] کی خبر دینا اور پھر شدید گرمی میں سب کو کھڑا کرکے یہ اعلان کرنا۔

یہ سب اس بات کے شواہد ہیں کہ غدیر خم پر بحکم خدا ولایت علیؑ کا عمومی اعلان تھا تاکہ امت حضورؐ کے بعد بغیر امام کے نہ رہے۔ اور بعد میں امامت و خلافت کے بارے میں جھگڑے نہ کریں۔

۱۲. حارث بن نعمان فہری کا غدیر خم کے واقعہ کے بعد حضورؐ کے پاس آنا۔ اور اس کا اپنے لیے عذاب کا طلب کرنا اور پتھر کا نازل ہونا اور اس کا وہاں فی الفور مر جانا [۲] اس بات کی دلیل ہے کہ واقعہ غدیر اور حدیث غدیر، دوستی سے مربوط نہیں تھا بلکہ امر خلافت و امامت کے متعلق تھا۔

۱۔ خصائص نسائی، ص ۹۳ و کتب دیگر۔

۲۔ نور الابصار، ص ۱۵۹، باب مناقب علی بن ابی طالب، بحوالہ تفسیر ثعلبی؛ تذکرۃ الخواص، ج ۱، ص ۲۶۷، ناشر مرکز الطباعۃ والنشر للمجمع العالمی لاہل البیتؑ؛ الفصول المہمۃ، ص ۲۵؛ فرائد السمطین، ج ۱، ص ۸۲ و کتب دیگر۔

۱۳. غدیر پر نماز کے بعد آنجنابؐ نے حضرت علیؑ کے بارے میں خطبہ عظیمہ ارشاد فرمایا۔ اس خطبہ کے بارے میں اہل سنت کے علامہ جزری اپنی کتاب اسمی المناقب فی تہذیب اِسنی المطالب فی مناقب علی بن ابی طالبؑ کے ص ۲۹ پر لکھتے ہیں و ثبت ایضا ان ھذا القول کان منہ (ص) یوم غدیر خم و ذلك فی خطبة خطبھا النبی (ص) فی حقه۔

۱۴. غدیر خم پر لوگوں کے متفرق ہونے سے پہلے آیت اکمال ﴿ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الإِسْلاَمَ دِينًا﴾ کا نازل ہونا اور رسول خدا کا تکبیر کہنا اور فرمانا: الله اکبر علی اکمال الدین و اتمام النعمة و رضی الرب برسالتی و الولایة لعلی من بعدی۔[1]

یہ اس بات کی منہ بولتی دلیل ہے کہ وہاں خلافت و ولایت علیؑ کا اعلان ہوا تھا۔

۱۵. حضرت علیؑ کا اس حدیث سے احتجاج کرنا۔ اس بات کی دلیل ہے کہ غدیر پر امامت علیؑ کا اعلان ہوا تھا[2]۔ خصوصاً شوری میں

۱۔ مقتل الحسین خوارزمی، ص ۸۱؛ و مناقب علی بن ابی طالب و ما نزل من القرآن فی علیٍ، لابن مردویہ ص ۲۳۲۔

۲۔ احتجاج طبرسی، ۲/ ۱۸۳۔

حضرت علی ع کے احتجاج کو اہل سنت نے بھی نقل کیا ہے[۱]۔ نیز رسول خداؐ کی اکلوتی بیٹی فاطمہ الزہرا علیہا السلام نے بھی رحلت پیغمبرؐ کے بعد خلافت علی علیہ السلام کے بارے میں لوگوں کو غدیر اور حدیث منزلت کا حوالہ دیا ہے۔[۲]

۱۶. حضورؐ اور ائمہ طاہرین علیہم السلام نے غدیر کے دن کو اسلامی مہم عید کا اعلان فرمایا ہے[۳]۔ تاکہ ہر سال واقعہ کی یاد تازہ رہے کیا حضرت علیؑ سے محبت اور دوستی کے اعلان کرنے کی خاطر عید کا اعلان ہوا ہے یا امامت و خلافت کی وجہ سے عید کا اعلان ہوا ہے۔

عید غدیر: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ: یوم غدیر خمّ أفضل أعیاد أمتی؛

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا: میری امت کی عیدوں میں سب سے افضل عید غدیر خم کا دن ہے یہ وہ دن ہے جس میں خدا نے مجھے میری امت کے لیے میرے بھائی علی بن ابی طالب کو ہادی بنانے کا حکم دیا میرے بعد لوگ ان کے ذریعے ہدایت پائیں گے یہ وہ دن ہے جس میں خدا نے دین کو کامل کیا اور میری امت پر نعمت کو تمام کیا اور ان کے لیے اسلام پر راضی ہوا۔[۴]

۱۔ مناقب علی بن ابی طالب لابن مغازلی، ص ۱۱۷ و کتب دیگر۔

۲۔ اسمی المناقب فی تہذیب اسنی المطالب فی مناقب الامام امیر المومنین علی بن ابی طالب، ص ۳۳۔

۳۔ امالی صدوق، ص ۱۸۸۔ ۱۹۷؛ بشارۃ المصطفیٰ، ص ۲۳۔

۴۔ امالی شیخ صدوق، ص ۱۸۸۔ ۱۹۸؛ بشارۃ المصطفیٰ، ص ۲۳؛ الاقبال، ۲/ ۲۶۴۔

مفضل بن عمر کا بیان ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ مسلمانوں کے لیے کتنی عیدیں ہیں تو امام علیہ السلام نے فرمایا: چار عیدیں ہیں، میں نے عرض کیا: عیدین یعنی عید فطر اور عید الاضحیٰ اور جمعہ کو تو پہچانتا ہوں (چوتھی عید کون سی ہے؟) تو امام علیہ السلام نے فرمایا: وہ سب عیدوں سے بڑی اور اشرف عید ہے وہ اٹھارہ ذی الحجہ کو دن ہے جس دن حضورؐ نے علی علیہ السلام کو لوگوں کے لیے ہادی بنایا۔[1]

اور جو اس دن روزہ رکھے تو اس کا یہ عمل ساٹھ سالوں کے اعمال سے افضل ہے۔

امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں اٹھارہ ذی الحجہ کا دن عید اکبر ہے اور یہ اہل بیت محمدؐ کی عید کا دن ہے[2]۔ اس دن کے بہت فضائل ہیں جن کی تفصیل کو اسی روایت اور دیگر روایات میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

اس دن جب مومن کسی دوسرے مومن سے ملاقات کرے تو کہے: الحمد للہ الذی جعلنا من المتمسکین بولایۃ أمیر المومنین و الائمۃ علیھم السلام۔

۱۔ الخصال شیخ صدوق، ۲۶۴۔ ۱۴۵۔

۲۔ اقبال سید ابن طاووس، ج ۲، ص ۲۶۰۔

نوٹ: اہل سنت کی کتب میں بھی اس دن روزہ رکھنے کی فضیلت نقل ہوئی ہے جیسا کہ ابو ہریرہ نے کہا جو شخص اٹھارہ ذی الحجہ کو روزہ رکھے گا تو خدا اس کے لیے ساٹھ مہینوں کے روزے کا ثواب لکھے گا۔[۱]

نتیجہ بحث یہ کہ حضورؐ نے اپنی امت کی ہدایت اور رہبری کے لیے بحکم خدا حضرت علیؑ کی امامت و خلافت کا اعلان فرمایا ہے اور چونکہ منصب امامت منصب نبوت و رسالت کی طرح، منصب الٰہی ہے۔ جیسا کہ ثابت کیا جا چکا ہے۔ تو اس کے تعین کا اختیار بھی صرف خدا کے پاس ہے۔

﴿ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ﴾[۲] اور آپ کا پروردگار جسے چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور پسند کرتا ہے اور لوگوں کو کسی کا انتخاب کرنے کا کوئی حق نہیں ہے خدا ان کے شرک سے پاک اور بلند تر ہے۔

جس طرح کسی شخص کو ووٹوں یا شوریٰ یا تبلیغات یا طاقت کے بل بوتے پر نبی نہیں بنایا جا سکتا اسی طرح کسی شخص کو مذکورہ چیزوں کے ساتھ امام بھی نہیں بنایا جا سکتا۔ یہ ایک حقیقت ہے جس کا انکار سوائے متعصب اور جاہل کے کوئی نہیں کر سکتا۔

۱۔ ترجمہ الامام علی بن ابی طالب من تاریخ دمشق، ج ۲، ص ۷۷؛ مناقب علی بن ابی طالب لابن المغازلی، ص ۷۳ و کتب دیگر۔

۲۔ سورہ قصص، آیت ۶۸۔

چونکہ ارشاد رب العزت ہے: ﴿إِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدَىٰ﴾ [1]

بے شک ہدایت کی ذمہ داری ہم پر ہے۔

اور خالق کائنات بہتر جانتا ہے کہ اس امر کے لیے کس کو منتخب کرے۔

اور وہ ارشاد فرماتا ہے: ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ﴾۔ اے مومنو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور صاحبان امر کی اطاعت کرو۔ [2]

تو معلوم ہوا صاحبان امر کی اطاعت بھی اسی طرح ہے جس طرح رسول کی اطاعت ہے۔ یہاں اطاعت کرنے میں کسی قید و شرط کا ذکر نہیں آیا تو معلوم ہوا کہ صاحبان امر بھی رسول کی طرح معصوم ہوتے ہیں اگر معصوم نہ ہوتے تو خدا مطلّقاً ان کی اطاعت کرنے کا حکم نہ دیتا۔ اور حضورؐ نے صاحبان امر کی تفسیر بتائی ہے کہ وہ بارہ معصوم امام ہیں جن میں پہلے علیؑ اور آخری حضرت امام مہدیؑ ہیں۔ یہی وجہ ہے پوری امت -بلکہ پوری دنیا- حضورؐ کے بارہویں جانشین کے ظہور کی انتظار میں ہے۔

جو بھی ان کے علاوہ مہدویت کا دعوی کرے گا وہ باطل ہے جس طرح حضورؐ کے بارہویں جانشین کو ووٹوں یا شوریٰ یا طاقت کے ذریعے منتخب نہیں کیا جاسکتا

۱۔ سورہ لیل، آیت ۱۲۔

۲۔ سورہ نساء، آیت ۵۹۔

اور نہیں مانا جاسکتا اسی طرح حضورؐ کے پہلے جانشین کو بھی ووٹوں سے نہیں بنایا جاسکتا۔[۱]

بعبارۃ دیگر کسی نبی کا خلیفہ ووٹوں یا شوریٰ سے نہیں بنا تو سید الانبیاءؐ کا خلیفہ ووٹوں یا شوریٰ سے کیسے منتخب ہو سکتا ہے؟

ا۔اہل سنت کے نظریہ کے مطابق کہ حضورؐ نے اپنی جانشین کے مسئلہ کو امت پر چھوڑ دیا تھا جس کو چاہیں منتخب کریں تو پھر پوری امت مل کر حضورؐ کے بارہویں جانشین کا انتخاب کیوں نہیں کر رہی سب مل کر ایک شخص کو امام مہدیؑ مان لیں ان کی انتظار کیوں کر رہے ہیں؟ اگر یہ کہا جائے کہ خود حضورؐ نے ان کے بارے میں ان کا نام ان کی کنیت اور دیگر علامات اور نشانیاں بتائی ہیں کہ وہ اہل بیتؑ سے ہوں گے اور اولاد فاطمہؑ سے ہوں گے اور آخر الزمان میں ظہور فرمائیں گے تو جواب میں کہا جائے گا کہ جب حضورؐ نے اپنے آخری جانشین کے بارے میں اتنا اہتمام کیا ہے کہ ان کا نام اور علامات ، نشانیاں تک بیان فرمائی ہیں تا کہ اگر کوئی جھوٹا شخص دعوی مہدویت بھی کرے تو لوگ ان علامات کے ذریعے ، اس کے کاذب ہونے کو جان سکیں اور گمراہ نہ ہوں تو معلوم ہوا کہ حضورؐ نے اپنی جانشین کے مسئلہ کو امت کے حوالے نہیں کیا۔ جب حضورؐ نے اپنے آخری جانشین کا نام بتایا ہے تو اپنے پہلے جانشین کا ہاتھ پکڑ کر بلند کرکے میدان خم غدیر میں مجمع عام کے سامنے دکھایا ہے۔ اب جس کی مرضی وہ مانے یا نہ مانے۔ حضورؐ نے حجت تمام کر دی ہے اور اپنی جانشینی کے مسئلہ کو امت کے حوالے نہیں کیا کیونکہ امت کے حوالے کرنے کی صورت میں بہت سارے مفاسد لازم آتے ہیں۔ خلیفہ کے انتخاب میں لڑائی جھگڑے کا خوف بھی موجود ہے۔ پھر خلیفہ کے انتخاب کا معیار کیا ہوگا۔ خلیفہ کے لیے کن شرائط کا ہونا لازمی ہے۔ رسول خداؐ نے سلام کرنے، کھنگی کرنے اور تخلی کے آداب (لیٹرین جانے کے) آداب تک تو بتا دیئے ہیں اور یہ کیسے باور کیا جائے کہ خلافت جیسے اہم مسئلہ کو حضورؐ نے مہمل چھوڑ دیا ہو؟

احادیث

امیر المومنین علی علیہ السلام کی خلافت بلا فصل پر بہت حدیثیں دلالت کرتی ہیں جس میں چند ایک احادیث کو ذکر کیا جاتا ہے کیونکہ طالب حق اور منصف مزاج کے لیے تو ایک ہی دلیل کافی ہوتی ہے اور متعصب، ہٹ دھرم اور کج فہم بیسیوں دلیلوں سے بھی قانع نہیں ہوتا۔

پہلی حدیث: حدیث غدیر

حضورؐ نے غدیر خم پر علی علیہ السلام کا بازو پکڑ کر بلند کرکے فرمایا: من کنت مولاہ فعلی مولاہ؛ جس کا میں مولا و سردار ہوں پس اس کا علیؑ بھی مولا و سردار ہے یہ حدیث صحیح ہے بلکہ مشہور اور متواتر ہے کما لایخفی۔ حدیث غدیر کو کتب ذیل میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں:

سنن ترمذی، ج۵، ص۲۹۷؛

سنن ابن ماجہ، ج۱، ص۴۵؛

المستدرک علی الصحیحین، ج۳، ص۱۱۰؛

خصائص امیر المومنین للنسائی، ص۵۰۔ ۹۴۔ ۹۵؛

مسند احمد بن حنبل، ج۱، ص۸۸ و ج۲، ص۶۷۲؛

مجمع الزوائد، ج۹، ص۱۰۴۔ ۱۰۵؛

مناقب علی بن ابی طالب لابن المغازلی، ص ۳۶۔۳۸۔۳۹؛

المناقب خوارزمی، ص ۹۷، ۹۴، ۹۵؛

تفسیر کبیر فخر رازی، ج ۳، ص ۶۳۶؛

تفسیر در منثور، ج ۵، ص ۱۸۲؛

ذخائر العقبیٰ، ص ۶۷؛

تاریخ الخلفاء سیوطی، ص ۱۸۹؛

تاریخ بغداد، ج ۱۴، ص ۲۳۶؛

ترجمہ الامام علی بن ابی طالب من تاریخ دمشق لابن العساکر، ج ۲، ص ۴۶؛

شواہد التنزیل، ج ۱، ص ۱۵۷؛

فرائد السمطین، ج ۱، ص ۶۳۔۶۶؛

الاصابۃ، ج ۱، ص ۳۰۵۔ ۳۷۲، ۵۶۷ و ج ۲، ص ۲۵۷، ۳۸۲، ۴۰۸، ۵۰۹ و ج ۳، ص ۵۴۲ و ج ۴، ص ۸۰؛

کفایۃ الطالب، ص ۵۸؛

کتاب الولایۃ للامام الحافظ ابن عقدۃ الکوفی متوفی ۳۳۲ھ جمعه و رتبه و قدم له عبد الرزاق محمد حسین حرز الدین؛

حلیۃ الاولیاء لأبی نعیم، ج ۵، ص ۲۶؛

اسد الغابۃ لابن الأثیر، ج ۱، ص ۳۶۹ و ج ۳، ص ۲۷۴ و ج ۵، ص ۲۰۸؛

الریاض النضرۃ، ج ۲، ص ۲۲۲۔ ۲۲۳۔ ۲۲۴؛
سر العالمین للغزالی، ص ۲۱؛
جامع الاصول لابن الاثیر، ج ۹، ص ۴۶۸؛
البدایۃ والنہایۃ، ج ۵، ص ۲۱۱۔ ۲۱۲۔ ۲۱۳۔ ۲۱۴ و ج ۷، ص ۳۳۴، ۳۳۸، ۳۴۸، ۴۴۸؛
تاریخ الاسلام للذہبی، ج ۲، ص ۱۹۶؛
تذکرۃ الحفاظ للذہبی، ج ۱، ص ۱۰؛
اِسنی المطالب فی احادیث مختلف المراتب، ص ۲۲۱؛
اِنساب الاشراف (بلاذری) ج ۲، ص ۱۱۲؛
صواعق محرقہ، ص ۲۵؛
میزان الاعتدال، ج ۳، ص ۲۹۴؛
الاستیعاب، ج ۲، ص ۷۴؛
الشفا للقاضی عیاض، ج ۲، ص ۴۱؛
تذکرۃ الخواص، الباب الثانی؛
فتح الباری بشرح صحیح بخاری، ج ۷، ص ۹۳؛
تہذیب التہذیب، ج ۷، ص ۳۳۷؛
وکتب دیگر۔

نوٹ: حضرت علی علیہ السلام نے شوریٰ کے دن اپنی خلافت پر حدیث غدیر سے مناشدہ فرمایا تھا[۱]۔ نیز خلافت کے نزاع پر مقام رحبہ میں بھی حدیث غدیر کا حوالہ دیا تھا اور کئی صحابہ سے اس حدیث کی گواہی دی کہ ہم نے اسے غدیر خم پر حضورؐ سے سنا تھا۔[۲]

اہل سنت کے درج ذیل علماء نے حدیث غدیر پر مستقل کتب لکھی ہیں۔

۱. محمد بن جریر الطبری متوفی ۳۱۰ھ نے کتاب الولایۃ فی طریق حدیث الغدیر کو تالیف فرمایا ہے جس میں انہوں نے پچھتّر (۷۵) طریق اور بقولی ۹۵ طریق سے اس حدیث غدیر کو روایت کیا ہے۔ اس بات کی گواہی ذہبی اور ابن کثیر اور ابن حجر عسقلانی نے دی ہے۔

۲. ابو العباس احمد بن عقدۃ المتوفی ۳۳۳ھ نے کتاب الولایۃ (الموالاۃ)، فی طرق الحدیث الغدیر کو تالیف فرمایا ہے[۳] جس میں انہوں نے ایک سو پانچ اور بقول بعضی ڈیڑھ سو طریق سے صحابہ سے نقل کیا ہے۔ اہل سنت کے بہت سارے علماء نے اس کتاب کا اپنی کتب میں ذکر کیا ہے اور اس سے احادیث کو نقل کیا ہے۔

۱۔ مناقب علی بن ابی طالب لابن المغازلی، ص ۱۱۷؛ کتاب الولایۃ، ص ۱۶۹۔

۲۔ ترجمہ الامام علی بن ابی طالب من تاریخ دمشق، ج ۲، ص ۷، ۸، ۹، ۱۱، ۱۳، ۱۸، ۱۹، ۲۵ و کتب دیگر۔

۳۔ آقای عبد الرزاق محمد حسین حرز الدین نے ان روایات کو جمع کرکے اور کتاب پر مقدمہ لکھ کر اور اسے ترتیب دے کر نسل حاضر کے لیے بہت بڑی خدمت کی ہے جزاہ اللہ خیرا اور یہ کتاب اب طبع ہو چکی ہے۔

۳. ابوبکر جعابی متوفی ۳۵۵ نے کتاب (من روی حدیث غدیر خم) کو تالیف کیا ہے جس میں انہوں نے ایک سو پچیس طریق سے اس روایت کو ذکر کیا ہے۔

۴. الدار القطنی متوفی ۳۸۵ جیسا کہ علامہ گنجی شافعی نے اپنی کتاب کفایۃ الطالب فی مناقب علی بن ابی طالب کے صفحہ ۶۰ پر ذکر کیا ہے۔ نیز حافظ ابن عقدہ کا بھی ذکر کیا ہے۔

۵. ابو سعید السجستانی متوفی ۴۷۷ھ نے کتاب الدرایۃ فی حدیث الولایۃ کو تالیف کیا ہے۔

۶. ابو القاسم عبید اللہ حسکانی نے دعاۃ الہداۃ الی اداحق الموالاۃ کو دس جزوں میں تالیف فرمایا ہے جیسا کہ خود مؤلف نے اپنی کتاب شواہد التنزیل میں تصریح کی ہے۔

۷. شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ کی کتاب کا نام ہے طریق حدیث الولایۃ۔

۸. وکتب دیگر۔

نوٹ نمبر۱: ہمارے ستائیس شیعہ علماء نے حدیث غدیر پر مستقل کتب تحریر کی ہیں جن میں علامہ امینی کی کتاب الغدیر ہے جو کہ بیس جلدوں میں ہے جن میں ابھی تک گیارہ جلدیں طبع ہوئی ہیں۔

نوٹ نمبر ۲: اہل سنت کے علماء نے دوسری صدی سے لے کر چودہویں صدی تک حدیث غدیر کو اپنی کتب میں نقل کیا ہے ان علماء کی تعداد تین سو ساٹھ ہے جیسا کہ علامہ امینی نے اپنی کتاب الغدیر ج ۱، ص ۷۳ تا ۱۵۱ طبع بیروت میں ذکر کیا ہے۔ ان کے تراجم اور روایات کے مصادر کی تعیین کے لیے عبقات الانوار کے حصہ حدیث غدیر کی طرف رجوع فرما سکتے ہیں۔ مخفی نہ رہے کہ کتاب عبقات الانوار بہت اہمیت کی حامل ہے علامہ امینیؒ صاحب کتاب الغدیر نے اس کتاب سے بہت استفادہ کیا ہے مخفی نہ رہے کہ سید میر حامد حسین بن سید محمد قلی موسوی لکھنوی متوفی ۱۳۰۶ھ نے حدیث غدیر کے طریق اور اس کے تواتر اور معنی کو ۱۰۸۰ صفحہ کی دو ضخیم جلدوں میں لکھا ہے جو اِن کی گراں قدر کتاب عبقات کا حصہ ہیں۔

نوٹ نمبر ۳: شیخ سلیمان قندوزی نے اپنی کتاب ینابیع المودۃ کے صفحہ ۳۶ پر ذکر کیا ہے کہ علامہ جوینی نے تعجب کیا ہے اور کہا ہے کہ میں نے بغداد میں ایک جلد ساز کے ہاتھ میں غدیر کے طرق کے بارے میں ایک کتاب دیکھی جس پر لکھا ہوا تھا کہ اٹھائیسویں جلد، المجلدۃ الثامنہ و العشرون من طرق قولہ (ص) من کنت مولاہ فعلی مولاہ۔ اور اس کے بعد انتیسویں جلد آ رہی ہے۔

مخفی نہ رہے کہ حدیث غدیر سند کے حوالے سے صحیح بلکہ متواتر ہے۔ یہ حدیث ایک طریق سے نقل نہیں ہوئی بلکہ مختلف اسناد سے نقل ہوئی ہے اس

حدیث کے طرق اور اسناد کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ اس کے بارے میں اہل سنت کے کئی ایک حفاظ اور محققین نے مستقل کتب بھی تالیف کی ہیں جن کا ذکر گزر چکا ہے۔

صاحبان تحقیق کے لیے حدیث غدیر کی صحت اور کثرت طرق کے ہونے پر اہل سنت کے علماء کی بعض تصریحات کو ذکر کر رہا ہوں:

١. ابن مغازلی شافعی اپنی کتاب مناقب علی بن ابی طالب کے صفحہ ۴۳ پر اپنے استاد ابی القاسم فضل بن محمد سے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: قال أبو القاسم الفضل بن محمد هذا حديث صحيح عن رسول الله (ص) و قد روى حديث غدير خمّ عن رسول الله (ص) نحو من مائة نفس منهم العشرة و هو حديث ثابت لا أعرف له علّة تفرّد علي عليه السلام بهذه الفضيلة ليس يشركه فيها أحد۔ ابو القاسم فضل بن محمد نے کہا کہ یہ حدیث، رسول خداؐ سے صحیح ہے جس کو تقریباً سو افراد نے نقل کیا ہے جن میں عشرہ بھی شامل ہیں یہ حدیث ثابت ہے اور میں اس فضیلت میں علی علیہ السلام کے یکتا ہونے کی وجہ کو نہیں جانتا (اور یہ ایسی فضیلت ہے کہ) جس میں ان کا کوئی شریک نہیں ہے بعبارة دیگر یہ فضیلت صرف علیؑ کے لیے ہے۔

۲. اہل سنت کے عالم شمس الدین ابو الخیر محمد جزری متوفی ۸۳۳ اپنی کتاب اسمی المناقب فی تہذیب إسنی المطالب فی مناقب الامام إمیر المومنین علی بن إبی طالب علیہ السلام کے صفحہ ۲۲ پر تحریر کرتے ہیں: هذا حديث حسن من هذه الوجه صحيح من وجوه كثيرة تواتر عن امير المومنين على(ع) وهو متواتر أيضاً عن النبى (ص) رواه الجمّ الغفير عن الجمّ الغفر ولا عبرة بمن حاول تضعيفه ممّن لا طلاع له فى هذا العلم (اہل سنت کے عالم علامہ جزری شافعی نے حدیث غدیر کو اسی (۸۰) سلسلوں سے نقل کیا ہے اور (رحبہ) کے دن علی علیہ السلام کے مناشدہ کو ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں) یہ حدیث اس سند کے اعتبار سے حسن اور دوسری بہت سی سندوں کے اعتبار سے صحیح ہے امیر المومنین (علی) علیہ السلام سے بطور متواتر منقول ہے اور حضورؐ سے بھی متواتر ہے ایک بڑے گروہ نے اس کو ایک جم غفیر سے نقل کیا ہے اس علم سے ناواقف شخص اگر اس کو ضعیف قرار دے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

۳. حافظ ابن عساکر نے حدیث غدیر کو اپنی کتاب تاریخ دمشق میں متعدد طرق کے ساتھ ذکر کیا (تقریباً تیس طرق کے ساتھ)

۴. حافظ عسقلانی اپنی کتاب تہذیب التہذیب ج۷، ص۳۳۹ پر لکھتے ہیں: و قد جمعه ابن جریر الطبری فی مؤلف فیه اضعاف من ذکر و صححه و اعتنی بجمع طرقه ابو العباس ابن عقدة فاخرجه من حدیث سبعین صحابیا أو اکثر۔ اور ابن جریر نے اس (حدیث) کو ایک کتاب میں جمع کیا ہے جس میں مذکورہ افراد سے کئی گنا زیادہ نام شمار کیے ہیں اور اس کو صحیح قرار دیا ہے اور ابو العباس ابن عقدہ نے اس کے سلسلوں کو جمع کرنے پر توجہ دی ہے اور ستر (۷۰) یا اس سے زیادہ صحابیوں سے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔

۵. علامہ حسکانی اپنی کتاب شواہد التنزیل ج۱، ص۱۹۰ پر لکھتے ہیں: و طرق الحدیث مستقصاة فی کتاب دعاة الهداة الی أدا حق الموالاة من تصنیفی فی عشرة أجزا۔ اس حدیث کے طرق کی مکمل بحث الہداۃ میں ہے جس کی دس جلدیں ہیں۔

٦. نیز عسقلانی اپنی کتاب فتح الباری ج۷، ص ۹۳ پر لکھتے ہیں: و أمّا حدیث (ومن کنت مولاہ فعلی مولاہ فقد أخرجه الترمذی و النسائی و کثیر الطرق جداً و قد استوعبها ابن عقدة فی کتاب مفرد و کثیر من أسانیدها صحاح و حسان۔ حدیث من کنت

مولاہ فعلی مولاہ کی تخریج ترمذی اور نسائی نے کی ہے اور واقعاً اس حدیث کے طرق و اسناد بہت ہیں اس کا مکمل ذکر ابن عقدہ نے ایک مستقل جداگانہ کتاب میں کیا ہے اس حدیث کی بہت ساری سندیں صحیح اور حسن ہیں۔

۷. حافظ معاصر شہاب الدین ابوالفیض احمد بن محمد صدیق حضرمی اپنی کتاب تشنیف الاذان کے صفحہ ۷۷ پر لکھتے ہیں، اور حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ، نبی کرمؐ سے متواتر ہے جس کو ساٹھ اشخاص نے نقل کیا ہے اگر ہم سب کی سندیں جمع کرنا چاہیں تو سلسلہ بہت طویل ہو جائے گا۔(۱)

۸. اہل سنت کے حافظ گنجی شافعی مقتول ۱۶۵۸ اپنی کتاب کفایۃ الطالب کے صفحہ ۵۹ پر امام احمد ابن حنبل کی بیان کردہ حدیث غدیر کو زید بن ارقم سے متعدد طرق کے ساتھ نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ احمد نے اس حدیث کو اپنی مسند میں اسی طرح نقل کیا ہے اگر ایک ہی سند کے ساتھ کوئی راوی

۱۔الغدیر، ج۱، ص ۳۱۱۔ نوٹ: علامہ امینی نے حدیث غدیر کی سند کے بارے میں تفصیلاً بحث کی ہے اور تتالیس ۴۳ علماء اہل سنت کی عبارتوں کو صحت حدیث غدیر پر تواتر کے بارے میں نقل کیا ہے۔

روایت نقل کرے تو وہی تمہارے لیے کافی ہے چہ جائیکہ اس کے سلسلوں کو احمد جیسا امام جمع کرے۔

نیز ص ۶۰ پر جامعہ ترمذی سے اس کے سلسلوں کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ حافظ دارقطنی نے ایسے طرق کو ایک کتاب میں لکھا ہے اور حافظ ابن عقدہ کوفی متوفی ۳۳۳ نے اس کے بارے میں ایک جداگانہ کتاب لکھی ہے اور اہل سیر وتاریخ نے قصہ غدیر کو نقل کیا ہے۔

جن صحابہ نے حدیث غدیر کو روایت کیا ہے ان کے نام ملاحظہ فرمائیں

۱. ابوہریرۃ الدوسی
۲. ابو لیلیٰ الانصاری
۳. ابوزینب بن عوف الانصاری
۴. ابو فضالۃ الانصاری
۵. ابو قدامہ الانصاری
۶. ابو عمرۃ بن عمرو بن محصن الانصاری
۷. ابو الہیثم بن التیہان
۸. ابو رافع القطبی مولی رسول اللہؐ
۹. ابو ذویب خویلد (اِو خالد) بن خالد بن محرث الھزلی
۱۰. ابوبکر بن قحافہ التیمی

١١. اسامہ بن زید بن حارثہ الکلبی المتوفی سنہ ۵۴

١٢. ابی بن کعب الانصاری الخزرجی

١٣. اسد بن زرارۃ الانصاری

١٤. اسماء بنت عمیس الخثعمیۃ

١٥. ام سلمۃ زوج النبیؐ

١٦. ام ہانی بنت ابی طالب

١٧. ابو حمزۃ انس بن مالک الانصاری الخزرجی (خادم النبیؐ المتوفی ۹۳ھ)

١٨. بُراء بن عازب الانصاری الأوسی المتوفی سنۃ ۷۲ھ

١٩. بریدۃ بن الحصیب ابو سہل الاسلمی المتوفی سنۃ ٦۳ھ

٢٠. ابو سعید ثابت بن ودیعۃ الانصاری المدنی

٢١. جابر بن سمرۃ بن جنادۃ ابو سلیمان السوائی

٢٢. جابر بن عبد اللہ

٢٣. جبلۃ بن عمرو الانصاری

٢٤. جبیر بن مطعم بن عدی القرشی النوفلی

٢٥. جریر بن عبد اللہ بن جابر البجلی

٢٦. ابوذر جندب بن جنادۃ الغفاری

٢٧. ابو جنیدۃ جندب بن عمرو بن مازن الانصاری

۲۸. حبۃ بن جوین ابو قدامۃ العرنی البجلی

۲۹. حبشی بن جنادۃ السلولی

۳۰. حبیب بن بدیل بن ورقاء الخزاعی

۳۱. حذیفہ بن اُسید ابو تسریحۃ الغفاری

۳۲. حذیفۃ بن الیمان الیمانی المتوفی سنہ ۳۶ھ

۳۳. حسان بن ثابت۔ جس نے غدیر خم پر امیر المومنین علیؑ کی شان میں قصیدہ پڑھا تھا۔[۱]

۳۴. الامام الحسن المجتبیٰ علیہ السلام

۳۵. الامام الحسین علیہ السلام

۳۶. ابو ایوب خالد بن زید الانصاری

۳۷. ابو سلیمان خالد بن الولید بن المغیرہ المخزومی

۳۸. خزیمۃ بن ثابت الانصاری ذو الشہادتین۔ جنگ صفین میں حضرت علیؑ کے ہمراہ ۳۷ھ میں شہید ہوا

۳۹. ابو شریح خویلد بن عمرو الخزاعی متوفی سنہ ۶۸ھ

۴۰. رفاعۃ بن عبد المنذر الانصاری

۱۔ لیکن امیر المومنین علیؑ کی ظاہری خلافت میں اس نے آپ کی بیعت نہیں کی تھی۔ اسی لیے حضورؐ نے اسے غدیر پر مشروط دعا دی تھی کہ جب تک تو ہماری نصرت میں رہے خدا تیری تائید کرے۔

۴۱. زبیر بن عوام
۴۲. زید بن ارقم الانصاری
۴۳. ابو سعید زید بن ثابت
۴۴. زید (یزید) بن شراحبیل انصاری
۴۵. زید بن عبد اللہ انصاری
۴۶. ابو اسحاق سعد بن ابی وقاص
۴۷. سعد بن جنادۃ عوفی
۴۸. سعد بن عبادۃ انصاری خزرجی متوفی سنہ ۱۴ یا ۱۵ ھ ، یہ جلیل القدر صحابی ہے جس نے شیخین کی بیعت نہیں کی۔
۴۹. ابو سعید سعد بن مالک انصاری خدری
۵۰. سعید بن زید قرشی عدوی
۵۱. سعید بن سعد بن عبادۃ انصاری
۵۲. ابو عبد اللہ سلمان فارسی، متوفی سنہ ۳۶۔۳۷
۵۳. ابو مسلم سلمۃ بن عمرو بن اکوع اسلمی متوفی سنہ ۷۴ ھ
۵۴. ابو سلیمان سمرۃ بن جند فنزاری
۵۵. سہل بن حنیف انصاری اوسی متوفی، سنہ ۳۸ ھ
۵۶. ابو العباس سہل بن سعد انصاری خزرجی ساعدی متوفی سنہ ۹۱ ھ

۵۷. ابو امامہ صدی بن عجلان باہلی (سنۃ ۸۶ ہجری میں شام میں وفات پائی)
۵۸. ضمیرۃ اسدی
۵۹. طلحۃ بن عبید اللہ تمیمی
۶۰. عامر بن عمیر نمیری
۶۱. عامر بن لیلیٰ بن ضمرۃ
۶۲. عامر بن لیلیٰ غفاری
۶۳. ابو الطفیل عامر بن وائلۃ لیثی
۶۴. عائشۃ بنت ابی بکر
۶۵. عباس بن عبد المطلب بن ہاشم متوفی سنہ ۳۲ھ
۶۶. عبد الرحمٰن بن عبد رب انصاری
۶۷. ابو محمد عبد الرحمٰن بن عوف قرشی زہری، متوفی ۳۱۔ ۳۲ھ
۶۸. عبد الرحمٰن بن یعمر دیلمی
۶۹. عبد اللہ بن ابی عبد الاسد مخزومی
۷۰. عبد اللہ بن بدیل بن ورقاء، حضرت علیؑ کے ہمراہ جنگ صفین میں شہید ہوئے۔
۷۱. عبد اللہ بن بشر (بسر) مازنی

۷۲. عبداللہ بن ثابت انصاری
۷۳. عبداللہ بن جعفر طیار متوفی ۸۰ھ
۷۴. عبداللہ بن حنطب قرشی مخزومی
۷۵. عبداللہ بن ربیعۃ
۷۶. عبداللہ بن عباس متوفی ۶۸ھ
۷۷. عبداللہ بن ابی اوفی علقمہ اسلمی متوفی سنہ ۸۶۔۸۷ھ
۷۸. ابوعبدالرحمٰن عبداللہ بن عمر بن خطاب عدوی متوفی ۷۲۔۷۳ھ
۷۹. عبداللہ بن یامیل (یامین)
۸۰. عثمان بن عفان متوفی ۳۵ھ
۸۱. ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ بن مسعود ہذلی متوفی ۳۲۔ ۳۳ھ (جنۃ البقیع میں دفن ہیں)
۸۲. عبید بن عازب انصاری
۸۳. ابو طریف عدی بن حاتم متوفی ۶۸ھ
۸۴. عطیۃ بن بسر مازنی
۸۵. عقبۃ بن عامر جہنی
۸۶. امیر المؤمنین علی بن ابی طالبؑ
۸۷. ابوالیقظان عمار بن یاسر عنسی

۸۸. عمر بن ابی سلمۃ بن عبد الاسد مخزومی متوفی ۸۳ھ
۸۹. عمر بن خطاب
۹۰. عمارۃ خزرجی انصاری
۹۱. ابو نجید عمران بن حصین خزاعی متوفی ۵۲ھ
۹۲. عمرو بن حمق خزاعی کوفی
۹۳. عمرو بن شراحیل
۹۴. عمرو بن عاص
۹۵. عمرو بن مرّہ جہنی
۹۶. حضرت فاطمۃ الزہرا علیہا السلام
۹۷. فاطمہ بنت حمزہ بن عبد المطلب
۹۸. قیس بن ثابت بن شماس انصاری
۹۹. قیس بن سعد بن عبادۃ انصاری خزرجی
۱۰۰. ابو محمد کعب بن عجرۃ انصاری مدنی متوفی ۵۱ھ
۱۰۱. ابو سلمۃ مالک بن حویرث لیثی متوفی ۷۴ھ
۱۰۲. مقدام بن عمرو کندی زہری متوفی ۳۳ھ
۱۰۳. ناجیۃ بن عمرو الخزاعی
۱۰۴. ابو برزۃ فضلۃ بن عتبۃ اسلمی متوفی ۶۵ھ

۱۰۵. نعمان بن عجلان انصاری

۱۰۶. ہاشم مرقال بن عتبۃ بن ابی وقاص مدنی

۱۰۷. ابو وسمۃ وحشی بن حرب حبشی حمصی

۱۰۸. وہب بن حمزۃ

۱۰۹. ابو جحیفۃ وہب بن عبد اللہ سوائی (وہب الخیر) متوفی ۷۴ھ

۱۱۰. ابو مُرزام یعلی بن مرۃ بن وہب ثقفی

نوٹ: مذکورہ افراد کی روایات کے حوالے جات کی تفصیل کے لیے علامہ امینی کی کتاب الغدیر ج۱، ص ۱۴ تا ۶۰ طبع بیروت کی طرف رجوع فرما سکتے ہیں۔

سید بن طاووس نے اپنی کتاب طرائف میں ابن عقدۃ کی کتاب الولایۃ سے چند اور افراد کا بھی ذکر کیا ہے جن کے نام یہ ہیں:

۱۱۱. عثمان بن حنیف انصاری

۱۱۲. رفاعۃ بن رافع انصاری

۱۱۳. ابو الحمراء خادم النبیؐ

۱۱۴. جندب بن سفیان عقلی بجلی

۱۱۵. امامۃ بن زید بن حارثہ کلبی

۱۱۶. عبد الرحمٰن بن مدلج۔

نوٹ: مقام رحبہ پر حضرت علی علیہ السلام نے لوگوں کو اکٹھا کیا اور ان کو فرمایا میں تمہیں خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں جس نے غدیر خم کے دن رسول خدا ﷺ سے حدیث غدیر کو سنا ہے وہ گواہی دے تو وہاں تیس صحابہ نے گواہی دی۔[۱]

ان تابعین کے نام جنہوں نے حدیث غدیر کو روایت کیا ہے

۱. ابو راشد حبرانی شامی
۲. ابو سلمہ عبد اللہ (اسماعیل) بن عبد الرحمٰن بن عوف زہری مدنی متوفی ۹۴ھ
۳. ابو سلیمان مؤذن
۴. ابو صالح سلمان ذکوان مدینی متوفی ۱۰۱ھ
۵. ابو عنفوانۃ مازنی
۶. ابو عبد الرحیم کندی
۷. اصبغ بن نباتۃ تمیمی کوفی
۸. ابو لیلیٰ کندی
۹. ایاس بن نذیر
۱۰. جمیل بن عمارۃ

۱۔ کفایۃ الطالب، ص ۵۶؛ ترجمۃ الامام علی بن ابی طالب من تاریخ دمشق، ج ۲ ص ۸ و کتب دیگر۔

۱۱. حارثۃ بن نصر
۱۲. حبیب بن ابی ثابت اسدی کوفی
۱۳. حارث بن مالک
۱۴. حسین بن مالک بن حویرث
۱۵. حکم بن عتیبۃ کوفی کندی متوفی ۱۱۴ یا ۱۱۵ھ
۱۶. حمیدی بن عمارۃ خزرجی انصاری
۱۷. حمید الطویل ابو عبیدۃ بن ابی حمید بصری متوفی سنہ ۱۴۳ھ
۱۸. خثیمہ بن عبد الرحمٰن جعفی
۱۹. ربیعۃ جرشی
۲۰. ابو المثنی ریاح بن حارث نخعی کوفی
۲۱. ابو عمرو اذان کندی بزاز متوفی سنہ ۸۲ھ
۲۲. ابو مریم زرّ بن جیش اسدی
۲۳. زیاد بن ابی زیاد
۲۴. زیاد بن تبع ہمدانی کوفی
۲۵. سالم بن عبد اللہ بن عمر بن خطاب عدوی متوفی ۱۰۶ھ
۲۶. سعید بن جبیر اسدی کوفی
۲۷. سعید بن ابی حدّان

۲۸. سعید بن مسیب قرشی مخزومی متوفی ۹۴ھ
۲۹. سعید بن وہب ہمدانی کوفی متوفی ٧٦ ھ
۳۰. ابو یحییٰ سلمۃ بن کھیل حضرمی کوفی متوفی ۱۲۱ھ
۳۱. ابو صادق سلیم بن قیس ہلالی متوفی ۹۰ھ
۳۲. ابو محمد سلیمان بن مہران اعمش متوفی ۱۴۷ یا ۱۴۸ھ
۳۳. سہم بن حصین اسدی
۳۴. شہر بن حوشب
۳۵. ضحاک بن مزاحم ہلالی متوفی ۱۰۵
۳۶. طاوس بن کیسان یمانی جندی متوفی ۱۰٦ھ
۳۷. طلحۃ بن منصرف ایامی کوفی متوفی ۱۱۲ھ
۳۸. عامر بن سعد بن ابی وقاص مدنی متوفی ۱۰۴ھ
۳۹. عائشہ بنت سعد بن ابی وقاص متوفی ۱۱۷ھ
۴۰. عبد المجید بن منذر بن جارود عبدی
۴۱. ابو عمارۃ عبد خیر بن یزید ہمدانی کوفی
۴۲. عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ متوفی سنہ ۸۲ یا ۸۳ یا ۸٦ھ
۴۳. عبد الرحمٰن سابط، جس کو ابن عبد اللہ بن سابط جمحی مکی کہا جاتا تھا ۱۱۸ھ میں وفات پائی

۴۴. عبد اللہ بن اِسعد بن زرارة
۴۵. اِبو مریم عبد اللہ بن زیاد اِسدی کوفی
۴٦. عبد اللہ بن شریک عامری کوفی
۴۷. اِبو محمد عبد اللہ بن محمد بن عقیل ہاشمی مدنی
۴۸. عبد اللہ بن یعلی بن مرّۃ
۴۹. عدی بن ثابت اِنصاری
۵۰. ابوالحسن عطیۃ بن سعد بن جنادۃ عوفی کوفی متوفی ۱۱۱ھ
۵۱. علی بن زید بن جدعان بصری متوفی سنہ ۱۲۹ یا ۱۳۱ھ
۵۲. ابوہارون عمار بن جوینی عبدی متوفی سنہ ۱۳۴ھ
۵۳. عمر بن عبد العزیز اموی متوفی ۱۰۱ھ
۵۴. عمر بن عبد الغفار
۵۵. عمر بن علی علیہ السلام
۵٦. عمرو بن جعدۃ بن ہبیرۃ
۵۷. عمرو بن مرۃ اِبو عبد اللہ کوفی ہمدانی متوفی ۱۱٦ھ
۵۸. عمرو بن عبد اللہ ابو اسحاق سبیعی ہمدانی متوفی ۱۲۷ھ
۵۹. عمرو بن میمون اِودی
٦۰. عمیرۃ بنت سعد بن مالک

۶۱. عمیرۃ بنت سعد ہمدانی
۶۲. عیسی بن طلحۃ بن عبید اللہ تمیمی
۶۳. ابوبکر فطر بن خلیفۃ مخزومی
۶۴. قبیصۃ بن ذؤیب متوفی ۸۶ھ
۶۵. اِبومریم قیس ثقفی مداینی
۶۶. محمد بن عمر بن علی علیہ السلام
۶۷. ابوالضحی مسلم بن صبیح ہمدانی کوفی عطار
۶۸. مسلم ملائی
۶۹. ابوزرارۃ مصعب بن سعد بن اِبی وقاص زہری مدنی متوفی ۱۰۳ھ
۷۰. مطلب بن عبد اللہ قرشی مخزومی مدنی
۷۱. مطر ورّاق
۷۲. معروف بن خربوذ
۷۳. منصور بن ربعی
۷۴. مہاجر بن مسمار زہری مدنی
۷۵. موسی اِکتل بن عمیر نمیری
۷۶. ابوعبد اللہ میمون بصری مولی عبد الرحمٰن بن سمرۃ
۷۷. نذیر ضبی کوفی

۷۸. ہانی بن ہانی ہمدانی کوفی

۷۹. أبوبلج یحییٰ بن سلیم فزاری واسطی

۸۰. یحییٰ بن جعدۃ بن ہبیرۃ مخزومی

۸۱. یزید بن إبی زیاد کوفی متوفی سنہ ۱۳۶ھ

۸۲. یزید بن حیان تیمی کوفی

۸۳. ابو داؤدیزید بن عبد الرحمٰن بن اودی کوفی

۸۴. ابو نجیح یسار ثقفی متوفی سنہ ۱۰۹ھ

نوٹ: مذکورہ رواۃ کی تفصیل اور کتب اہل سنت سے ان کی روایات کے حوالا جات کے لیے الغدیر ج۱، ص ۶۲تا ۷۲ طبع بیروت کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

حدیث دوم: حدیث منزلت: از صحیح بخاری کتاب المغازلی، ان رسول اللہ (ص) خرج الی تبوك و استخلف علیّا فقال أتخلفنی فی الصبیان و النساء قال ألا ترضی ان تکون منّی بمنزلة ھارون من موسیٰ الّا انه لا نبی بعدی۔[1]

۱۔ صحیح مسلم، ۷/ ۱۲۰؛ سنن ترمذی ۵/ ۳۰۲، ۳۰۴، باب مناقب علی ابن ابی طالب؛ سنن ابن ماجہ ،۱/ ۴۵؛ خصائص نسائی، ۴۸، ۵۰؛ مستدرک حاکم، ج۲/ ۳۳۷، ج۳/ ۱۰۸۔ ۱۳۳؛ مسند احمد، ۱/ ۳۶۰؛ کفایۃ الاثر، ۱۳۵؛ عیون اخبار الرضا، ۲/ ۱۲۲، باب ۳۵، ج۲، باب ۳۱، ص ۲۵؛ خصال ۳۱۱؛امالی صدوق، ۱۵۶، مجلس ۲۱؛ارشاد مفید۱/ ۱۵۶و کتب دیگر۔

بے شک رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنگ تبوک کی طرف نکلے اور حضرت علیؑ کو (اپنا) خلیفہ مقرر فرمایا، حضرت علیؑ نے عرض کیا: کیا آپؐ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جارہے ہیں؟ فرمایا: کیا تو راضی نہیں ہے کہ تمہیں مجھ سے وہی منزلت حاصل ہے جو کہ ہارون کو موسیٰ سے تھی بجز اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

صحیح بخاری کتاب فضائل الصحابہ: قال النبی (ص) لِعَلیٍّ أما ترضی ان تکونَ مِنّی بمنزلة هارونَ من موسی؟

تہذیب التہذیب عسقلانی، ج۷، ص ۳۳۷ کی عبارت: انت منی بمنزلة هارون من موسی الا انه لا نبی بعدی۔

کفایۃ الطالب صفحہ ۲۸۳ اور خصائص نسائی صفحہ ۸۷ کی عبارت: أما ترضی ان تکون منّی بمنزلة هارون من موسی الّا انه لا نبوة بعدی۔ اور اسی کتاب کے صفحہ ۲۸۱ پر یہی حدیث موجود ہے البتہ اِما کی جگہ پر اِلا کے ساتھ۔

اِسمی المناقب، صفحہ ۴۸ اور خصائص نسائی ص ۷۷ کی عبارت: أو ما ترضی ان تکون فی بمنزلة هارون من موسی الا النبوّة؟

ملخص حدیث منزلت یہ کہ حضورؐ نے علیؑ کو فرمایا کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ تجھے مجھ سے وہی منزلت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی مگر میرے بعد نبوت نہیں ہے۔ یعنی نبوت کے علاوہ جو مناصب، مناقب اور مراتب

حضرت ہارون کے لیے تھے وہی آپ کو بھی حاصل ہیں حضرت ہارون، حضرت موسیٰ کے بلا فصل خلیفہ تھے حضرت علیؑ بھی حضورؐ کے بلا فصل خلیفہ ہیں۔ حضرت ہارون معصوم تھے حضرت علیؑ بھی معصوم ہیں۔

- یہ حدیث صحیح ہے اور اس کی صحت پر سب کا اتفاق ہے۔ چنانچہ جزری اپنی کتاب اِسمی المناقب کے صفحہ ۴۸ پر لکھتے ہیں: متفق علی صحته بمعناه من حديث سعد بن ابی وقاص؛
- کفایۃ الطالب صفحہ ۲۸۳ میں اہل سنت کے عالم گنجی لکھتے ہیں کہ هذا حديث متفق على صحته ---- و اتفق الجميع على صحته حتى صار ذلك اجماعا منهم؛ اس حدیث کی صحت اتفاقی ہے سب نے اس کی صحت پر اتفاق کیا ہے یہاں تک کہ ان کا اجماع ہو گیا ہے۔
- ابن عبد البرّ اپنی کتاب استیعاب، ج ۲، ص ۴۶ پر لکھتے ہیں: "روى قوله انت من بمنزلة هارون منى موسىٰ " جماعة من الصحابه وهو من اثبت الاثار و اصحّها۔ عسقلانی اپنی کتاب فتح الباری ۷/ ۹۲ پر لکھتے ہیں کہ (حدیث منزلت) کی اسناد قوی ہیں۔
- حاکم حسکانی اپنی کتاب شواہد التنزیل ۱/ ۱۹۹ میں لکھتے ہیں: هذا هو الحديث المنزلة الذى كان شيخنا ابوحازم الحافظ يقول خرجته

بخمسة ألاف اسناد؛ یہ وہ حدیث منزلت ہے جس کے بارے میں ہمارے شیخ ابو حازم حافظ کہتے تھے کہ میں نے اس کی تخریج پانچ ہزار اسناد کے ساتھ کی ہے۔

- حاکم نیشاپوری اپنی کتاب مستدرک ۲/ ۳۳۷ پر لکھتے ہیں: هذا حديث دخل في حد التواتر؛ یہ حدیث تواتر کی حدّ میں داخل ہے۔

نوٹ: علامہ سبط ابن جوزی نے بھی اپنی کتاب تذکرۃ الخواص باب ثانی میں اس حدیث کو صحیح اور مشہور آثار سے تسلیم کیا ہے۔ اور ائمہ صحاح نے اس حدیث کو اپنی صحاح میں نقل کیا ہے۔

رواۃ حدیث: اس حدیث منزلت کے راوی کثیر تعداد میں ہیں جن کو حافظ دمشقی نے اپنی کتاب تاریخ دمشق میں نقل کیا ہے جن کو حافظ گنجی نے بھی اپنی کتاب کفایۃ الطالب ص ۲۸۵ پر نقل کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

روى الحافظ الدمشقي في كتابه قول النبي (ص) لعليٍ (ع) انت مني بمنزلة هارون من موسیٰ عن عدد كثير من اصحاب رسول الله (ص) منهم عمرو، علی و سعد و ابوهريرة و ابن عباس و ابن جعفر و معاوية و جابر بن عبد الله و أبو سعيد الخدري و البراء بن عازب و زيد بن ارقم و جابر بن سمرة و أنس بن مالك۔ و زيد بن أوفى و نبيط بن شريط و مالك بن الحويرث و أم سلمه و أسما

بنت عمیس و فاطمة بنت حمزہ و غیرھم و ذکر لکل واحد فھم طرقا و اتحد معنی الجمیع۔

مخفی نہ رہے کہ حدیث منزلت بہت طرق سے منقول ہے۔ بعض محققین نے حدیث منزلت کی طریق سعد بن ابی و قاص کے علاوہ بھی پچاس دیگر طرق کو ذکر کیا ہے[1]۔

مخفی نہ رہے کہ اس حدیث منزلت کو حضورؐ نے حضرت علی علیہ السلام کی شان میں دس مرتبہ فرمایا ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے آباء طاہرین علیہم السلام سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے دس مقامات پر حضرت علیؑ کی شان میں فرمایا: انت منی بمنزلة ھارون من موسی: کہ تمہیں مجھ سے وہی منزلت حاصل ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی[2]۔

وہ دس مقامات درج ذیل ہیں:

۱. بوقت ولادت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام
۲. بوقت مواخات بین الاصحاب
۳. روز خیبر
۴. روز غدیر

۱۔ تذکرۃ الخواص، تحقیق حسین تقی زادہ، ج۱، ص ۲۰۵ (حاشیہ)۔
۲۔ ینابیع المودۃ ۱/ ۲۵۲۔

۵. روز سد الابواب

۶. سلمان صحابی کو خطاب کرکے فرمایا

۷. عقیل، جعفر اور علیؑ سے اپنی محبت کرنے کی علت کے بیان کے وقت

۸. بوقت ارشاد حدیث لحمه لحمی

۹. بوقت ارشاد یا علی (ع) انت اول المؤمنین ایمانا و اوّل المسلمین اسلاما

۱۰. جنگ تبوک پر جاتے ہوئے۔

دلالت حدیث منزلت

مخفی نہ رہے کہ حدیث منزلت میں لفظ منزلت ہارون کی طرف مضاف ہے اور اس میں عموم پایا جاتا ہے۔ یعنی جو مناصب، منازل حضرت ہارون کے لیے تھیں وہی حضرت علیؑ کے لیے بھی ثابت ہیں حضرت ہارون، حضرت موسیٰ کے وزیر اور خلیفہ تھے حضرت علیؑ بھی پیامبر اسلامؐ کے وزیر اور خلیفہ بلافصل ہیں اور حضرت علیؑ کے بارے میں آپ نے فرمایا: انت اخی فی الدنیا و الاخرۃ؛ اے علیؑ آپ میرے دنیا و آخرت میں بھائی ہیں۔ [1]

۱۔ سنن ترمذی ۲/ ۲۹۹؛ مستدرک الصحیحین للحاکم النیشاپوری ۳/ ۱۴؛ مناقب علی بن ابی طالب لابن مغازلی ص ۵۳؛ کفایۃ الطالب، ص ۱۹۴ پر حافظ گنجی فرماتے ہیں: ھذا حدیث حسن عالی صحیح۔ یہ حدیث حسن عالی صحیح ہے۔ و کتب دیگر۔

حضرت ہارون کی اطاعت، امت حضرت موسیٰ پر واجب تھی، حضرت علیؑ کی اطاعت بھی واجب ہے حضرت ہارون امت موسی میں سب سے زیادہ علم اور فضیلت رکھتے تھے اسی طرح حضرت علیؑ بھی امت محمد ﷺ میں سب سے اعلم اور افضل ہیں۔ امت موسیٰ پر حضرت ہارون کی مخالفت حرام تھی۔ امت محمدؐ پر حضرت علیؑ کی مخالفت حرام ہے جس طرح حضرت موسیٰ کے کوہ طور جانے کے بعد حضرت ہارون مظلوم ہوگئے تھے اسی طرح حضورؐ کے بعد حضرت علیؑ بھی مظلوم ہوگئے۔ حضرت ہارون معصوم تھے حضرت علی ع بھی معصوم ہیں، حدیث منزلت میں استثناء صرف نبوت کے حوالے سے ہے کہ حضرت ہارون نبی بھی تھے لیکن حضورؐ کے بعد نبوت نہیں ہے لہٰذا حضرت علیؑ نبی نہیں ہیں۔ رہا مسئلہ کہ حضرت ہارونؑ، حضرت موسیٰ کی زندگی میں رحلت کر گئے تھے تو یہ چیز، حضرت علیؑ کا حضورؐ کے بعد بھی بلافصل خلیفہ ہونے سے منافات نہیں رکھتی چونکہ اگر حضرت ہارون زندہ رہتے تو جس طرح حضرت موسیٰ کی زندگی میں ان کے خلیفہ تھے ان کی موت کے بعد بھی ان کے خلیفہ ہوتے حضرت ہارون، حضرت موسیٰ کے خلیفہ بھی تھے اور نبی بھی تھے۔

حدیث منزلت میں حضورؐ نے نبوت کو مستثنیٰ کیا ہے کہ میرے بعد نبوت نہیں ہے لہٰذا علی علیہ السلام نبی نہیں ہوں گے لہٰذا حدیث میں اتصال نبوت کے حوالے سے نہیں ہے بلکہ خلافت کے حوالے سے ہے کہ ہارون موسیٰ کے خلیفہ

تھے اور حضورؐ کے خلیفہ حضرت علی ع ہیں۔ اس کی تصریح اہل سنت کے معروف عالم ملاں علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوۃ ۱۱/ ۳۳۶ پر یوں کی ہے:
معنی الحدیث انت متصل بی نازل منی منزلة ھارون من موسیٰ و فیه تشبیه مبهم بیّنه بقوله الا انه لا نبی بعدی فعرف ان الاتصال المذکورہ بینهما لیس من جهة النبوۃ بل من جهة ما دونها و هو الخلافة؛ حدیث کا معنی یہ ہے کہ اے علیؑ! تو میرے ساتھ متصل ہے اور تجھ کو میرے ساتھ ہر وہ منقبت و منزلت حاصل ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے حاصل تھی اور اس کلام میں تشبیہ مبہم ہے جس کو حضورؐ نے الّا انه لا نبی بعدی سے بیان فرمایا ہے پس معلوم ہوا کہ اتصال مذکورہ حضورؐ اور حضرت علی علیہ السلام میں نبوت کی جہت سے نہیں ہے بلکہ نبوت کے علاوہ ہے اور وہ خلافت ہے پس دونوں میں اتصال خلافت سے ہے۔ اور اس چیز کی تصریح فتح الباری ۷/ ۹۳ اور ارشاد الساری شرح صحیح بخاری اور دیگر کتب میں بھی موجود ہے۔

مخفی نہ رہے کہ مدینہ میں حضرت علی علیہ السلام کا بعنوان خلیفہ رہنا تشریفاتی نہیں تھا بلکہ ضروری اور لازمی تھا چنانچہ برا اور زید بن ارقم کی حدیث کی ابتداء میں ہے کہ حضورؐ نے علی علیہ السلام کو فرمایا: لا بد أن اقیم أو تقیم؛ مدینہ میں میرا یا آپ کا رہنا ضروری ہے۔ (۱)

۱۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری ۷/ ۹۳، طبع قاہرہ۔

مدینہ چونکہ دار الاسلام اور مرکز تھا وہاں سب امور کے انتظامات کے لیے حضرت علیؑ خلیفہ تھے نہ صرف حضورؐ کے اہل و عیال میں خلیفہ تھے بلکہ مدینہ کے امور کی نسبت بھی خلیفہ تھے۔ چنانچہ عسقلانی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں خلفه رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی المدینة ؛ رسول خدا نے ان کو مدینہ میں اپنا خلیفہ مقرر فرمایا۔[1]

اور ابن عبد بر اپنی کتاب میں لکھتے ہیں: الا تبوك خلفه رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی المدینة و علی عیاله و قال له انت منی بمنزلة هارون من موسی الّا انه لا نبی بعدی۔[2]

ملخص یہ کہ حضورؐ (علیؑ) کو مدینہ اور اپنے عیال میں جنگ تبوک کے موقع پر خلیفہ بنا گئے تھے۔

حدیث منزلت کے مدارک

صحیح بخاری (باب مناقب علی بن ابی طالب)

صحیح مسلم ج ۷، ص ۱۲۱

سنن ترمذی، ج ۵، ص ۹۴۱

المستدرک حاکم، ج ۳، ص ۱۰۹، ۱۳۳، بسند صحیح

۱۔ تاریخ الخلفاء سیوطی، ص ۱۸۵ کے الفاظ استخلفه علی المدینة۔

۲۔ استیعاب فی اسماء الاصحاب ج ۲/ ۴۶ (ذکر ترجمہ علیؑ)۔

خصائص امیر المومنین علی بن ابی طالب (للنسائی) ص ۷۶۔ ۷۷۔ ۷۸۔ ۷۹۔ ۸۰۔ ۸۱۔ ۸۲۔ ۸۳۔ ۸۴۔ ۸۵

مسند احمد، ج ۱، ص ۱۷۴

الاستیعاب، ج ۲، ص ۴۶ (باب علیؑ)

فتح الباری شرح صحیح البخاری، ج ۷، ص ۸۸

کنزالعمال، ج ۱۳، ص ۱۶۳

مناقب علی بن ابی طالب لابن المغازلی، ص ۴۴۔ ۴۵۔ ۴۶۔ ۴۷۔ ۴۸۔ ۴۹۔ ۵۰۔ ۵۱۔ ۵۲

کفایۃ الطالب، ص ۲۸۲۔ ۲۸۳

المناقب خوارزمی، ص ۱۰۸، ۱۳۳، ۱۳۹، ۱۵۸

مناقب علی بن ابی طالب ومانزل من القرآن فی علیٍ لابن مردویہ ص ۱۱۲

تذکرۃ الخواص (باب ثانی)

البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر دمشقی، حوادث سنہ ۹ھ وسنہ ۴۰ھ

حلیۃ الاولیاء، ج ۷، ص ۱۹۵۔ ۱۹۶ (حالات شعبہ بن حجاج)

سنن کبری بیہقی، ج ۹، ص ۴۰

ترجمہ الامام علی بن ابی طالب من تاریخ دمشق لابن العساکر، ج ۱، ص ۳۰۶ تا ۳۹۰

شواہد التنزیل ا، ص ۱۵۰ (آیت اطاعت کی تفسیر میں)

فرائد السمطین ا، ص ۳۷۷

طبقات لابن سعد، ج ۳، ص ۲۴

مشکوۃ شریف، ج ۳، ص ۲۵۸

و کتب دیگر

نوٹ: شوریٰ کے دن حضرت علیؑ نے اپنے مناشدہ میں اپنی خلافت پر حدیث منزلت سے بھی استدلال کیا ہے۔ کتاب الولایۃ لابن عقدۃ الکوفی، ص ۱۷۶۔

نتیجۃ الکلام

کہ حضرت ہارون، حضرت موسیٰ کے وزیر اور خلیفہ تھے[1] حضرت ہارون ووٹوں کے ذریعہ وزیر اور خلیفہ نہیں بنے۔ بلکہ حضرت موسیٰ نے خدا سے دعا کی کہ میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنادے اور کوہ طور پر جاتے ہوئے حضرت موسیٰ نے ہارون کو اپنا خلیفہ مقرر فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ میری قوم یعنی (امت) کی اصلاح کرتے رہنا۔

ا۔﴿ وَاجْعَلْ لِي وَزِيرًا مِنْ أَهْلِي۔ هَارُونَ أَخِي۔ اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي۔ وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي ﴾(سورہ طہ، آیات ۲۹ تا ۳۲) حضرت موسیٰ نے پروردگار سے دعا کی (پروردگارا) میرے اہل میں سے میرا وزیر قرار دیدے ہارون کو جو میرا بھائی بھی ہے اس سے میری پشت کو مضبوط کردے اسے میرے کام میں شریک بنادے۔ ﴿وَقَالَ مُوسَى لأَخِيهِ هَارُونَ اخْلُفْنِي فِي قَوْمِي وَأَصْلِحْ الخ﴾ (سورہ اعراف آیت ۱۴۲) اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون س کہا کہ تم میری قوم میں خلیفہ ہو اور اصلاح کرتے رہو۔ کفایۃ الطالب، ص ۱۱۴۔

حضرت ہارون وزارت اور خلافت کے منصب کے علاوہ نبی بھی تھے پیغمبر اسلامؐ نے حدیث منزلت میں حضرت علی علیہ السلام کو فرمایا تجھے مجھ سے وہی منزلت حاصل ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی مگر یہ کہ میرے بعد نبوت نہیں ہے۔ پس حدیث میں اتصال از جہت خلافت کے ہے نہ کہ از جہت نبوت کے۔ یعنی جس طرح ہارون نص کے ساتھ، حضرت موسیٰ کے خلیفہ تھے اسی طرح تم بھی میرے خلیفہ و جانشین ہو نصّ کے ساتھ۔

اور خصائص نسائی صفحہ ۶۴ پر حدیث منزلت میں و انت خلیفتی تو میرا خلیفہ ہے کے الفاظ بھی موجود ہیں۔ نیز حضورؐ نے حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: ان علیا منی و انا منه و هو ولی کل مؤمن من بعدی فلا تخالفوه فی حکمه؛ بے شک علی مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں اور وہ میرے بعد ہر مومن کے ولیّ (حاکم) ہیں پس ان کے حکم کی مخالفت نہ کرنا۔[1]

چنانچہ ترمذی نے بھی حضورؐ کے فرمان کو اپنی سنن میں نقل کیا ہے: ان علیاً منی و انا منه و هو ولیّ کل مؤمن بعدی[2]؛ بے شک علی مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں اور وہ میرے بعد ہر مومن کے ولی و حاکم ہیں۔

۱۔ مسند احمد، ۴/ ۴۳۷؛ مستدرک حاکم، ۳/ ۱۱۰ و کتب دیگر۔

۲۔ سنن ترمذی، باب مناقب علی بن ابی طالب؛ و خصائص نسائی، ص ۹۸؛ کنز العمال، ۶/ ۳۹۹؛ مستدرک حاکم ۳/ ۱۱۱ و کتب دیگر۔

جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ کو اپنا خلیفہ مقرر فرما دیا تھا تو پھر حضورؐ کی رحلت کے بعد ان کا جنازہ چھوڑ کر[1] سقیفہ جانے کی کیا ضرورت تھی؟

سوال: حضورؐ کے بعد لوگ، حضرت علیؑ کی خلافت سے کیوں منحرف ہو گئے تھے؟

جواب: حضور کی اس پیشگوئی پر اچھی طرح غور فرمائیں:

ایک نسبۃً طوالانی حدیث کے ذیل میں ہے: فلما خلا له الطریق اعتنقنی ثم أجهش باكيا فقلت يا رسول الله ما يبكيك؟ قال ضغائن فی صدور اقوام لا يبدونها لك الا بعدی فقلت فی سلامة من دينی؟ قال فی سلامة من دينك۔ رواه ابن عساكر فی تاريخه۔

اور دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں قال ضغائن فی صدور رجال عليك، لن يبدوها لك الامن بعدی الخ۔ رواه ايضاً ابن عساكر[2]۔ ملخص یہ کہ خود حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ رسول خدا اور میں ایک دفعہ مدینہ کی بعض گلیوں میں کسی کام کے لیے چل رہے تھے ہم ایک باغ کے قریب سے گزرے تو

۱۔ الفاروق شبلی نعمانی، مکتبہ اسلامیہ، ص ۶۳ (باب) سقیفہ بنی ساعدہ۔

۲۔ حافظ ابن عساکر نے تاریخ دمشق باب مناقب علی ابن ابی طالب میں اس مضمون کی پانچ روایات کو ذکر کیا ہے۔ کنز العمال، ۶/ ۴۰۸؛ مجمع الزوائد ۹/ ۱۱۸؛ کفایۃ الطالب، ص ۲۷۳؛ ریاض النضرۃ ۲/ ۲۱۰؛ مستدرک علی الصحیحین ۳/ ۱۳۹؛ باب مناقب علیؑ؛ تاریخ بغداد ۱۲/ ۳۹۷؛ نور الابصار، ص ۱۶۱ و کتب دیگر۔

میں نے عرض کیا یارسول اللہؐ: یہ باغ کتنا خوبصورت ہے؟ حضورؐ نے مجھ سے فرمایا کہ آپ کے لیے جنت میں اس سے بھی زیادہ حسین باغ ہے اسی طرح ہم نے سات باغ دیکھے اور آنجنابؐ مجھے بشارت دیتے رہے کہ تمہارے لیے جنت میں ان سے بھی خوبصورت باغات ہیں ایک مقام پر راستہ بالکل خالی ہوگیا، پیغمبرؐ نے مجھے گلے لگایا اور رونے لگے میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ آپؐ کو کس چیز نے رلایا ہے آپؐ نے فرمایا لوگوں کے دلوں میں آپ کے متعلق کینے ہیں جو میرے بعد ظاہر ہوں گے۔ میں نے عرض کیا (لوگوں کے کینوں اور بغض کے باوجود) اس میں میرے دین کی سلامتی ہے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں آپ کے دین کی سلامتی ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت علیؑ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ ان حالات میں، میں کیا کروں؟ فرمایا: صبر کرنا۔ ترجمۃ الامام علی بن ابی طالب من تاریخ دمشق لابن العساکر، ج ۲، ص ۳۳۵۔

قال علی عهد الی النبی(ص) أنّ الامّة ستغدربك من بعدی، رواه ابن عساکر فی تاریخه[1]۔

ا۔ ترجمہ الامام علی بن ابی طالب من تاریخ دمشق، ج ۳، ص ۱۴۸؛ المستدرک حاکم ج ۳، ص ۱۴۰، ۱۴۲ (الفاظ میں مختصر تفاوت کے ساتھ)۔

حضرت علیؑ فرماتے ہیں حضورؐ نے جو مجھ سے عہد کیے (ان میں سے) ایک یہ ہے کہ بالتحقیق امت، میرے بعد تجھ سے عذر کرے گی۔ حاکم نیشاپوری فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ نیز اہل سنت کی کتب میں یہ بھی موجود ہے کہ حضورؐ نے فرمایا (اے علیؑ) لوگوں کے دلوں میں تیرے لیے کینے ہیں جن کو وہ میرے بعد ظاہر کریں گے [۱]۔ جیسا کہ اوپر بھی اس چیز کا ذکر گزر چکا ہے۔

حضرت علیؑ کی منزلت حضرت ہارون جیسی ہے جس طرح حضرت موسیٰ کے کوہ طور جانے کے بعد ان کی قوم ان کے خلیفہ حضرت ہارون سے منحرف ہو کر سامری کے گوسالہ کی پرستش کرنے لگی تھی اسی طرح حضورؐ کے بعد لوگوں نے حدیث غدیر کو فراموش کر دیا اور دنیا کی خاطر، حضرت علیؑ سے منحرف ہو گئے۔ [۲]

منقول ہے کہ حضورؐ کے بعد لوگ نہ تنہا حضرت علیؑ کو سلام نہیں کرتے تھے بلکہ آنجنابؑ کے سلام کا جواب بھی نہیں دیتے تھے۔

۱۔ المناقب خوارزمی، ص ۶۵؛ کنز العمال، ج ۱۳، ص ۱۷۶؛ ترجمہ الامام علی بن ابی طالب ج ۲، ص ۳۲۲۔ ۳۲۳۔ ۳۲۵؛ مناقب علی بن ابی طالب لابن مردویہ، ص ۱۲۴۔

۲۔ ہاں جب علمی مشکلات میں دوچار ہو جاتے تو آبرو ریزی سے بچنے کی خاطر حضرت علیؑ سے پناہ لیتے تھے۔

دوسری حدیث، حدیث ثقلین

عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ قَالَ لَمَّا رَجَعَ النبی (ص) مِنْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ و نَزَلَ غَدِيرَ خُمٍّ أَمَرَ بِدَوحَاتٍ فَقُمِّمن ثُمَّ قَالَ كَأَنِّي دُعِيتُ فَأَجَبْتُ إِنِّي تَارِكٌ فِيكُمُ الثَّقَلَيْنِ أَحَدُهُمَا أَكْبَرُ مِنَ الْآخَرِ كِتَابَ اللهِ وَعِتْرَتِي اهل بَيْتِي، فَانْظُرُوا كَيْفَ تَخْلُفُونِّي فِيهِمَا فَإِنَّهُمَا لَنْ يَفْتَرِقَا حَتَّى يَرِدَا عَلَىَّ الْحَوْضَ ثُمَّ قَالَ إِنَّ اللهَ مَوْلَاىَ وَ أَنَا مَوْلَى كُلِّ مُؤْمِنٍ ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِ عَلِيّ رضی اللہ عنہ فَقَالَ مَنْ كُنْتُ وَلِيَّهُ فَهَذَا وَلِيُّهُ اللَّهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ۔ (۱)

بعض روایات میں: إِنِّي تَارِكٌ فِيكُمْ مَا إِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِ لَنْ تَضِلُّوا بَعْدِي أَحَدُهُمَا أَعْظَمُ مِنَ الْآخَرِ كِتَابُ اللهِ حَبْلٌ مَمْدُودٌ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الأرضِ وَعِتْرَتِي أَهْلُ بَيْتِي و لَنْ يَفْتَرِقَا حَتَّى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضَ فَانْظُرُوا كَيْفَ تَخْلُفُونِّي کے الفاظ نقل ہوئے ہیں۔

اور بعض روایات میں: إِنِّي تَارِكٌ فِيكُمْ خَلِيفَتَين کے الفاظ نقل ہوئے ہیں۔ (۲)، (۳)

۱۔ خصائص امیر المومنین (نسائی) ص ۹۳ و کتب دیگر۔

۲۔ در منثور سیوطی، ۲/ ۶۰؛ احیاء المیت، ص ۴۸؛ مجمع الزوائد ۹/ ۱۶۲؛ مسند احمد ۵/ ۱۸۲ و کتب دیگر۔

۳۔ حدیث ثقلین مختلف الفاظ کے ساتھ شیعہ، سنی کی بہت سی کتب میں نقل ہوئی ہے لیکن سب کا مفاد ایک ہی ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث ثقلیں کو حضورؐ نے چار یا پانچ مرتبہ مختلف مقامات پر فرمایا ہے، حجۃ الوداع کے دن، عرفات کے دن، طائف سے واپسی پر خطبہ میں، غدیر کے دن اپنے خطبہ میں،

سند کے لحاظ سے حدیث ثقلین صحیح اور نا قابل انکار ہے۔

دونوں روایتوں کا ملخص یہ کہ زید بن ارقم نے کہا جب رسول خدا ﷺ حجۃ الوداع سے واپس آئے اور مقام غدیر خم پر سایہ بان کے برپائی کا حکم دیا پس اس کا انتظام کیا گیا۔

پھر فرمایا: میں بلایا گیا ہوں پس جانے والا ہوں اور تم میں دو گراں بہا چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں اگر تم نے ان سے تمسک رکھا تو میرے بعد کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔

ایک ان میں دوسرے سے بڑی ہے (ان میں ایک) کتاب اور (دوسرے) میرے اہل بیتؑ عترت ہیں پس میں دیکھوں گا کہ تم میرے بعد ان سے کس طرح کا برتاؤ کرتے ہو اور وہ ایک دوسرے سے کبھی جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر آئیں گے۔

پھر فرمایا: بے شک اللہ میرا مولا ہے اور میں ہر مومن کا مولا (حاکم) ہوں پھر حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا جس کا میں ولی (حاکم) ہوں پس اس کا یہ علیؑ بھی ولی و حاکم ہے۔ اے اللہ! جو اس کو دوست رکھے تو بھی اس کو دوست رکھ اور جو اس سے دشمنی رکھے تو اس کو دشمن رکھ۔

اپنے حجرہ میں اصحاب کو وصیت کرتے ہوئے بوقت وفات۔ جن بعض روایات میں لفظ سنتی آیا ہے وہ روایات ضعیف بلکہ جعلی ہیں، اولاً تو بخاری اور مسلم میں نقل نہیں ہوئیں و ثانیاً ان کے رواۃ قابل قبول نہیں ہیں۔

حدیث ثقلین کے حوالہ جات

درج ذیل کتب میں حدیث ثقلین کو مختلف الفاظ کے ساتھ ملاحظہ فرما سکتے ہیں:

١. صحیح مسلم، باب فضائل علی بن ابی طالبؑ، ج۳، ص ۵۲۲، طبع کراچی

۲. سنن ترمذی، ج۵، ص ۳۲۹، ح ۳۸۷٦، طبع دار الفکر

۳. تفسیر در منثور، ج٦، ص ۷

۴. تفسیر ابن کثیر، ج۴، ص ۱۱۳

۵. تفسیر خازن، ج١، ص ۴

٦. المستدرک حاکم، ج۳، ص ۱۰۹

۷. کنز العمال، ج ۱۳، ص ۱۴۰

۸. مشکوۃ شریف، ج۲، ص ۲۷۱

۹. معجم صغیر طبرانی، ج١، ص ۱۳۵

۱۰. اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابہ، لابن اثیر، ج۲، ص ۱۳

۱۱. صواعق محرقہ، ص ۱۴۷۔ ۲۲٦

۱۲. نظم درر السمطین زرندی حنفی، ص ۳۲۸

۱۳. ذخائر العقبی، ص ١٦

۱۴. فرائد السمطین، ، ۲، ص ۲۳۴، ص ۲٦۸۔ ۲۷۲۔ ۲۷۴

۱۵. مجمع الزوائد، ج۹، ص ١٦۲، ۱۵۴

۱۶. کفایۃ الطالب گنجی شافعی، ص ۲۵۹
۱۷. منصب امامت اسماعیل دہلوی، ص ۷۹
۱۸. انساب الاشراف (بلاذری) ج ۲، ص ۱۱۲
۱۹. احیاء المیت (لسیوطی) ص ۷۴ طبع بیروت
۲۰. مناقب علی بن ابی طالب لابن المغازلی
۲۱. تقویۃ الایمان، ص ۱۴۶
۲۲. المناقب خوارزمی، ص ۲۰۰
۲۳. ترجمہ الامام علی بن ابی طالب من تاریخ دمشق، لابن العساکر، ج ۲، ص ۳۶۔ ۴۶
۲۴. مسند احمد، ج ۳، ص ۱۷، ۲۶، ۵۹، ج ۴، ص ۳۶۶، ۳۷۱، ج ۵، ص ۱۸۱
۲۵. تشریح و محاکمہ در تاریخ آل محمدؐ ص ۵۵
۲۶. الاتحاف بحب الاشراف للشبراوی الشافعی، ص ۲۲
۲۷. النہایۃ لابن الاثیر ج ۱، ص ۱۵۵
۲۸. مرقاۃ شرح مشکوۃ، ج ۱۱، ص ۳۷۶، ص ۳۸۵ طبع ملتان
۲۹. وکتب دیگر۔

حدیث ثقلین کے راویوں کے نام

۱. امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام

۲. امام حسن علیہ السلام
۳. سلمان فارسی
۴. ابوذر غفاری
۵. عبداللہ بن عباس
۶. ابوسعید خدری
۷. جابر بن عبداللہ انصاری
۸. ابوالہیثم بن التیہان
۹. ابورافع
۱۰. حذیفہ بن یمان
۱۱. حذیفہ بن اِسید غفاری
۱۲. خزیمہ بن ثابت ذوالشہادتین
۱۳. زید بن ثابت
۱۴. زید بن اِرقم
۱۵. ابوہریرۃ
۱۶. عبداللہ بن حنطب
۱۷. جبیر بن مطعم
۱۸. براء بن عازب

۱۹. انس بن مالک
۲۰. طلحۃ بن عبد اللہ تیمی
۲۱. عبد الرحمٰن بن عوف
۲۲. سعد بن ابی وقاص
۲۳. عمرو بن عاص
۲۴. سہل بن سعد انصاری
۲۵. عدی بن حاتم
۲۶. ابو ایوب انصاری
۲۷. ابو شریح خزاعی
۲۸. عقبۃ بن عامر
۲۹. ابو قدامۃ انصاری
۳۰. ابو لیلیٰ انصاری
۳۱. ضمیرۃ اسلمی
۳۲. عامر بن لیلیٰ بن ضمرۃ
۳۳. حضرت فاطمۃ الزہراؑ
۳۴. ام المومنین حضرت سلمہؓ
۳۵. حضرت ام ہانیؓ

نوٹ نمبر ا: ان کی روایات کو عبقات الانوار حدیث ثقلین ج ا، ج ۲ میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

نوٹ نمبر ۲: حدیث ثقلین کی سند معتبر ہے کئی ایک علماء اہل سنت نے اس حدیث کی صحت کا اعتراف کیا ہے اور اس حدیث کے تواتر معنوی کا انکار سوائے جاہل اور متعصب کے اور کوئی نہیں کر سکتا کما لا یخفی۔

اہل سنت کے حافظ ہیثمی اپنی کتاب مجمع الزوائد ج ۹، ص ۱۶۲۔ ۱۶۳ پر حدیث ثقلین کو نقل کرنے کے بعد تحریر کرتے ہیں کہ رواہ احمد و اسنادہ جید۔ اس کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور اس کی سندیں جید (اچھی) ہیں۔

حاکم نیشاپوری اپنی کتاب المستدرک ج ۳، ص ۱۰۹ پر حدیث غدیر کے ضمن میں حدیث ثقلین کو بھی نقل کیا ہے نقل حدیث کے بعد صحت حدیث کا اعتراف کیا ہے۔

ابن حجر مکی اپنی کتاب صواعق محرقہ کے صفحہ ۱۵۰ پر حدیث کے آخر میں لکھتا ہے کہ وسندہ لا بأس بہ، اس حدیث کی سند میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ نیز ۱۴۵ پر اس حدیث کو صحّ أنہ قال سے شروع کیا ہے۔

دلالت حدیث

اس حدیث شریف نے سب ابہامات کو دور کر دیا ہے اور اس نظریہ کو باطل کر دیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے اپنے بعد اپنی امت کی ہدایت و

رہبری کے لیے کسی کو معین نہیں فرمایا بلکہ اس امر خلافت و امامت کو امت پر چھوڑ دیا ہے۔

حالانکہ پیامبر اسلام ﷺ فرماتے ہیں: انی تارك فیکم (یا قد ترکت) میں تم میں چھوڑے جارہا ہوں یعنی تمہاری ہدایت اور رہبری کا بندوبست کرکے جا رہا ہوں قانون اسلام اور ہدایت کی کتاب قرآن اور اس کے مفسر اور اس کے احکام کو نافذ کرنے والے اپنے اہل بیتؑ کو تم میں چھوڑے جارہا ہوں۔ اگر تم نے ان سے تمسک رکھا تو میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ تو معلوم ہوا جن میں چھوڑے جارہے ہیں ان کے گمراہ ہونے کا خوف ہے اور جن کو چھوڑا گیا ہے وہ معصوم اور بے عیب ہیں۔

پھر قرآن اور اہل بیتؑ ایک دوسرے سے کبھی بھی جدا نہیں ہوں گے۔ تو معلوم ہوا ہر زمانے میں اہل بیتؑ کا کوئی نہ کوئی فرد ضرور موجود ہے جس کے ساتھ تمسک کا حکم دیا گیا ہے ورنہ لازم آئے گا کہ قرآن موجود ہو اور اہل بیتؑ موجود نہ ہوں حالانکہ حدیث میں ہے کہ قرآن اور اہل بیت ہرگز جدا نہ ہوں گے یہاں تک میرے پاس حوض کوثر تک آ پہنچیں۔

بعض روایات میں اس حدیث میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں۔

فلا تقدموا ھما فتھلکوا و تقصروا عنھما فتھلکوا ولا تعلموھم فانھم اعلم منکم۔[1]

۱۔ صواعق محرقہ، ص ۱۵۰، ۲۲۸؛ مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۱۶۴؛ کنز العمال، ج ۱، ص ۱۶۸، ح ۹۵۸ و کتب دیگر۔

قرآن اور اہل بیتؑ سے آگے نہ بڑھنا ورنہ ہلاک ہو جاؤگے اور ان سے بالکل پیچھے بھی نہ ہٹنا ورنہ ہلاکت میں پڑ جاؤگے اور ان کو نہ سکھانا کیونکہ وہ بے شک تم سب سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔

اور مذکورہ زید بن ارقم کی روایت یں غدیر کے دن حضورؐ کا حدیث ثقلین کو فرمانے کے بعد حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھ کو پکڑ کر ان کی خلافت وولایت کا اعلان کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حضورؐ نے حضرت علی علیہ السلام کو اپنا خلیفہ بلا فصل مقرر فرمایا ہے غدیر کے دن مخاطبین میں اصحاب ثلاثہ بھی تھے ان کو بھی قرآن اور اہل بیتؑ کے ساتھ تمسک کا حکم دیا ہے تو معلوم ہوا فضیلت و افضیلت بھی حضرت علی علیہ السلام کے لیے ثابت ہے اور خلیفہ بلا فصل بھی علی علیہ السلام ہیں۔[۱]

اور افضیلت کے دیگر معیاروں کے لحاظ سے بھی حضورؐ کے بعد پوری امت میں سب سے افضل حضرت علیؑ ہیں اور حضورؐ کے خلیفہ بلا فصل بھی حضرت علی علیہ السلام ہیں۔

ا۔ یہ کیسے کہا جائے کہ سب سے افضل تو علی علیہ السلام ہیں لیکن رسول کا خلیفہ کوئی اور ہے اور افضیلت کے معیاروں میں سے سب سے بڑا معیار علم ہے کیا کوئی دعویٰ کر سکتا ہے کہ امت محمدؐ میں کوئی حضرت علیؑ سے زیادہ علم رکھتا ہے؟ اگر کوئی دعویٰ کرے یا تو وہ جاہل ہے یا متعصب کیونکہ حضورؐ نے حضرت علیؑ کی شان میں فرمایا: انا مدینۃ العلم وعلی بابھا؛ میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دوازہ ہے۔

نتیجہ: اہل سنت کے عالم شاہ عبد العزیز دہلوی تحفہ اثنا عشریہ میں حدیث ثقلین کے ذیل میں لکھتے ہیں:

هذا الحديث ثابت عند الفريقين اهل السنة و الشيعة و قد علم منه أن رسول الله (ص) امرنا فی المقدمات الدينية و الاحكام الشرعية بالتمسك بهذين العظيمی القدر و الرجوع اليهما فی كل امر فمن كان مذهبه مخالفا لهما فی الامور الشرعية اعتقاداً و عملاً فهو ضال و مذهبه باطل و فاسد لا يعباء به۔

یہ حدیث اہل سنت اور شیعہ کے نزدیک ثابت ہے اور اس سے معلوم ہو گیا کہ حضورؐ نے ہمیں دینی مقدمات اور احکام شرعیہ میں دو عظیم القدر (قرآن اور اہل بیتؑ) کے ساتھ تمسک کرنے کا حکم دیا ہے اور انکی طرف ہر کام میں رجوع کرنے کا حکم دیا ہے پس جس شخص کا نظریہ شرعی امور میں اعتقادی اور عملی حوالے سے قرآن و اہل بیتؑ کے خلاف ہو وہ شخص گمراہ ہے اور اس کا مذہب باطل اور فاسد ہے ایسے مذہب کی پرواہ نہیں کی جائے گی۔

پس معلوم ہوا کہ حضورؐ نے ہر مسئلہ میں خواہ وہ اعتقادی ہو یا عملی ہو قرآن اور اہل بیتؑ کی طرف رجوع کا حکم دیا ہے اور جس کا اعتقاد اور عمل ان کے مخالف ہو وہ گمراہ شخص ہے اور اس کے مذہب کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

خلیفہ کا کام یہ ہے کہ جو کام منوب کرتا تھا وہی فرائض خلیفہ بھی انجام دے اور مقام میں بحث خلافت رسولؐ میں ہے چونکہ حضورؐ کے بعد نبوت کا دروازہ

بند ہے۔ رسول کرم ﷺ کا کام صرف تحمل وحی ہی نہیں تھا بلکہ اس کے علاوہ ان کے فرائض میں قرآن کی تعلیم و تفسیر اور احکام کا بیان کرنا، مسلمانوں کے اعتقادات کی حفاظت کرنا اور ان کو گمراہی سے بچانا، لوگوں کی مشکلات کو حل کرنا، حدود الٰہی کو جاری کرنا، کفار، یہود و نصاری کے شبہات کے جوابات دینا اور اسلام کی حفاظت کرنا و۔۔۔ تھا۔ [۱]

حضورؐ نے اپنے اصحاب، امت کو اپنے بعد قرآن اور اہل بیتؑ کے ساتھ تمسک کرنے کا حکم دیا ہے کہ اگر تم نے ان دونوں سے تمسک رکھا تو ہر گز گمراہ نہیں ہوگے پس ہر امر میں ان کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ اہل بیتؑ میں سب سے افضل حضرت علیؑ ہیں جن کا بازو پکڑ کر اصحاب کو دکھا کر ان کی امامت و خلافت کا اعلان کیا۔

اب یہ کیسے باور کیا جائے کہ ہر بات میں رجوع تو قرآن اور اہل بیتؑ کی طرف کرنے کا حکم ہو اور خلیفہ کوئی اور ہو۔ پس ثابت ہوا کہ قرآن کے مفسر حقیقی اور حضورؐ کی خلافت کے مستحق اور وارث آنجنابؐ کے اہل بیتؑ ہی ہیں جن

۱۔ رحلت پیغمبرؐ کے بعد وحی نبوتی کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے منقطع ہوگیا۔ چونکہ حضورؐ کے بعد کوئی بھی نبی نہیں ہے لیکن حضورؐ جس مقصد و ہدف کے لیے مبعوث ہوئے تھے (یعنی اسلام) وہ مقصد و ہدف قیامت تک کے لیے باقی ہے لہٰذا اس مقصد رسالت، اسلام کی حفاظت اور امت کی رہبری کے لیے حضورؐ کے معصوم جانشین کا ہونا ضروری ہے۔

کے ساتھ ہر ایک کو تمسک کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور گمراہی سے بچنے کی حتمی ضمانت بھی اسی میں ہے۔ و الشاھد علی ذلك حدیث السفینة۔

تیسری حدیث، حدیث سفینة

حنش کنانی کا بیان ہے کہ میں نے جناب ابوذرؓ سے اس وقت سنا جب وہ کعبہ کے دروازے کو پکڑے ہوئے کہہ رہے تھے (ابوذر نے اپنی شناخت کروانے کے بعد کہا) کہ میں نے رسول خداؐ سے سنا کہ آپؐ فرمارہے تھے: مثل اھل بیتی فیکم مثل سفینة نوح فی قوم نوح من رکبھا نجا و من تخلّف عنھا ھلك۔

میرے اہل بیتؑ کی مثال نوح کی کشتی کی طرح ہے جو اس پر سوار ہو گیا وہ نجات پا گیا اور جو پیچھے رہ گیا وہ ہلاک ہو گیا۔[1]

حاکم نیشاپوری کے نزدیک یہ حدیث بناء بر روایت مسلم صحیح ہے اور ابن حجر مکی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ حدیث سفینہ مختلف طریقوں سے پہنچی ہے اور وہ سب طریقے ایک دوسرے کو قوی اور مضبوط بناتے ہیں۔[2]

اسلام کو ہم نے اس لیے مانا ہے کہ تا کہ دنیا وآخرت کی سعادت کو پالیں اور خدا کے عذاب سے بچ جائیں۔ جب نجات کا دار و مدار اہل بیت رسولؐ کے ساتھ

۱۔ مستدرک حاکم، ۲/ ۳۴۳؛ مجمع الزوائد، ۹/ ۱۶۸؛ صواعق محرقہ ۷۵؛ کنز العمال، ۶/ ۲۱۶؛ نور الابصار، ص ۲۲۹، باب ثانی؛ کفایۃ الطالب، ۳۷۸ و کتب دیگر بہ ہمین مضمون باندک تفاوت؛ ذخائر العقبی، ص۲۰۔

۲۔ صواعق محرقہ، ص۱۵۱۔

تمسک اور ان کی اتباع میں ہے اور ہلاکت کا دار و مدار اہل بیت نبیؐ کی مخالفت میں ہے۔ اور بمقتضای حدیث ثقلین قرآن، اہل بیتؑ کے ساتھ ہے اور ہمیں ہر بات میں قرآن اور اہل بیتؑ کی طرف رجوع کرنے کا حکم ہے۔

تو پھر اگر کوئی شخص (جو اہل بیتؑ سے نہ ہو) ہو خلافت کا ادعا کرکے منبر رسولؐ پر بیٹھ بھی جائے تو وہ خلافت کا مستحق نہیں ہے کیونکہ خود اس پر بھی اہل بیت علیہم السلام کی اطاعت و اتباع واجب ہے تو پھر کیا عقل سلیم یہ نہیں کہتی کہ منبر پر بیٹھنے والا مدّعی خلافت پر، جن کی اطاعت واجب ہے ہم سیدھے انہی کی امامت و خلافت کو مان لیں۔ چونکہ انہی کی اطاعت کا ہر مسلمان کو حکم ہے۔ (۱)

چوتھی حدیث

حضورؐ نے حضرت علیؑ کو فرمایا: انت منی و أنا منك؛ تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔ (۲)

۱۔ یہ صحیح نہیں ہے کہ ہم کہیں کہ ہم اہل بیتؑ کو مانتے ہیں لیکن اطاعت ہم پر خلیفہ کی واجب ہے (جو کہ اہل بیتؑ سے بھی نہیں ہے) اور مقام عمل میں بھی خلیفہ کی سیرت پر چلنا ہے یہ دو باتیں آپس میں جمع نہیں ہو سکتیں چونکہ نجات کا دار و مدار اہل بیتؑ کے ساتھ تمسک رکھنے اور انکی اطاعت میں ہے، اہل بیتؑ کو وہی مانتا ہے جو کہ ان کے حکم کے مطابق چلے۔ مخفی نہ رہے کہ شوری میں حضرت علی علیہ السلام نے شیخین کی سیرت پر عمل کرنے سے انکار کیا تھا۔ شرح فقہ اکبر و کتب دیگر۔

۲۔ صحیح بخاری، و سنن ترمذی ۲/ ۲۹۹؛ خصائص امیر المومنین (للنسائی) ص ۱۲۲؛ فتح الباری شرح صحیح البخاری ۷/ ۸۷ باب مناقب علی بن ابی طالب؛ مسند احمد ۱/ ۹۸؛ مجمع الزوائد ۹/ ۲۷۵؛ فرائد السمطین، ج۱،

حدیث کو کتاب میں لکھ دینا یا پڑھ لینا کافی نہیں بلکہ فقہ الحدیث ضروری ہے حدیث کو سمجھنا ضروری ہے مذکورہ حدیث پر غور کریں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا (اے علیؑ) تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔ کیا مطلب؟ یعنی تیرے پاس جو علوم، کمالات و فضائل ہیں وہ میری وجہ سے ہیں میں نے ہی تمہیں علوم سکھائے ہیں میں نے ہی تمہاری تربیت کی ہے۔

و أنا منك۔ اور میں تجھ (علیؑ) سے ہوں کیونکہ میری بعثت کا ہدف لوگوں کو دین کی طرف ہدایت کرنا اور انہیں صراط مستقیم پر چلانا ہے۔ بعبارت دیگر سب انبیاء کی محنتیں کلمہ توحید کی خاطر تھیں اور دین اسلام کے لیے تمہید تھیں حضورؐ دین اسلام کو خدا کی طرف سے لائے جو کہ اس کا پسندیدہ دین ہے جس کے علاوہ اور کوئی دین قابل قبول نہیں ہے۔ تو اس دین اسلام کا پھیلنا اور اس کی بقاء حضرت علیؑ اور ان کی ذریت طاہرہ کی وجہ سے ہے حضورؐ کی زندگی کا مقصد اور ہدف اسلام کا پھیلانا اور اسکا بقاء مطلوب تھا اور یہ مقصد و ہدف حضرت علیؑ کے ذریعہ محقق ہوا ہے۔ دنیا میں جو توحید اور رسالت کی گواہی دی جارہی ہے یہ سب علیؑ اور اولاد علیؑ کی وجہ سے ہے چونکہ حضورؐ کا مقصد حضرت علیؑ کے ذریعہ

ص ۵۷؛ کنز العمال، ۵/ ۵۷۹ و کتب دیگر؛ کفایۃ الاثر ۱۵۸؛ الخصال ص ۴۹۶؛ عیون اخبار الرضا ۲/ ۵۸؛ امالی صدوق، ٦٦؛ ارشاد مفید، ۱/ ۴٦ و کتب دیگر۔

محقق ہوا ہے لہٰذا آپؐ نے فرمایا کہ (اے علیؑ) میں تجھ سے ہوں۔ یعنی اگر آپ نہ ہوتے تو آج محمدؐ کا نام نہ ہوتا۔

فرمان رسولؐ: ضربة علی یوم الخندق افضل من عبادة الثقلین؛ کہ خندق کے دن حضرت علیؑ کی ضربت (جنگ) ثقلین کی عبادت سے افضل ہے[۱]۔ یہ فرمان مذکورہ فلسفہ کا زندہ شاہد ہے چونکہ اگر خندق کے دن حضرت علیؑ، عمرو بن عبدودّ کافر کو قتل نہ کرتے تو اسلام کا (العیاذ باللہ) اس دن خاتمہ ہو جاتا۔

بلکہ اہل سنت کی روایات میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: یا علی انت منی منزلة رأسی من بدنی[۲]؛ اے علیؑ تجھ کو مجھ سے وہی منزلت ہے جو میرے سر کو بدن سے ہے بدن کی پہچان سر، چہرہ سے ہوتی ہے اور رسالت کی پہچان خلافت و ولایت علی بن ابی طالب سے ہے۔

۱۔ نوٹ نمبر ۱: بعض روایات میں ہے کہ لمبارزة علی بن ابی طالب لعمرو بن عبدود یوم الخندق افضل عمل امتی الی یوم القیامة؛ یعنی علی بن ابی طالبؑ کا خندق کے دن عمرو بن عبدود کے ساتھ مبارزہ (جنگ) کرنا میری پوری امت کے قیامت تک کے عملوں سے افضل ہے۔ المناقب خوارزمی، ص ۱۰۷؛ فرائد السمطین، ج ۱، ص ۲۵۶ و کتب دیگر۔

نوٹ نمبر ۲: اسی روایت سے ملتے جلتے الفاظ دیگر کئی کتب میں پائے جاتے ہیں۔

۲۔ المناقب خوارزمی، ص ۱۴۸ و کتب دیگر۔

یہی وجہ ہے کہ حضورؐ نے تبوک کے موقع پر حضرت علیؑ کو فرمایا: لا بد أن اقیم او تقیم[۱]؛ مدینہ میں میرا رہنا یا آپ کا رہنا ضروری ہے۔

اور مکہ میں براءۃ من المشرکین کے اعلان کے لیے جب کسی اور کو بھیجا تھا تو جبرائیل فرمان لے کر نازل ہوئے کہ آپؐ خود جائیں یا اس کو بھیجیں جو آپؐ سے ہو۔[۲]

ولکن جبرائیل جاءنی فقال لن یؤدی عنك الا انت او رجل منك۔ اور بعض روایات میں ہے کہ ولکن امرت ان لا یبلغها الا انا او رجل منی[۳]۔ بعض روایات میں رجل من اهل بیتی کے الفاظ نقل ہوئے ہیں[۴]۔ اور بعض روایات میں علی منی و أنا من علی ولا یؤدی عنی الا علی کے الفاظ نقل ہوئے ہیں ، اخرجه احمد و الترمذی و النسائی و ابن ماجه۔ اور بعض روایات میں الاّ انا اور أنت کے الفاظ نقل ہوئے ہیں۔

مخفی نہ رہے کہ ان سب عبارات کی برگشت ایک ہی چیز کی طرف ہے۔

۱۔ فتح الباری ۷/ ۹۲۔ اسی مضمون کی روایات دیگر کتب میں بھی پائی جاتی ہیں۔

۲۔ خصائص امیر المومنین (نسائی) ص ۹۱۔ ۹۲؛ کفایۃ الطالب، ص ۲۵۵؛ مناقب علی بن ابی طالب لابن المغازلی، ص ۱۸۸۔

۳۔ المناقب خوارزمی، ص ۱۶۵ و کتب دیگر۔

۴۔ ترجمہ الامام علی بن ابی طالب، ج۱، ص ۳۳۴ و کتب دیگر۔

منصف مزاج کے لیے یہ سب فرامین رسالت، خلافت بلا فصل علی علیہ السلام پر دلالت کرتے ہیں۔

پانچویں حدیث

ابی بریدہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا: لکل نبی وصی و وارث و ان علیاً وصیی و وارثی۔[1]

کہ ہر نبی کا وصی، وارث ہوتا ہے اور بتحقیق میرا وصی اور وارث علیؑ ہے۔ حافظ گنجی نقل حدیث کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔

خلافت بلا فصل علی بن ابی طالبؑ پر اور بھی بہت سی حدیثیں دلالت کرتی ہیں منصف مزاج اور طالب حق کے لیے اسی میں کفایت ہے چونکہ جو شخص امیر المومنین علی علیہ السلام کی پوری زندگی اور ان کے فضائل و مناقب اور ان کی شان میں واردہ آیات و احادیث، اور ان کا مقام خدا کے نزدیک اور ان کی نسبت و مقام پیغمبرؐ کے نزدیک ملاحظہ کرے تو اس پر روز روشن کی طرح آشکار ہے کہ حضورؐ کا بلا فصل خلیفہ علی بن ابی طالبؑ ہیں۔

۱۔ ترجمہ الامام علی بن ابی طالب عن تاریخ دمشق، ج۳، ص ۵، طبع بیروت؛ کفایۃ الطالب، ص ۲۶۰؛ مناقب علی بن ابی طالب لابن مغازلی، ص ۱۶۷، باختلاف یسیر فی اللفظ؛ ذخائر العقبی، ص ۷۱؛ ریاض النضرۃ، ج۲، ص ۱۷۸؛ المناقب خوارزمی، ص ۸۵ و کتب دیگر۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوحی الیّ فی علیٍ ثلاث انه سید المسلمین و امام المتقین و قائد الغر المحجلین و ھذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاہ۔[1]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خدا نے میری طرف علیؑ کے بارے میں تین چیزوں کے بارے میں وحی فرمائی کہ وہ مسلمانوں کے سردار اور متقیوں کے امام اور قیامت کے دن جن کے چہرے سفید ہوں گے ان کے قائد ہیں۔ حاکم نیشاپوری حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اس کو شیخین نے نقل نہیں کیا۔

نوٹ: بعض روایات میں یعسوب الدین کا اضافہ بھی موجود ہے کما فی المناقب الخوارزمی اور بعض روایات میں یعسوب المومنین نقل ہوا ہے۔ اور بعض روایات میں ہے انه امیر المؤمنین و سید المسلمین الخ کما فی کتاب الولایة للحافظ ابن عقدة الکوفی المتوفی ۳۳۲ھ ص ۱۹۴ (جمعه و رتبه و قدم

۱۔المستدرک علی الصحیحین، ج۳، ص ۱۳۸؛ طبع دار المعرفۃ بیروت؛المناقب خوارزمی، ص ۲۹۵؛ مجمع الزوائد، ج۹، ص ۱۲۱؛اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ، ج۱، ص ۶۹، ج۳، ص ۱۱۶؛ کفایۃ الطالب، ص ۱۹۰؛حلیۃ الاولیاء، ج۱، ص ۶۶؛ مناقب علی ابن ابی طالب لابن المغازلی، ص ۱۰۹، ۸۰؛ الریاض النضرۃ، ج۲، ص ۱۷۷؛ کنز العمال، ۶/ ۳۹۴؛مناقب علی بن ابی طالب لابن مردویہ (جمعه و رتبه و قدم له عبد الرزاق محمد حسین حرز الدین) ص ۵۷ الناشر دار الحدیث؛ ترجمہ الامام علی بن ابی طالب من تاریخ دمشق، ج۲، ص ۲۵۷،۲۵۸۔

نوٹ: اسی مضمون کی روایات بہت سی کتب میں پائی جاتی ہیں۔

له عبد الرزاق محمد حسین حرز الدین، ناشر انتشارات دلیل ما۔ اور ابن مردویہ کی انس بن مالک سے روایت میں ہے کہ اب مسلمانوں کے سردار اور امیر المومنین اور اولی الناس بالنبیین داخل ہوں گے اتنے میں علی بن ابی طالب تشریف لائے ۔۔۔ اور حضورؐ نے ان کو فرمایا: أما ترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسی الا انه لا نبی بعدی انت اخی و وزیری اخیر من اخلف بعدی تقضی دینی و تنجز وعدی و تبین لهم و اختلفوا فيه من بعدی و تعلمهم من تأويل القرآن مالم يعلموا و تجاهدهم على التاويل كما جاهدتهم على التنزيل۔[1]

کیا تو اس بات پر راضی نہیں ہے کہ تیری منزلت مجھ سے ایسی ہے جیسے ہارون کو موسیٰ سے؟ مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے، آپ میرے بھائی اور میرے وزیر ہیں اور جن کو میں اپنے بعد چھوڑے جا رہا ہوں ان میں سے سب سے اچھے ہیں آپ میرے (دین قرضے، معاہدہ) کو پورا کریں گے اور میرے وعدے نبھائیں گے اور ان لوگوں کے لیے وضاحت کریں گے جس کے بارے میں وہ میرے بعد اختلاف کریں گے اور آپ ان کو قرآن کی تاویل

۱۔ مناقب علی بن ابی طالب لابن مردویہ، ص ۶۱۔

سکھائیں گے جس کو وہ نہیں جانتے اور ان سے تاویل پر جہاد کریں گے جیسے میں نے تنزیل پر کیا ہے۔

نیز رسول خداؐ نے فرمایا: یاعلی انت سید فی الدنیا سید فی الاخرۃ۔۔۔[1]

صحیح علی الشرط الشیخین۔

حضورؐ نے علی علیہ السلام کو فرمایا کہ تو دنیا میں بھی سردار ہے (اور) آخرت میں بھی سردار ہے۔ یہ حدیث شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔

نیز رسول خداؐ نے حضرت فاطمہؑ کو فرمایا تیرا شوہر دنیا وآخرت میں سردار ہے اور وہ اسلام لانے کے حوالے سے سب سے پہلے میرے صحابی ہیں اور وہ سب سے زیادہ علم رکھنے والے اور حلم و بردباری کے حوالے سے سب سے بڑے ہیں۔و قال لھا زوجك سید فی الدنیا و الآخرۃ و انه اوّل أصحابی اسلاما و اکثرھم علما و اعظمھم حلما۔[2]

نیز رسول خداؐ نے فرمایا: اے فاطمہ۔۔۔خدا اہل زمین کی طرف مطلع ہوا پس ان میں سے مجھے اختیار کیا (چن لیا) پس مجھے نبی مرسل مبعوث فرمایا پھر مطلع

۱۔المستدرك حاکم، ج ۳، ص ۱۲۸؛ تذکرۃ الخواص، ج ۱، ص ۲۲۹، مطبع لیلیٰ؛ مناقب علی بن ابی طالب، لابن المغازلی، ص ۱۰۷، ناشر انتشارات سبط النبیؐ؛ نور الابصار، ص ۱۶۴؛ ترجمہ الامام علی بن ابی طالب من تاریخ دمشق لابن العساکر، ج ۲، ص ۲۳۱؛ المناقب خوارزمی، ص ۳۲۷؛ فرائد السمطین، ج ۱، ص ۱۲۸۔

۲۔الاستیعاب، ج ۲، ص ۷۴ و کتب دیگر۔

ہوا یعنی نگاہ کرم فرمائی تو ان میں تیرے شوہر (علیؑ) کو چن لیا پس مجھے وحی فرمائی کہ میں ان کی شادی تیرے ساتھ کردوں اور ان کو (اپنا) وصی بناؤں۔

یا فاطمة۔۔۔ ان الله اطلع اطلاعة الی اهل الارض فاختارنی منهم فبعثنی نبیاً مرسلاً ثم اطلع اطلاعة فاختار منهم بعلك فأوحی الیّ أن أزوجه ایّاكِ و أتخذه وصیّاً۔ (۱)

نیز مناقب خوارزمی، ص ۳۴۶ پر ہے کہ جبرئیل نے کہا: اے محمدؐ خدا نے آپؐ کے لیے زمین سے (علیؑ کو) بھائی اور وزیر اور صاحب اور داماد چن لیا۔

نیز رسول خداؐ نے فرمایا: علی علیہ السلام کا حق مسلمانوں میں ایسے ہی ہے جس طرح باپ کا حق اولاد پر؛ قال رسول اللهﷺ حق علیٍ علی المسلمین کحق الوالد علی ولده۔ (۲)

بعض روایات میں ہے حق علی بن ابی طالب علی هذا الامة کحق الوالد علی ولده کما فی المناقب للخوارزمی، ص ۳۱۰ و فرائد السمطین، ج۱، ص ۲۹۷۔

۱۔ مناقب علی بن اِبی طالب لابن مردویہ، ص ۵۱؛ مناقب علی ابن ابی طالب لابن المغازلی، ص ۱۰۶؛ المناقب الخوارزمی، ص ۱۱۲ و کتب دیگر۔

۲۔ مناقب علی بن ابی طالب لابن المغازلی، ص ۶۰؛ ترجمہ الامام علی بن ابی طالب من تاریخ دمشق، ج ۲، ص ۲۷۲؛ المناقب خوارمی، ص ۳۲۱؛ کفایۃ الطالب، ص ۲۶۴ (قریب قریب الفاظ کے ساتھ) مناقب علی بن ابی طالب لابن مردویہ، ص ۱۸۰۔

نوٹ: معلوم ہوا کہ حضرت علی علیہ السلام کی اطاعت مسلمانوں پر واجب ہے۔ یہ کیسے مانا جائے کہ اطاعت تو حضرت علیؑ کی امت محمدؐ پر واجب ہو، اور خلیفہ کوئی اور ہو؟ حضرت علیؑ جیسے روحانی باپ کے ہوتے ہوئے بیٹا کیسے مقدم ہو سکتا ہے؟

نیز رسول خداﷺ نے فرمایا: علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں اور میری جانب سے کوئی عہد نہ کرے اور نہ کوئی معاہدے کرے مگر میں خود یا علیؑ۔[1]

عن حبشی بن جنادہ قال قال رسول ﷺ علی منّی و انا من علی ولا یؤدی عنی الا انا أو علیؑ و رواہ الترمذی و احمد عن أبی جنادۃ۔

نوٹ: یہ حدیث انہی الفاظ یا ان سے ملتے جلتے الفاظ کے ساتھ دیگر کئی ایک کتب میں پائی جاتی ہے۔ (جیسا کہ دیگر احادیث میں بھی یہی حال ہے کما مرّ و سیأتی)

۱۔ سنن الترمذی، ج۵، ص ۳۰۰، ح ۳۸۰۳؛ سنن ابن ماجہ، ج۱، ص ۴۴، ح ۱۱۹؛ مناقب علی بن ابی طالب لابن المغازلی، ص ۱۸۵۔ ۱۸۸؛ المناقب خوارزمی، ص ۱۳۴ و فیہ ولا یقضی دینی) خصائص امیر المومنین للنسائی ص ۹۰؛ مسند احمد، ج۱، ص ۹۸؛الجامع الصغیر للسیوطی، ج۲، ص ۵۶؛ فرائد السمطین، ج۱، ص ۵۹؛ تذکرۃ الخواص، ج۱، ص ۲۸۴، مطبعہ لیلیٰ، نور الابصار، ص ۱۶۰؛ اجامع الاصول لابن الاثیر، ج۹، ص ۴۷۱، ح ۶۴۸۱؛ الریاض النضرۃ، ج۲، ص ۲۲۹؛ ترجمہ الامام علی بن ابی طالب من تاریخ دمشق، ج۲، ص ۳۷۸۔ ۳۷۹؛ مشکوۃ شریف، ج۳، ص ۲۵۹؛ کنز العمال، ج۱۱، ص ۶۰۳، ح ۳۲۹۱۳؛ تاریخ بغداد، ج۴، ص ۱۴۰؛ حلیۃ الاولیاء، ج۶، ص ۲۹۴ (ابو نعیم اصفہانی)؛ مجمع الزوائد، ج۹، ص ۱۲۷؛ کفایۃ الطالب، ص ۲۷۶ و کتب دیگر۔

نیز حضورؐ نے حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: علیؑ کی نسبت مجھ سے ایسے ہے جس طرح میرے سر کی میرے بدن کے ساتھ؛ عن ابن عباس قال قال رسول اللہ(ص)علی منی کرأسی من بدنی۔[1]

اور بعض روایات میں مثل رأسی اور بعض میں منزلة رأسی کے الفاظ نقل ہوئے ہیں لیکن سب عبارتوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔

نیز سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: اے علی جو مجھ سے جدا ہوا وہ خدا سے جدا ہوا، یا علیؑ جو تجھ سے جدا ہوا وہ مجھ سے جدا ہوا[2]؛ حاکم نیشاپوری اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

۱۔ مناقب علی بن ابی طالب لابن المغازلی، ص ۹۸؛ جامع صغیر (سیوطی)، ج ۲، ص ۱۴۰؛ صواعق محرقہ، ص ۷۵؛ المناقب خوارزمی، ص ۱۴۴۔ ۱۴۸؛ نور الابصار، ص ۱۶۳؛ مناقب علی بن ابی طالب لابن مردویہ، ص ۱۰۷؛ کنز العمال، ج ۱۱، ص ۶۰۳، ح ۳۲۹۱۴؛ ترجمہ الامام علی بن ابی طالب من تاریخ دمشق لابن العساکر، ج ۲، ص ۳۷۵ و کتب دیگر۔

۲۔ المستدرک حاکم، ج ۳، ص ۱۲۴؛ مناقب علی بن ابی طالب لابن المغازلی، ص ۱۹۶؛ کنز العمال، ج ۶، ص ۱۵۶؛ المناقب خوارزمی، ص ۱۰۵؛ فضائل الصحابہ لابن حنبل، ج ۲، ص ۵۷۰؛ تاریخ بغداد، ج ۱۳، ص ۱۸۶؛ ترجمہ الامام علی بن ابی طالب من تاریخ دمشق لابن العساکر، ج ۲، ص ۲۶۸؛ تحقیق الشیخ محمد باقر المحمودی، طبع بیروت موسسہ المحمودی للطباعۃ والنشر؛ فرائد السمطین، ج ۱، ص ۳۰۰ و کتب دیگر۔

عن أبی ذر رضی الله عنه قال قال النبی ﷺ یا علی من فارقنی فقد فارق الله ومن فارقك یا علی فقد فارقنی۔

علامہ خوارزمی نے اپنی کتاب المناقب میں ابن عمر سے یوں نقل کیا ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا: جو علیؑ سے جدا ہوا وہ مجھ سے جدا ہوا اور جو مجھ سے جدا ہوا وہ خدا سے جدا ہوا۔ عن ابن عمر قال قال رسول ﷺ من فارق علیا فارقنی ومن فارقنی (فقد) فارق الله عزوجل۔ کما رواہ ابن المغازلی ایضاً فی مناقبہ۔

خلاصہ یہ کہ حضرت علی علیہ السلام سے مفارقت درحقیقت خدا سے مفارقت ہے۔ رسول خداؐ نے کسی کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رکھا غدیر خم پر علی علیہ السلام کا بازو پکڑ کر حدیث ثقلین کے فرمانے کے بعد تین مرتبہ فرمایا: من کنت مولاہ فعلی مولاہ؛ جس کا میں مولا و سردار ہوں اس کا یہ علیؑ بھی مولا و سردار ہے۔ پھر آیت اکمال ﴿الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا﴾ نازل ہوئی۔ شیخین نے حضرت علی علیہ السلام کو مبارک بادی بھی دی جیسا کہ گزر چکا ہے۔ رسول خداؐ نے علی علیہ السلام کی اطاعت کو اپنی اطاعت، انکی متابعت کو اپنی متابعت قرار دیا ہے۔ گذشتہ آیات و روایات کو ملاحظہ کرنے کے ساتھ ہر منصب مزاج پر روز روشن کی طرح آشکار و واضح ہو گیا ہے کہ رسول خداؐ کا خلیفہ بلا فصل علی بن ابی طالبؑ ہیں۔

قبر میں اور محشر کے میدان میں اور پل صراط پر حضرت علیؑ کی ولایت و امامت کے بارے میں سوال ہوگا کہ حضورؐ کے بعد تو کس کو امام مانتا تھا؟

ہر شخص نے مرنا ہے لہٰذا متعصب لوگوں کے شکوک و شبہات کا شکار نہ ہوں اور اپنی آخرت کو تباہ نہیں کرنا چاہیے۔ حضرت علیؑ دنیا و آخرت کے سردار ہیں۔ جنت اور دوزخ کے تقسیم کرنے والے ہیں اور ان کے ہاتھ کے پروانہ کے بغیر پل صرار سے کوئی نہیں گزر سکے گا۔ محشر کے دن لواء الحمد حضورؐ کا مخصوص جھنڈا حضرت علیؑ کے ہاتھ میں ہوگا[1]۔ جھنڈے کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہوگا۔ اور اسی جھنڈے کے نیچے سب انبیاء اور اوصیاء، اور شیعیانِ علیؑ ہوں گے۔ حوض کوثر پر شربت پلانے والے بھی علیؑ ہوں گے پھر اس کو کیوں نہیں مانتے جس کے پاس سب کچھ ہے دنیا میں بھی حلال مشکلات ہے اور آخرت میں حلّال مشکلات ہے۔ اگر خلافت علی علیہ السلام پر اور کوئی حدیث بھی نہ ہوتی تو صرف حدیث ثقلین ہی ان کی خلافت بلا فصل پر کافی تھی۔

حالانکہ ان کی امامت و خلافت پر بہت سی آیات و احادیث دلالت کرتی ہیں جن میں سے بعض کا ذکر مفصل گزر چکا ہے اور اسی میں طالب حق اور منصف

۱۔ المناقب خورازمی، ص ۱۴۰ و کتب دیگر۔ مخفی نہ رہے کہ حضورؐ کے جھنڈے پر لکھا ہوا ہے: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ، کما فی ینابیع المودۃ، ص ۹۷، باب ۱۶ و ۲۹۶۔

مزاج کے لیے کفایت ہے خداوند متعال بحق محمد و آل محمدؐ سب کو حق سمجھنے اور حق پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

حضورؐ کے خلفاء کی تعداد بارہ ہے

- یکون اثنا عشر امیراً۔ ۔۔ کلھم من قریش ؛حضورؐ نے فرمایا میرے بعد بارہ امیر ہوں گے وہ سب[1] قریشی ہوں گے۔
- لا یزال الدین قائماً حتی تقوم الساعة و یکون علیھم اثنا عشر خلیفة کلھم من قریش؛ قیامت تک یہ دین قائم رہے گا اور میری امت پر بارہ خلیفہ ہوں گے وہ سب قریش سے ہوں گے۔[2]
- مسروق کا بیان کہ ہم عبد اللہ بن مسعود کے پاس بیٹھے ہوئے تھے وہ ہمیں قرآن پڑھا رہے تھے ایک شخص نے ان سے کہا: اے عبد الرحمٰن ! کیا آپ لوگوں نے کبھی رسول خداؐ سے یہ بھی پوچھا کہ امت کے کتنے خلیفہ ہوں گے؟ عبد اللہ نے کہا کہ جب سے میں عراق آیا ہوں تم سے پہلے کسی نے مجھ سے یہ سوال نہیں کیا، پھر

۱۔ صحیح بخاری کتاب الاحکام۔
۲۔ صحیح مسلم، باب ان الناس تبع لقریش۔

کہا ہاں ہم نے رسول اللہؐ سے پوچھا تھا اور آنجنابؐ نے فرمایا تھا کہ نقباء بنی اسرائیل کی تعداد کے برابر بارہ ہوں گے۔[۱]

- یکون بعدی اثنا عشر خلیفۃ کلھم من قریش[۲]؛ حضورؐ نے فرمایا: میرے بعد بارہ خلیفہ ہوں گے سب کے سب قریش سے ہوں گے، اہل سنت کی بعض کتب میں کلھم من بنی ھاشم کے الفاظ بھی موجود ہیں۔[۳]

اس مضمون کی بہت ساری احادیث بہ اختلاف الفاظ اہل سنت کی معتبر کتب صحاح، مسانید، تفاسیر تواریخ میں پائی جاتی ہیں۔
تحقیق کے طالبین درج ذیل کتب اہل سنت کو ملاحظہ کر سکتے ہیں۔[۴]

۱۔ المستدرک علی الصحیحین، ج ۴، ص ۵۰۱۔

۲۔ مسند احمد، ۵/ ۹۲۔

۳۔ ینابیع المودۃ قندوزی۔

۴۔ سنن ترمذی ۴/ ۵۰۱؛ سنن ابی داؤد ۴/ ۱۰۶؛ صحیح ابن حبان ۱۵/ ۱۴؛ مسند احمد، ج ۵، ص ۹۹؛ المستدرک علی الصحیحین ۳/ ۶۱۸؛ مسند ابی داؤد الطیالسی ۱۰۵۔ ۱۸۰؛ مسند ابی یعلی ۱۳/ ۴۵۴؛ تاریخ کبیر بخاری ۳/ ۱۸۵؛ تاریخ بغداد ۱/ ۵۳۸؛ صواعق محرقہ، فتح الباری شرح صحیح البخاری ۱۳/ ۲۲۴۔ ۲۲۵؛ ذخائر العقبی؛ فرائد السمطین؛ البیان گنجی و غیر ذلک۔

و کتب شیعہ: عیون اخبار الرضاؑ ۱/ ۴۹، باب ۶؛ الخصال صدوق ۴۷۷؛ کمال الدین و تمام النعمۃ ۶۸؛ مناقب آل ابی طالب ۱/ ۲۹۵ و کتب دیگر۔

اس مضمون کی روایات کے راوی بزرگ صحابہ سے ہیں مانند ابن عباس ابن مسعود، سلمان فارسی، ابو سعید الخدری وابوذر، جابر بن سمرۃ، جابر بن عبد اللہ و انس بن مالک وزید بن ثابت وزید بن ارقم، ابی ثمامۃ، واثلۃ بن الاسقع، ابو ایوب انصاری، عمار بن یاسر، حذیفہ بن اسید، عمران بن حصین و سعد بن مالک، حذیفہ بن یمان ابو قتادۃ انصاری، ابو سلیمان راعی، ابوبردہ اور دیگر صحابہ۔

شیخ محمد مرعی حلبی سابق سُنی، اپنی کتاب مذہب اہل بیت ص ۲۱۳ پر لکھتے ہیں سید ہاشم بحرانی نے اپنی کتاب غایۃ المرام میں بارہ اماموں کی احادیث کو اسناد کے ساتھ اہل سنت کے طریق پر چھیاسٹھ طرح نقل کیا ہے مغازلی شافعی کی کتاب مناقب امیر المومنین علیہ السلام سے سات طرح اور اہل سنت کے صدر الائمہ خوارزمی سے بارہ طرح اس حدیث (اثنا عشر) کو نقل کیا ہے اور حافظ ابو نعیم اور حافظ خطیب بغدادی کی سند سے اور حموینی سے تئیس (۲۳) طرح نقل کیا ہے۔

حدیث اثنا عشر سے چند چیزوں کا استفادہ ہوتا ہے:

۱. خلفاء کی تعداد بارہ ہے نہ اس سے کم نہ اس سے زیادہ۔

۲. لا یزال الدین قائما حتی تقوم الساعة سے مستفاد یہ ہے کہ بارہ کی خلافت قیامت تک جاری ہے۔

۳. بعض روایات میں میرے خلفاء کی تعداد نقباء بنی اسرائیل کے عدد کے مطابق ہے اور وہ بارہ تھے۔ تو اس میں یہ اشارہ ہے کہ خلفاء کو

لوگ تعیین نہیں کر سکتے بلکہ خدا تعیین کرتا ہے چونکہ بنی اسرائیل کے نقباء کے بارے میں ارشاد رب العزت ہے: ﴿وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا﴾[1]

بھیجنے کی نسبت خدا نے اپنی طرف دی ہے۔ معلوم ہوا انتخاب خدا کا کام ہے نہ کہ لوگوں کا اور حضورؐ کا بنی اسرائیل کے ساتھ اپنے خلفاء کی تعداد کو تشبیہ دینا یہ اسی چیز کی طرف اشارہ ہے۔

۴. یہ سب خلفاء قریش سے ہوں گے بعض روایات میں ہے کہ بنی ہاشم سے ہوں گے، کما فی ینابیع المودة، ص ۵۰۴، طبع بیروت (ہر ہاشمی قریشی ہے لیکن ہر قریشی ہاشمی نہیں ہے) چنانچہ امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں: ان الائمة من قریش غرسوا فی هذا البطن من هاشم لا تصلح علیٰ سواهم ولا تصلح الولاة من غیرهم۔[2]

بتحقیق قریش کے سب امام حضرت ہاشم کی اسی کشت زار میں قرار دیئے گئے ہیں اور یہ امامت نہ ان کے علاوہ کسی کو زیب دیتی ہے اور نہ ان سے باہر کوئی اس کا اہل ہو سکتا ہے۔

۱۔ سورہ مائدہ، آیت ۱۲۔

۲۔ نہج البلاغة، خطبہ ۱۴۴۔

۵. اس حدیث سے یہ نکلتا ہے کہ اہل سنت کا خلافت کے بارے میں یہ نظریہ کہ حضورؐ نے کسی کو اپنا جانشین نہیں بنایا یہ نظریہ باطل ہے چونکہ بعض روایات میں ہے کہ حضورؐ نے بارہ خلفاء کی صراحت فرمائی ہے۔

۶. اسلام کی عزت انہی خلفاء پر موقوف ہے۔

۷. دین کا قوام علم و عمل کے حوالے سے انہی خلفاء اثنا عشر کے ساتھ ہے۔ قرآن کے لیے مفسر اور تبیین کنندہ کی ضرورت ہے جو کہ قرآن کے معارف اور حقائق کو بیان کرے اور قرآن کے احکام اور شریعت محمدؐ کو نافذ کرنے کے لیے مقام عمل میں قانون کو نافذ کرنے والے کی ضرورت ہے۔ اور یہ دونوں مہم غرضیں ان ائمہ اثنا عشر میں خاص شرائط کے ساتھ متحقق ہوں گی۔

۸. ان بارہ خلفاء کا انطباق صرف ہمارے ائمہ پر ہوتا ہے کیونکہ اگر اہل سنت کی خلافت راشدہ مراد لی جائے تو ان کا عدد کم ہے وہ صرف چار ہے۔ حالانکہ حضورؐ کے خلفاء کی تعداد بارہ ہے چار نہیں ہے پس وہ مراد نہیں ہیں اور اگر خلفاء بنی امیہ مراد لیئے جائیں تو ان کی تعداد بارہ سے زیادہ ہے اور ان میں معاویہ و یزید جیسے لوگ پائے جاتے ہیں جن کا حال سب کو معلوم ہے بلکہ سب خلفاء

بنی امیہ ظالم تھے صرف عمر بن عبد العزیز کو (بظاہر) اچھا کہا جاتا ہے۔ فافہم۔

اور اس حدیث سے مراد خلفاء بنی عباس بھی نہیں ہیں چونکہ ان کی تعداد بھی بارہ سے زیادہ ہے دوسرے یہ کہ انہوں نے آل پیامبرؐ کے حقوق کی مراعات نہیں کی بلکہ انہیں آزار و اذیت کرتے تھے۔ پس وہ بھی مراد نہیں ہیں۔

حضورؐ نے ارشاد فرمایا: من مات ولم یعرف امام زمانه فقد مات میتة جاهلیة؛ جو شخص اپنے زمانہ کے امام کی معرفت کے بغیر مر گیا وہ جاہلیت کی موت مرا یعنی کافر مرا۔ ہر شخص نے مرنا ہے اور قبر میں امام کے بارے میں بھی سوال ہوگا لہٰذا ہر ایک کا وظیفہ یہ ہے کہ اپنے امام کی معرفت حاصل کرے۔ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ حدیث اثنا عشر، صرف ائمہ اہل بیتؑ پر منطبق ہے۔ تعداد کے حوالے سے بھی اور باقی شرائط کے بارے سے بھی۔ چونکہ وہ علم و تقویٰ حسب و نسب کے حوالے سے سب سے افضل ہیں اور ان کا علم حضورؐ سے وراثت کے طور پر ہے اور وہ علم لدنی بھی رکھتے ہیں۔ حضورؐ کی مراد اس حدیث اثنا عشر سے ائمہ اہل بیتؑ ہیں جس کی تائید حدیث ثقلین سے ہوتی

ہے[۱]۔ کہ حضور نے ارشاد فرمایا میں تم میں دو گراں بہا چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں قرآن اور اپنی اہل بیت و عترت۔ اگر ان کے ساتھ تمسک رکھا تو کبھی گمراہ نہیں ہوگے۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر تک میرے پاس پہنچیں۔

مخفی نہ رہے کہ حدیث ثقلین کو حضورؐ نے متعدد مقامات پر فرمایا ہے۔ جن میں ایک مقام غدیر خم ہے جہاں ایک بہت بڑے جلسے کا اہتمام کیا گیا حضورؐ نے ایک بڑا فصیح و بلیغ خطبہ علی علیہ السلام کے حق میں فرمایا جس میں قرآن اور اپنی اہل بیت کے ساتھ اپنی امت کو تمسک کرنے کا حکم دیا پھر علی علیہ السلام کا بازو پکڑ کر فرمایا: من کنت مولاہ فعلی مولاہ، پھر ﴿ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا ﴾ آیت نازل ہوئی۔ تو سلمان فارسی نے عرض کیا یا رسول اللہ ! کیا یہ آیات[۲] صرف علی علیہ السلام کے بارے میں نازل ہوئی ہیں؟ تو حضورؐ نے فرمایا: بل فیہ و فی أوصیائی الی یوم القیامۃ، فقال یا رسول اللہ (ص) بینھم لی قال علی اخی و وصی و وارثی و خلیفتی فی امتی و ولی کل مؤمن بعدی و أحد عشر اماما من ولد أوّلھم ابنی

۱۔ چنانچہ اہل سنت کے سلیمان حنفی قندوزی نے اپنی کتاب ینابیع المودۃ میں ص ۵۰۴ پر مذکورہ مطالب کو تحقیقاً ذکر کیا ہے۔

۲۔ یہ آیت اور آیات دیگر۔

حسن ثم ابنی حسین ثم تسعة من ولد الحسین واحداً بعد واحدھم مع القرآن و القرآن معھم لا یفارقونه ولا یفارقھم حتی یردوا علی الحوض ؛ بلکہ ان کے بارے میں (یعنی علیؑ) اور قیامت تک میرے اوصیاء کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔

تو سلمان فارسی نے عرض کیا: یارسول اللہ ! اس بات کی وضاحت فرمائیں، تو فرمایا: علی میرا بھائی، میرا وصی، میرا وارث اور میری امت میں میرا خلیفہ ہے اور میرے بعد ہر مومن کا ولی اور علیؑ کی اولاد سے گیارہ امام ہیں ان (گیارہ) میں سب سے پہلے میرے بیٹے حسنؑ پھر میرا بیٹا حسینؑ پھر حسینؑ کی اولاد سے نو امام ہیں جو ایک دوسرے کے بعد ہوں گے۔وہ قرآن کے ساتھ ہوں گے اور قرآن ان کے ساتھ ہوگا وہ قرآن سے جدا نہیں ہوں گے اور قرآن ان سے جدا نہیں ہوگا یہاں تک کہ مجھ تک حوض کوثر پر آ پہنچیں۔اور اس بات کی بارہ بدری صحابہ نے گواہی دی ہے کہ ہم نے فرمان رسول خداؐ کو غدیر خم پر سنا ہے۔۔۔

ملخص یہ کہ پھر چار صحابیوں ابو الہیثم بن التیہان، ابو ایوب ، عمار اور خزیمة بن ثابت ذو الشہادتین نے غدیر خم کے دن فرمان رسالت کو کچھ تفصیل کے ساتھ بیان کیا کہ رسول خداؐ نے فرمایا اے لوگو! بتحقیق خدا نے تمہیں اپنی کتاب میں نماز کا حکم دیا ہے اور میں نے تمہارے لیے نماز کے احکام اور آداب و

سنن کو بیان کر دیا ہے زکوۃ اور روزے کا خدا نے حکم دیا ہے میں نے ان کی تفسیر کر دی ہے خدا نے اپنی کتاب میں ولایت کا تمہیں حکم دیا ہے۔

اور میں تمہیں گواہ کر کے کہتا ہوں کہ یہ ولایت و حاکمیت مخصوص ہے اس علیؑ اور میرے دوسرے اوصیاء میری اولاد سے اور علی علیہ السلام کی اولاد سے۔ ان میں پہلے میرا بیٹا حسنؑ ہے پھر حسینؑ ہے پھر حسینؑ کی اولاد سے نو وصی ہیں (جو کہ) قرآن سے جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ مجھ تک حوض کوثر پر آ پہنچیں۔ پھر حضورؐ نے فرمایا: لوگوں میرے بعد تمہارا امام، ولیؑ (حاکم) اور ہادی میرا بھائی علی بن ابی طالب ہیں اور وہ تم میں میری منزلت، (میری طرح) ہیں اپنے دین میں ان کی اتباع کرو اور اپنے سب امور میں ان کی اطاعت کرو بتحقیق جو کچھ خدا نے مجھے علم تعلیم دیا ہے وہ سب کچھ ان کے پاس ہے میں نے ان کو تعلیم دیا ہے پس ان سے پوچھو اور ان سے اور ان کے اوصیاء سے یاد کرو اور انہیں مت سکھاؤ اور ان پر مقدم نہ ہو یعنی ان کے آگے نہ چلو۔ اور ان سے پیچھے بھی نہ رہو۔ (بلکہ ان کی متابعت میں ان کے ساتھ ساتھ چلو) کیونکہ وہ حق کے ساتھ ہیں اور حق ان کے ساتھ ہے۔ حق ان سے جدا نہ ہوگا اور وہ حق سے جدا نہ ہوں گے۔

پھر علی علیہ السلام نے ابو درداء اور ابو ہریرہ اور جو ان کے ہمراہ تھے کو فرمایا کیا جانتے ہو کہ خدا نے اپنی کتاب میں آیت ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ

الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ کو نازل فرمایا ہے۔ پس رسول خداؐ نے اپنی کساء میں مجھے فاطمہ، حسن اور حسین کو جمع کر کے فرمایا: اللھم ھولاء أحبتی و عترتی و ثقلی و خاصتی و اھل بیتی فأذھب عنھم الرجس و طھّرھم تطھیرا؛ خدایا یہی میرے احبہ، میری عترت و ثقل و خواص اور میرے اہل بیت ہیں ان سے رجس کو دور رکھ اور ان کو پاکیزہ رکھ جس طرح پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔

تو ام سلمہؓ نے عرض کیا اور میں (یعنی میں بھی چادر کے نیچے آجاؤں) تو انکو فرمایا: کہ تو نیکی پر ہے (اپنی جگہ پر ٹھہری رہو) حضورؐ نے فرمایا پس بتحقیق یہ آیت میرے بارے میں اور میرے بھائی علیؑ اور میری بیٹی فاطمہؑ اور میرے بیٹوں حسنؑ اور حسینؑ اور حسینؑ کی اولاد سے نو (اماموں) کے بارے میں خاص ہے اس (فضیلت) میں ہمارے ساتھ اور کوئی غیر شریک نہیں ہے۔ پھر سب لوگوں نے جو کہ امیر المومنین علی علیہ السلام کے پاس بیٹھے تھے نے گواہی دی کہ ام سلمہؓ نے ہمیں یہ چیز بتائی ہے اور پھر ہم نے رسول خداؐ سے بھی سوال کیا تھا اور انہوں نے بھی اسی طرح بتایا جس طرح حضرت ام سلمہؓ نے بتایا تھا۔ پھر علی علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ خدا نے سورہ حج میں فرمایا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۔ وَجَاهِدُوا فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ

مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ ۔۔۔ ﴾[1]۔

ایمان والو! رکوع کرو، سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو اور کار خیر انجام دو کہ شاید اسی طرح کامیاب ہو جاؤ اور نجات حاصل کرلو۔ اور اللہ کے بارے میں اس طرح جہاد کرو جو جہاد کرنے کا حق ہے کہ اس نے تمہیں منتخب کیا ہے اور دین میں کوئی سختی نہیں قرار دی ہے یہی تمہارے بابا ابراہیم کا دین ہے اس نے تمہارا نام پہلے بھی اور اس قرآن میں بھی مسلم اور اطاعت گزار رکھا ہے تاکہ رسول تمہارے اوپر گواہ رہے اور تم لوگوں کے اعمال کے گواہ رہو۔

ان آیات کے نازل ہونے پر سلمان (فارسی) کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہؐ یہ کون لوگ ہیں کہ جن پر آپؐ گواہ ہیں اور وہ لوگوں پر گواہ ہیں جن کو اللہ نے چن لیا ہے اور ان کے جدّ ابراہیمؑ کی ملت یں ان پر دین میں حرج قرار نہیں دی؟ تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے اس سے تیرہ ہستیوں کا ارادہ کیا ہے۔

میں اور میرا بھائی علیؑ اور ان کی اولاد سے ان کے گیارہ بیٹے۔ تو لوگوں نے تصدیق کی کہ ہم نے یہ چیز رسول خداؐ سے سنی ہے۔ پھر علی علیہ السلام نے فرمایا: میں تمہیں خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں، جانتے ہو کہ رسول خداؐ نے

۱۔ سورہ مبارکہ حج، آیات ۷۷۔۷۸۔

خطبہ دیا پھر اس کے بعد خطبہ نہیں دیا اور فرمایا: لوگوں میں نے تم میں دو چیزوں کو چھوڑا ہے اگر ان دونوں کے ساتھ تمسک رکھا تو کبھی بھی گمراہ نہیں ہوگے (ایک تو) کتاب اللہ ہے اور دوسری میری اہل بیتؑ ہے اور لطیف خبیر نے مجھے خبر دی ہے اور مجھ سے عہد کیا ہے کہ یہ دونوں کبھی بھی آپس میں جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ مجھ تک حوض کوثر تک آ پہنچیں۔ سب صحابہ نے کہا: ہاں خدایا ہم نے یہ سب کچھ رسول خداؐ سے دیکھا ہے۔

پھر جماعت سے (لوگوں سے) بارہ صحابی کھڑے ہوئے اور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں جس دن حضورؐ کی رحلت ہوئی اس دن حضورؐ نے خطبہ دیا، عمر بن خطاب، غصے کی مانند حالت میں کھڑا ہوا اور کہا: یا رسول اللہ یہ چیز آپ کے سب اہل بیت کے لیے ہے؟ تو حضورؐ نے فرمایا: نہیں (ولکن لاوصیائی منهم علی اخی و وزیری و وارثی و خلیفتی فی أمتی و ولی کل مومن بعدی و هو اوّلهم و خیرهم ثم وصیه بعده ابنی هذا و أشار الی الحسن ثم وصیّه ابنی هذا و أشار الی الحسین ثم وصیّه ابنی بعده سمی أخی، ثم وصیه بعده سمیی، ثم سبعة من ولده واحد بعد واحد حتی یردوا علیّ الحوض شهداء الله فی ارضه و حججه علی خلقه من اطاعهم أطاع الله و من عصاهم عصی الله)

لیکن ان میں میرے اوصیاء کے لیے ہے جن میں میرا بھائی علی ہے وہ میرا وزیر میرا وارث اور میری امت میں میرا خلیفہ ہے اور میرے بعد ہر مومن کا

ولی (حاکم) ہے اور وہ ان میں پہلا ہے اور ان میں سب سے افضل ہے پھر ان کا وصی، ان کے بعد میرا یہ بیٹا ہے اور (حضرت امام) حسنؑ کی طرف اشارہ کیا پھر ان کا وصی میرا یہ بیٹا اور (حضرت امام) حسینؑ کی طرف اشارہ کیا پھر ان کا وصی میرا بیٹا ہے جس کا نام میرے بھائی کے نام پر ہے۔ (علیؑ) بن الحسین پھر ان کا وصی جو میرا ہم نام ہے (یعنی محمد) باقرؑ پھر ان کی اولاد سے سات وصی ایک دوسرے کے بعد ہیں یہاں تک کہ مجھ تک حوض کوثر پر آ پہنچیں۔ یہ اللہ کے زمین پر گواہ ہیں اور اس کی مخلوق پر حجت ہیں جس نے ان کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے ان کی نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی۔

ستر (۷۰) بدری صحابہ اور اتنے ہی مہاجرین سے لوگ کھڑے ہوئے اور کہا جو کچھ تم نے ذکر کیا ہے ہم نہیں بھولے، ہم گواہی دیتے ہیں کہ یہ چیز ہم نے رسول خداؐ سے سنی تھی۔

ابو درداء اور ابوہریرہ جو کہ معاویہ کی طرف سے علی علیہ السلام کے پاس پیغام لے کر آئے تھے، مذکورہ بیانات جو کہ حضرت علی علیہ السلام سے سنے اور صحابہ کی گواہیاں اور لوگوں کی تصدیقات کو معاویہ کے سامنے بتا دیا۔[۱]

۱۔ کتاب الولایۃ للامام الحافظ ابی العباس احمد بن محمد بن سعید ابن عقدۃ الکوفی، ص ۱۹۹ تا ۲۰۲۔ جمعہ و رتبہ و قدم لہ عبد الرزاق محمد حسین حرز الدین۔

نوٹ نمبر۱: عثمان کے دور میں مسجد رسولؐ میں بھی (ایک طویل روایت) میں، اس واقعہ کی روایت کے مشابہہ روایت منقول ہے جس کو اہل سنت کے محدث جوینی نے اپنی کتاب فرائد السمطین، ج۱، ص ۳۱۲۔ ۲۵۰ پر ذکر کیا ہے۔ جس میں سلمان فارسی کی بجائے ابوبکر و عمر کا نام ہے کہ انہوں نے سوال کیا تھا کہ کیا یہ آیات علیؑ کے بارے میں خاص ہیں؟ تو حضورؐ نے فرمایا: بل فیه و فی اوصیائی قال یا رسول الله بینهم لنا قال علی اخی و وزیری و وارثی و وصیی و خلیفتی فی امتی و ولیّ کل مومن بعدی ثم ابنی الحسن ثم الحسین ثم تسعة من ولد ابنی الحسین واحد بعد واحد القرآن معهم و هم مع القرآن لا یفارقونه و لا یفارقهم حتی یردوا علی الحوض؛ بلکہ اِن کے بارے میں اور میرے اوصیاء کے بارے میں ہے کہا یا رسول اللہؐ ہمارے لیے ان کی وضاحت فرمائیں تو آپؐ نے فرمایا: علی میرا بھائی، میرا وارث، میرا وصی اور میری امت میں میرا خلیفہ ہے اور میرے بعد ہر مومن کا حاکم ہے پھر میرا بیٹا حسن پھر حسین پھر میرے بیٹے حسین کی نسل سے نو امام ایک دوسرے کے بعد ہوں گے قرآن ان کے ساتھ اور وہ قرآن کے ساتھ ہیں وہ قرآن سے جدا نہیں ہوں گے اور قرآن ان سے جدا نہیں ہوگا یہاں تک کہ مجھ تک کہ حوض کوثر پر آ پہنچیں۔ پھر سب صحابہ کا حضرت علیؑ کی بات کی تصدیق کرنا تا آخر روایت۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اس روایت میں بھی بارہ اماموں کا ذکر آیا ہے۔

نوٹ نمبر ۲: رحلت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد احادیث کو نقل کرنے پر پابندی عائد کردی گئی تھی خصوصاً وہ روایات جو فضائل اہل بیتؑ میں تھیں، بنی امیہ کے دور میں تو امیر المومنین علی علیہ السلام کا نام مبارک لینا بھی مشکل ہوگیا تھا۔ لیکن اس سب پابندیوں کے باوجود علی علیہ السلام اور ان کے گیارہ معصوم بیٹوں کی امامت وخلافت کا ذکر اہل سنت کی کتب میں موجود ہے، کمامرّ۔

اگر مقام میں کچھ اشارہ بھی ہوتا تو منصف مزاج کے لیے کافی تھا لیکن مقام میں تو صریحاً نصوص پائی جاتی ہیں اور کئی ایک احادیث کی سند کی صحت اور تواتر کا علماء اہل سنت نے بھی اعتراف کیا ہے[1]۔

ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص چاہتا ہے کہ وہ میری زندگی پر زندہ رہے اور میری موت پر مرے اور جنت عدن میں ساکن ہو جس کو خدا نے خلق فرمایا ہے پس وہ میرے بعد علی کو دوست رکھے اور ان کے دوست کو بھی دوست رکھے اور وہ میرے بعد ائمہ (اماموں) کی اقتداء کرے کیونکہ وہ میری عترت ہیں میری طین سے خلق ہوئے ہیں ان کو فہم اور علم عطا کیا گیا ہے ویل ہے ان لوگوں کے لیے جو میری امت سے ان کی

۱۔ اگرچہ جن لوگوں کے دلوں میں مرض پائی جاتی ہے وہ فضائل اہل بیت علیہم السلام والی روایات کے رواۃ اور مؤلفین پر طرح طرح کے الزام لگا کر انہیں ضعیف قرار دینے یا روایت کا معنی بگاڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔

فضیلتوں کی تکذیب کریں اور ان میں میرے صلہ کو قطع کریں ان کو خدا میری شفاعت نہیں پہنچائے گا۔ [1]

امام رضا علیہ السلام نے اپنے آباء طاہرین کے واسطہ سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

جو شخص چاہتا ہے کہ میرے دین کے ساتھ متمسک رہے اور میرے بعد نجات کی کشتی پر سوار ہو جائے پس وہ، علی بن ابی طالب کی اقتداء کرے اور ان کے دشمن کو دشمن رکھے اور ان کے چاہنے والے کو دوست رکھے کیونکہ وہ میرا وصی اور میری زندگی اور میری وفات کے بعد میری امت پر میرا خلیفہ ہے اور وہ ہر مسلمان کا امام ہے اور میرے بعد ہر مومن کا امیر ہے ان کا قول، میرا قول ہے اور ان کا حکم میرا حکم ہے اور ان کی نہی میری نہی ہے ان کی متابعت میری متابعت ہے ان کا مددگار میرا مددگار ہے ان کی مدد کو ترک کرنا میری مدد کو ترک کرنا ہے۔ پھر فرمایا: جو شخص میرے بعد علیؑ سے جدا ہو گیا وہ قیامت کے دن میری زیارت نہیں کر سکے گا اور میں بھی اس کو نہیں دیکھوں گا۔ اور جس نے علیؑ کی مخالفت کی اس پر جنت حرام ہے اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ جس نے علیؑ کی نصرت و مدد کو ترک کیا قیامت کے دن خدا اس کی مدد کو ترک کردے

۱۔ فرائد السمطین، ج۱، ص ۵۳۔

گا جس نے علیؑ کی نصرت کی تو خدا اس کی اس کے ملاقات کے دن اس کی مدد کرے گا اور اسے پرسش کے وقت حجت کی تلقین کرے گا۔

پھر آپؐ نے فرمایا: حسن اور حسین اپنے باپ کے بعد میری امت کے امام ہیں اور جوانان جنت کے سردار ہیں اور ان دونوں کی ماں سب جہانوں کی عورتوں کی سردار ہیں اور ان دونوں کے والد وصیوں کے سردار ہیں اور حسین علیہ السلام کی اولاد سے نو امام ہیں، نواں امام قائم میری اولاد سے ہے ان کی اطاعت میری اطاعت ہے ان کی نافرمانی میری نافرمانی ہے، میرے بعد ان کے فضائل کے منکروں کی، اور میرے بعد ان کی حرمت کو ضائع کرنے والوں کی شکایت خدا کی طرف کروں گا میری عترت اور میری امت کے ائمہ (اماموں) کے لیے مددگار خدا کافی ہے اور وہ ان کے حق کے انکار کرنے والوں سے انتقام لینے والا ہے (اور عنقریب ظالمین کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس جگہ پلٹا دیئے جائیں گے۔)

عن علی بن موسی الرضا علیه التحیة و الثناء عن أبیه عن آبائه علیهم السلام قال قال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم من أحب أن یتمسك بدینی و یرکب سفینة النجاة فلیقتد بعلی بن ابی طالب ولیعاد عدوه ولیوال ولیه فانه وصی و خلیفتی علی أمتی فی حیاتی و بعد وفاتی وهو امام کل مسلم و أمیر کل مؤمن

بعدی قوله قوله و أمره أمری و نهیه نهی و تابعه تابعی و ناصر ہ ناصری و خاذله خاذلی

ثم قال علیه السلام من فارق علیا بعدی لم یرنی ولم أره یوم القیامة ومن خالف علیاً حرّم الله علیه الجنة و جعل مأواه النار ومن خذل علیا خذله الله یوم یعرض علیه ومن نصر علیاً نصره الله یوم یلقاه و لقنّه حجته عند المسألة ثم قال علیه السلام و الحسن و الحسین اماما أمتی بعد أبیها و سیّد الشباب أهل الجنة و أمّهما سیدة نساء العالمین و أبوهما سید الوصیین ومن ولد الحسین تسعة ائمة تاسعهم القائم من ولدی طاعتهم طاعتی و معصیتهم معصیتی الی الله أشکو المنکرین لفضلهم و المضیّعین لحرمتهم بعدی کفی بالله ولیاً و ناصراً لعترتی و ائمة أمتی و منتقما من الجاحدین حقهم ﴿ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ﴾، (سورہ شعراء آیت ۲۲۷)[1]

عبایة بن ربیعی عن جابر قال رسول الله(ص) انا سید النبیین وعلی سید الوصیین ان اوصیائی بعدی اثنا عشر أولهم علی و آخرهم القائم المهدی؛

۱۔ فرائد السمطین، ج۱، ص ۵۴، ۵۵، طبع بیروت۔

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول خدا نے فرمایا: میں نبیوں کا سردار ہوں اور علی وصیوں کے سردار ہیں بے شک میرے بعد میرے بارہ وصی ہیں ان میں پہلے علیؑ اور آخری مہدی قائمؑ ہیں۔ [1]

عن سلمان المحمدی قال دخلت النبی (ص) و اذا الحسین علی فخذہ و یقبل عینیه و یلثم فاہ و یقول انك سید ابن سید أبو سادة انّك امام ابن امام أبو ائمة انّك حجة ابن حجة أبو حجج تسعة من صلبك تاسعهم قائمهم؛

حضرت سلمان محمدی فرماتے ہیں کہ میں پیغمبرؐ کے پاس آیا اور حسینؑ ان کے ران مبارک پر تھے اور وہ ان کی آنکھوں کا بوسہ لے رہے تھے اور فرمارہے تھے کہ بے شک تو سردار ہے اور سردار کا بیٹا ہے اور سرداروں کا باپ ہے تو امام ہے اور امام کا بیٹا ہے اور اماموں کا باپ ہے تو حجت ہے حجت کا بیٹا ہے اور حجج کا باپ ہے تیری صلب سے نو امام ہیں ان کا نواں قائم (مہدی) ہے۔ [2]

امام مہدی علیہ السلام

شیعہ اثنا عشریہ کا عقیدہ یہ ہے کہ امام مہدی علیہ السلام، حضورؐ کے بارہویں جانشین ہیں اور وہ اولاد فاطمہ علیہا السلام اور ذریت امام حسین علیہ السلام سے

ا۔ ینابیع المودة، باب ۷۷، ۵۰۳؛ مودة القربی، ص ۲۹؛فرائد السمطین، ج ۲، ص ۳۱۳ (عن عبد اللہ بن عباس)۔

۲۔ مقتل الحسین خوارزمی، ص ۲۱۲؛ ینابیع المودة، ج ۲، ص ۳۱۶۔

ہیں وہ ۱۵ شعبان ۲۵۵ھ میں متولد ہو چکے ہیں۔ تقریباً ستر سال غیبت صغری میں رہے اور اس دوران ان کے یکے بعد دیگرے چار خاص نائب تھے جن کے ذریعے مومنین ان سے رابطہ رکھتے تھے پھر اس کے بعد غیبت کبریٰ کا دور ہے اور سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ طاہرین علیہم السلام نے ان کی طولانی غیبت کی خبر دی ہے۔ جن کی کئی ایک وجوہات ہیں جن میں ایک وجہ مومنین کا امتحان ہے تا کہ کھوٹے، مخلصین سے جدا ہو جائیں۔ اور ان کی امامت پر مخلصین، اور خالص صاحبان ایمان ہی باقی رہیں گے۔ غیبت کبریٰ میں دینی مسائل میں مومنین کا وظیفہ، امام عصر (عج) کے نواب عامہ، رواۃ حدیث، جامع الشرائط فقہاء کی طرف رجوع کرنا ہے امام مہدیؑ بحکم خدا، آخر الزمان میں ظہور فرمائیں گے اور پوری دنیا کو عدل و انصاف کے ساتھ بھر دیں گے جیسے وہ ظلم و جور کے ساتھ بھر چکی ہو گی۔

امام مہدی علیہ السلام کی طولانی عمر پر اشکال کرنا یہ قدرت الٰہی پر اشکال کرنا ہے جو کہ سراسر جہالت ہے خداوند متعال بحق محمد و آل محمدؐ جملہ مؤمنین کو شیاطین اور وسوسہ ڈالنے والوں کے شر سے محفوظ رکھے۔

ہم نے اس موضوع کے بارے میں تمام شبہات کے مدلل اور متقن جواب اپنی کتاب دفع الشبہات عن الامام المہدیؑ میں دیئے ہیں۔

امام مہدی علیہ السلام کا ظہور مشئیت الٰہی پر موقوف ہے جب وہ اذن فرمائے گا ظہور فرمائیں گے۔ لہٰذا ان کے جلد ظہور نہ کرنے پر اعتراض یہ ان پر اعتراض نہیں بلکہ خدا پر اعتراض ہے کہ وہ ظہور کا جلد اذن کیوں نہیں دے رہا اور جو خدا پر اعتراض کرے وہ بلاشک کافر ہے۔ اہل سنت کا نظریہ یہ ہے کہ امام مہدی پیدا ہوں گے البتہ اہلسنت کے بعض محققین علماء کے نزدیک امام مہدیؑ کی ولادت ہوچکی ہے[۱] وہ پردہ غیبت میں موجود ہیں۔ وہ آخر الزمان میں ظہور فرمائیں گے۔ان شئت التفصیل فراجع الی البیان فی اخبار صاحب الزمان للحافظ گنجی۔

خلاصہ یہ کہ امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کا انکار کرنا کفر ہے اور ان کا آخری زمانہ میں ظہور کرنے پر پوری امت اسلام کا اتفاق ہے۔ امام مہدیؑ کے بارے میں شیعہ و سنی کی ۳۸۹ احادیث میں آیا ہے کہ وہ حضورؐ کے اہل بیتؑ سے ہیں۔ ۱۹۲ حدیثوں میں ان کا اولاد فاطمہؑ سے ہونا مذکور ہے۔ ۱۴۸ حدیثوں میں ہے کہ وہ امام حسینؑ کی اولاد سے نویں فرزند ہیں۔ ۱۴۶ حدیثوں میں ہے کہ وہ امام حسن عسکری کی اولاد ہیں۔

۱۳۶ حدیثوں میں نقل ہوا ہے کہ وہ اہل بیتؑ کے اماموں سے بارہویں ہیں۔
۲۱۴ حدیثوں میں ان کی ولادت کی خبر پائی جاتی ہے۔
۳۱۸ حدیثوں میں ان کی طولانی عمر کے ہونے کا تذکرہ ہے۔

۱۔الیواقیت والجواہر فی بیان عقائد الاکابر، ص ۵۶۲۔

۹۱ حدیثوں میں نقل ہوا ہے کہ وہ طویل عرصہ تک پردہ غیبت میں رہیں گے۔
۲۷ حدیثوں میں ہے کہ عالمی سطح پر اسلام کا ظہور ہوگا۔
۱۳۲ حدیثوں میں ہے کہ وہ زمین کو عدل وانصاف کے ساتھ بھر دیں گے
۲۵ روایتیں ان لوگوں کے بیان میں ہیں جن کو غیبت صغریٰ کے زمانہ میں امام مہدیؑ کا دیدار ہوا ہے۔ بعض کتب میں منقول ہے کہ تین سو کے قریب لوگوں نے آپ کی زیارت کی ہے۔
۲۷ حدیثیں غیبت صغریٰ میں آپ کے بعض معجزات کے بارے میں ہیں۔
۲۲ حدیثیں غیبت صغریٰ میں جنابؑ کے سفیروں اور نائبوں کے بارے میں ہیں۔
۱۲ روایات غیبت کبریٰ میں آپؑ کے معجزات کے بارے میں ہیں۔
۱۳ روایات اس شخص کے بارے میں ہیں جس نے آپؑ کو غیبت کبریٰ میں آپ کی زیارت کی ہے۔
۱۲ حدیثیں آپ کے خروج وظہور کی بعض کیفیتوں کے بارے میں ہیں۔
۷۳ حدیثیں آپؑ کے خروج سے پہلے رونما ہونے والے فتنوں، بدعتوں ظلم اور گناہوں کی کثرت اور ان کو انجام دینے والوں کی قوت اور اطاعت خدا کو اہمیت دینے والوں کی قلّت اور فسق وفجور کے آشکار ہونے کے بارے میں ہیں۔
۲۹ حدیثیں آپؑ کے ظہور کی بعض علامتوں کے بارے میں ہیں۔

۳۹ حدیثیں، حضرت عیسیٰ کے نازل ہونے اور ان کا امام مہدیؑ کے پیچھے نماز پڑھنے کے بارے میں ہیں۔

۱۸ حدیثیں آپ کی خلافت کی مدت کے بارے میں ہیں۔

۶ حدیثیں آپ پر درود وسلام بھیجنے کے طریقہ کے بارے میں ہیں۔

۱۳ حدیثیں جو دعائیں آپ سے منقول ہیں ان کے بارے میں ہیں۔

۵۴ حدیثیں، آپ کے شیعوں کے بعض فرائض کے بارے میں ہیں۔

۲۳ حدیثیں ظہور کے انتظار کی فضیلت کے بارے میں ہیں۔ چنانچہ کمال الدین میں منقول ہے امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص اس امر یعنی ظہور کے انتظار میں مرگیا اس کی مثال اس شخص کی سی ہے کہ حضرت قائم کے ساتھ ان کے خیمہ میں ہونے، بلکہ رسولؐ کے حضور میں تلوار سے جہاد کرنے والے کی طرح ہے۔

۹ حدیثیں، امام مہدیؑ کے انکار کے حرام ہونے اور ان کے منکر کا بڑا گناہ گار ہونے کے بیان میں ہیں۔

۲۳ حدیثیں اس شخص کی فضیلت میں جو امام مہدیؑ کی غیبت میں آپ پر ایمان لائے اور آپ کی محبت پر ثابت قدم رہے، چنانچہ سید الساجدین امام علی بن الحسینؑ نے فرمایا: جو شخص ہمارے قائم کی غیبت میں ہماری محبت پر ثابت

قدم رہا خدا اس کو بدر و احد کے ہزار شہیدوں کے برابر اجر عطا فرمائے گا۔ کما فی کمال الدین۔

ان احادیث کی تفصیل کے لیے کتاب ارزشمند منتخب الاثر[۱] کی طرف رجوع فرما سکتے ہیں۔

دعا گو ہوں کہ خداوند متعال بحق محمد وآل محمدؐ ہم سب کو اس عظیم امتحان میں، امام عصر امام مہدی علیہ السلام کی امامت و محبت پر ثابت قدم رکھے اور ہمیں ان کے خادموں میں سے قرار دے اور ان کی شفاعت ہمیں نصیب فرمائے۔

اہل سنت کے عالم شیخ عبد الوہاب بن احمد بن علی شعرانی مصری حنفی اپنی کتاب[۲] میں لکھتے ہیں کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام عترت رسولؐ سے اور اولاد فاطمہؑ سے ہیں ان کے جدّ حسین بن علی علیہ السلام ہیں اور ان کے والد گرامی حسن عسکریؑ ابن امام علی نقی علیہ السلام ہیں اور ان کی ولادت باسعادت پندرہ شعبان ۲۵۵ھ میں ہو چکی ہے اور وہ زندہ ہیں یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ کے ساتھ اکٹھے ہو جائیں۔

۱۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ بنام جمال المنتظر ہو چکا ہے۔

۲۔ الیواقیت والجواہر فی بیان عقائد الاکابر، ص ۵۶۲۔

وهو من عترة رسول الله (ص) من ولد فاطمه رضی الله عنها جده الحسين بن علی بن أبي طالب و والده حسن العسكری ابن الامام علی النقی ابن محمد التقی ابن الامام علی الرضا ابن الامام موسی الكاظم ابن الامام جعفر الصادق ابن الامام محمد ابن الامام زين العابدين علی ابن الامام حسين ابن الامام علی بن ابی طالب۔

نوٹ: اہل سنت کے حافظ ابوالحسن محمد بن الحسین الابری نے کہا ہے کہ امام مہدی علیہ السلام اس امت سے ہیں اور حضرت عیسیٰ ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے اس بارے میں روایات متواتر ہیں۔

وقال أبو الحسن الخسعی فی مناقب الشافعی: تواترت الاخبار بأن المهدی من هذه الأمة و أن عيسی يصلی خلفه۔[1]

صواعق میں حافظ بن حجر مکی تحریر کرتے ہیں: و قد تواترت الاخبار عن النبی (ص) بخروجه و أنه من أهل بيته و أنه يملا الارض عدلاً؛ پیغمبر اسلامؐ سے متواتر روایات ہیں کہ وہ (حضرت امام مہدی) خروج کریں گے اور وہ آنجنابؐ کے اہل بیت سے ہیں اور وہ زمین کو عدل سے بھر دیں گے۔

۱۔ فتح الباری عسقلانی، ج۶، ص ۵۶۹، باب نزول عیسیٰ۔ العرف الوردی فی إخبار المهدی، ص ۱۷۶۔

ازالہ شبہ

سوال: جب یہ بات ثابت ہے کہ رسول خداؐ کے حقیقی جانشین حضرت علیؑ ہیں تو آپ نے پھر دوسرے مدعیان خلافت سے جنگ کیوں نہیں کی یہ وہ سوال ہے جو اکثر عوام کے ذہن میں آتا ہے اور اس کے بارے میں استفسار کیا جاتا ہے۔

اما الجواب: حضرت علی علیہ السلام کا دیگر مدعیان خلافت سے جنگ نہ کرنے کی کئی ایک وجوہات ہیں۔ اولاً تو جب حضورؐ نے رحلت فرمائی تو کئی ایک قبائل عرب، دین سے پھر گئے یعنی مرتد ہو گئے، اور خود مدینہ منورہ بقول شبلی نعمانی کے منافقین سے بھرا پڑا تھا۔ جو دل سے اسلام کو نہیں چاہتے تھے۔ ان اندرونی اسلام کے دشمنوں کی شرارتوں کا خوف بھی تھا اور بیرونی دشمنان اسلام کے حملوں کا خوف بھی تھا۔

ان حالات میں مصلحتاً اسلام کی بقاء کے لیے حضرت علی علیہ السلام نے جنگ نہیں کی۔

وثانیاً، حضور کی رحلت کے بعد لوگ بیعت غدیر سے پھر گئے تھے جو افراد اس بیعت پر ثابت قدم رہے ان کی تعداد قلیل تھی، لہٰذا عدم انصار کی وجہ سے جنگ نہ کی یہی وجہ ہے کہ آپ نے اپنی ظاہری خلافت میں چونکہ انصار موجود تھے اسلامی حکومت کے مخالفین سے جنگیں کیں مثل جنگ جمل، صفین اور نہروان۔

وثالثاً، حضورؐ نے ان کو صبر کی تلقین فرمائی تھی۔

ورابعاً، مدینہ منورہ کی حرمت کو مد نظر رکھتے جنگ نہیں کی۔

وخامساً، حدیث میں منقول ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: تحقیق میرے اصحاب کی (تیسری چوتھی) پشت کے بعد ایسے آدمی مردوں اور عورتوں سے ہوں گے جو بغیر حساب کے بہشت میں داخل ہوں گے۔

لہٰذا جن کی پشتوں سے مومنین کے پیدا ہونے کی امید تھی ان کو قتل نہیں کیا۔

وسادساً، حضورؐ کی سیرت پر عمل کیا چونکہ حضورؐ نے مکہ میں عدم انصار کی وجہ سے کفار مکہ سے جنگ نہیں کی حضرت علیؑ نے عدم انصار کی وجہ سے قتال نہیں کیا۔

قضاوت علی علیہ السلام کا ایک واقعہ

حضرت علیؑ کے پاس دو عورتیں ایک بچے پر جھگڑے کی وجہ سے آئیں، ہر ایک کا دعویٰ یہ تھا کہ یہ بچہ میرا ہے۔ امام علیہ السلام نے اپنے مخصوص طریقہ سے حقیقت کے ظاہر ہونے کی خاطر قنبر کو حکم دیا کہ اس بچے کے تلوار سے دو ٹکڑے کردے ایک حصہ اس عورت کو دوسرا حصہ دوسری عورت کو دے دے تو جس عورت کا یہ بچہ تھا اس نے کہا مولا! آپ قنبر کو کہیں کہ اس بچے کے ٹکڑے نہ کرے یہ سارا بچہ اسی عورت کے حوالے کردو۔ حضرت علیؑ نے فرمایا: یہ بچہ اسی عورت کا ہے جو کہہ رہی ہے کہ یہ بچہ اس دوسری عورت کے حوالے کردو۔ چونکہ یہ اس کی حقیقی ماں تھی اپنے بچے کے ٹکڑے ہونے کو

برداشت نہ کر سکی۔ کہا اسی عورت کے حوالے کردو چلو میرا بچہ مجھے نہ ملا کم سے کم زندہ تو رہے گا۔

اسی واقعہ سے منصف مزاج کے لیے مذکورہ سوال کا جواب موجود ہے۔ جس علیؑ نے اپنی پوری زندگی اسلام کی خاطر جہاد کیا، بدن میں زخم برداشت کیے، بستر رسولؐ پر تلواروں کے سائے میں سوئے وہ علیؑ حضورؐ کے بعد اپنے ذاتی حق کی خاطر کیسے برداشت کر سکتے تھے کہ اسلام پر کی گئی ساری محنت ضائع ہو جائے اور لوگ محمد رسول اللہ پڑھنا چھوڑ دیں؟ جس اسلام کے پودے کی ساری زندگی آبیاری کرتے رہے وہ علیؑ کیسے برداشت کر سکتے تھے کہ حضورؐ کے بعد یہ پودا کٹ جائے؟ لہٰذا حضرت علیؑ نے اپنے حق کی نسبت صبر سے کام لیا جنگ نہ کی چلو مجھے میرا حق نہیں ملا کم سے کم کلمہ توحید و رسالت تو جاری ہے؟ فیصلہ دربار الٰہی میں قیامت پر چھوڑ دیا۔

انصاف آپ پر! وما علینا الّا البلاغ المبین۔

ولایت تکوینی

علم و قدرت ائمہ معصومین علیہم السلام

شیعہ کا عقیدہ ہے کہ سب انبیاء کے علوم اللہ کے آخری نبی سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہیں اور اللہ نے ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن نازل فرمایا جس میں ہر چیز کا بیان موجود ہے ﴿تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ﴾ (۱)

جس میں ہر خشک و تر کا ذکر موجود ہے۔ ﴿وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ﴾ (۲)

اللہ نے ہمارے نبی کو علم غیب عطا فرمایا ہے ﴿عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا - إِلَّا مَنِ ارْتَضَى مِنْ رَسُولٍ﴾ (۳)

وہ عالم الغیب ہے اور اپنے غیب کا کسی پر اظہار نہیں کرتا مگر جس رسول کو پسند کرے۔

اور حضورؐ کو ارشاد رب العزت ہے ﴿قُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا﴾ (۴)

۱۔ سورہ نحل، آیت ۸۹۔

۲۔ سورہ انعام، آیت ۵۹۔

۳۔ سورہ جن، آیت ۲۶۔۲۷۔

۴۔ سورہ طہ، آیت ۱۱۴۔

کہو خدایا میرے علم میں اضافہ فرما۔

حضورؐ پر قرآن نازل ہوا جس میں ہر چیز کا بیان موجود ہے نیز حضورؐ تمام انبیاء کے علوم کے وارث ہیں پھر بھی حکم ہو رہا ہے کہ مجھ سے علم کی زیادتی کے بارے میں دعا کرو۔ تم علم مجھ سے مانگو میں عطا کروں گا۔ دینے والا جواد و کریم (سخی) ہے اور لینے والے کا ظرف وسیع ہے پھر خود ہی انصاف سے فیصلہ کریں کہ حضورؐ کے پاس کتنا علم ہوگا۔

حضورؐ کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہے، آنجنابؐ کے بعد امامت وخلافت کا سلسلہ شروع اور قیامت تک کے لیے موجود ہے چونکہ حضورؐ کی شریعت قیامت تک کے لیے لہٰذا حضورؐ کے کسی نہ کسی خلیفہ اور امت کے لیے معصوم امام کا ہونا ضروری ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ حضورؐ نے اپنے سب علوم کو اپنے پہلے جانشین حضرت علی علیہ السلام کو تعلیم فرمائے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اُن کی شان میں فرمایا: **انا مدینة العلم و علی بابها**[1]؛ میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں فمن اراد العلم فلیأت الباب؛ جو علم چاہتا ہے وہ دروازے پر آئے، اور بعض روایات میں ہے: انا دار الحکمة و

ا۔المستدرک حاکم، ج ۲، ص ۱۲۶، ۱۲۷۔ بسند صحیح، ترجمہ الامام علی بن ابی طالب من تاریخ دمشق ج ۲، ص ۴۶۴؛ مناقب علی بن ابی طالب لابن المغازلی، ص ۸۷ و کتب دیگر۔

علی بابھا[1]؛ میں حکمت کا گھر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں۔ اور قرآن کی آیت ﴿قُلْ كَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ﴾[2] کہہ دیجئے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان رسالت کی گواہی کے لیے خدا کافی ہے اور وہ شخص کافی ہے جس کے پاس پوری کتاب کا علم ہے۔ یہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔[3]

حضرت علی علیہ السلام سب انبیاء کے علوم کے وارث ہیں اور ان کے بعد ان کی ذریت طاہرہ ائمہ طاہرین علیہم السلام ان کے علوم کے وارث ہیں۔ معتبر روایات میں ائمہ معصومین علیہم السلام سے منقول ہے کہ فرمایا ہم معدن علم (علم کی کانیں) اور اللہ کے علم کے خزانے ہیں۔ ان کے پاس ماضی، حال اور قیامت تک کے آنے والے حالات کا علم موجود ہے تو پھر یہ کہنا کہ ان کے پاس صرف بعض جزئی امور کا علم ہے یہ قول خلاف تحقیق اور صحیح نہیں ہے۔ فافھم جیداً۔

ولایت تکوینی، کائنات میں باذن اللہ ہر طرح کے تصرف کرنے کا نام ہے۔

۱۔ سنن ترمذی، ج۵، ص ۶۳۷، باب مناقب علی بن ابی طالبؑ، مناقب علی بن ابی طالب لابن المغازلی، ص ۹۳؛ البدایۃ والنہایۃ، ج۷، ص ۳۷۲۔

۲۔ سورہ رعد، آیت ۴۳۔

۳۔ تفسیر الجامع لاحکام القرآن، ج۹، ص ۳۳۶ (للقرطبی)؛ مناقب علی بن ابی طالب ومانزل من القرآن فی علیٍ لابن مردویہ، ص ۲۶۸، تحقیق عبد الرزاق محمد حسین حرز الدین؛ ینابیع المودۃ، ص ۱۰۲۔

اور اللہ نے تکوین کے تصرّف میں جو طاقت و قدرت گذشتہ انبیاء کو عطا فرمائی ہے وہ سب، اور اس کے علاوہ جتنا وہ چاہتا تھا ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ولایت تکوینی عطافرمائی ہے لہٰذا وہ (باذن اللہ) اللہ کی دی ہوئی قدرت کے ساتھ جو چاہیں کر سکتے ہیں مردہ کو زندہ کرنا چاہیں کر سکتے ہیں، سورج کو دن میں کئی مرتبہ بھی لوٹانا چاہیں لوٹا سکتے ہیں پہاڑ کو چلنے کا حکم دیں تو پہاڑ چل نکلے، اندھے کو بینا کرنا چاہیں تو کرسکے ہیں۔ اس میں تعجب کی کیابات ہے! آؤ قرآن میں نبی کی قدرت کو دیکھ لو! حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں:

﴿أَنِّي أَخْلُقُ لَكُمْ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللهِ وَأُبْرِئُ الأَكْمَهَ وَالأَبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَى بِإِذْنِ اللهِ وَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لآيَةً لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ [1]۔

میں تمہارے لیے مٹی سے پرندہ کی شکل بناؤں گا اور اس میں کچھ دم کردوں گا تو وہ حکم خدا سے پرندہ بن جائے گا اور میں پیدائشی اندھے اور مبروص کو اچھا کروں گا اور حکم خدا سے مردوں کو زندہ کروں گا اور تمہیں اس بات کی خبر دوں گا کہ تم کیا کھاتے ہو اور کیا گھر میں ذخیرہ کرتے ہو ان سب میں تمہارے لیے نشانیاں ہیں اگر تم صاحبان ایمان ہو۔

ا۔ سورہ آل عمران، آیت ۴۹۔

عیسیٰ نبی کی قدرت کو ملاحظہ فرمایا کہ وہ باذن اللہ پرندہ خلق کر سکتے ہیں، مریضوں کو شفا دے سکتے ہیں، مردوں کو زندہ کر سکتے ہیں، جو کچھ لوگ کھا کر آئیں وہ بتا سکتے ہیں کہ کیا کھا کر آئے ہو اور جو گھروں میں ذخیرہ کر رکھا اس کو بھی بتا سکتے ہیں یعنی غیب کی باتوں کو بتا سکتے ہیں یہ ہے عیسیٰ نبی کا علم و قدرت۔[۱]

اور ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عیسیٰ سے کئی درجہ افضل ہیں تو پھر ان کی قدرت اور علم کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ اور ہمارے نبی کے وارث وجانشین ائمہ طاہرین ہیں اور ان کے پاس بھی ولایت تکوینی مطلقہ ہے۔

حضرت عیسیٰ کے پاس یہ قدرت تھی کہ وہ مذکورہ کام باذن اللہ انجام دے سکتے تھے یہ لفظ باذن اللہ جو بار بار استعمال ہوا ہے یہ اس لیے چونکہ بنی اسرائیل

۱۔اللہ نے اس آیت میں عیسیٰ نبی کی قدرت اور علم کے بارے میں وضاحت فرمائی ہے اور قرآن کوئی تاریخ کی کتاب نہیں ہے کہ ہمیں یہ بھی بتائے حضرت عیسیٰ نے کتنے نابیناؤں کو بینا کر دیا اور کتنے مردے زندہ کیے۔ جب اللہ نے ان کو یہ قدرت دی ہے، اب ان کی مرضی، حالات کے تقاضا کے مطابق جتنے مریضوں کو شفا دے دیں۔ چنانچہ منقول ہے کہ ان کے پاس ہزاروں مریض اکٹھے ہو جاتے تھے جن کو وہ شفا دیتے تھے اور جو ان تک نہیں آ سکتے تھے وہ خود ان کے پاس چلے جاتے اور ان کو شفا دیتے تھے۔ یہ اپنے وقت کا حجت خدا اور باب اللہ ہے یہ بات بعید ہے کہ کوئی ان کو حجت خدا سمجھ کر ان کے دروازہ پر آئے اور وہ ان کی حاجت روانہ کریں۔ مفسرین نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا چار مردوں کے زندہ کرنے کا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ ہماری نظر سے دیگر کئی روایات گزری ہیں جن میں دیگر مردوں کے زندہ کرنے کا ذکر بھی آیا ہے۔ ممکن ہے مفسرین نے بعض روایات کو ملاحظہ کیا ہو جس میں مذکورہ تعداد کا ذکر ہو۔

کے بعض لوگ حضرت عیسیٰ کی خدائی کے بھی قائل تھے لہٰذا اگر آیت میں باذن اللہ نہ آتا تو لوگ مذکورہ کام جو کہ خدائی کام ہیں اس کو عیسیٰ کے خدا ہونے پر دلیل قرار دیتے لہٰذا لفظ باذن اللہ بار بار تکرار ہوا ہے کہ کوئی انہیں خدا نہ سمجھ بیٹھے۔

مخفی نہ رہے کہ جو کچھ انبیاء ، اوصیاء کے پاس ہے وہ سب اللہ کی عطا اور اذن سے ہے۔

حضرت عیسیٰ سے پہلے بھی حضرت سلیمان نبی کے جانشین آصف بن برخیا نے تکوین میں تصرف کرکے دکھایا ہے اور آنکھ جھپکنے سے پہلے سینکڑوں میل دور سے بلقیس کا تخت حضرت سلیمان کے پاس حاضر کردیا۔

﴿قَالَ الَّذِی عِنْدَہُ عِلْمٌ مِنَ الْکِتَابِ أَنَا آتِیكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ یَرْتَدَّ إِلَیْكَ طَرْفُكَ فَلَمَّا رَآهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَہُ قَالَ هَذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّی الخ﴾[1]

اور ایک شخص نے جس کے پاس کتاب سے کچھ علم تھا اس نے کہا کہ میں اتنی جلدی لے آؤں گا کہ آپ کی پلک بھی نہ جھپکنے پائے اس کے بعد سلیمان نے تخت کو اپنے سامنے حاضر دیکھا تو کہنے لگے یہ میرے پروردگار کا فضل و کرم ہے۔

۱۔ سورہ نمل، آیت ۴۰۔

یہ طاقت و قدرت ہے حضرت سلیمان کے وصی آصف بن برخیا کی جن کے پاس کتاب کا کچھ علم تھا۔ جس کی وجہ سے یہ اتنا بڑا کام کر دکھایا۔ کیا خیال ہے اس ہستی کے بارے میں جس کے پاس پوری کتاب کا علم ہے ﴿قُلْ کَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیدًا بَیْنِی وَبَیْنَکُمْ وَمَنْ عِنْدَہٗ عِلْمُ الْکِتَابِ﴾[1]

تم (ان سے) کہہ دو کہ میرے اور تمہارے درمیان (میری رسالت کی) گواہی کے واسطے خدا کافی ہے اور وہ شخص کافی ہے جس کے پاس پوری کتاب کا علم ہے۔

اور یہ آیت حضرت علیؑ کی شان میں اتری ہے۔ انصاف سے دیکھ ان وصیوں میں افضل کون ہے؟

اور مخفی نہ رہے کہ جب وصی سلیمان نے تخت کو آنکھ سے جھپکنے سے پہلے لانے کے لیے اعلان کیا تو اس عظیم کام کے لیے ساتھ لفظ باذن اللہ کو استعمال نہیں کیا بلکہ کہا: أنا أتِيكَ بِهِ قَبلَ أن يَرتَدَّ الَيكَ طَرفُك؛ کہا آپ کی آنکھ جھپکنے سے پہلے تخت بلقیس کو لاؤں گا اور ایسا ہی ہوا کہ سلیمان کے سامنے تخت کو حاضر کر دیا۔ پھر حضرت سلیمان نے اللہ کا شکر ادا کیا اور ھذا من فضل ربی سے تعبیر کیا کہ اللہ نے ہم پر کتنا فضل کیا ہے اور ہمیں کتنی قدرت عطا فرمائی ہے۔

۱۔ سورہ رعد، آیت ۴۳۔

اور یہاں لفظ باذن باللہ کو حضرت آصف نے اس لیے نہیں کہا کہ اس عظیم کام کو دیکھ کر وہاں لوگوں کے گمراہ ہونے کا خوف وخطرہ نہیں تھا لہٰذا انھوں نے نہ تو لفظ باذن اللہ کہا اور نہ لوگوں کے سامنے دعا مانگی اور نہ ہی دو رکعت نماز پڑھ کر یہ کام کیا۔

آنکھ جھپکنے سے پہلے سینکڑوں میل سے تخت بلقیس کو حاضر کردیا یہ ولایت تکوینی نہیں تو اور کیا ہے؟ کیونکہ حضرت سلیمان یا حضرت آصف سے کسی نے معجزہ کو طلب نہیں کیا تھا۔

آیا وصی سلیمان حضرت آصف بن برخیا نے پوری زندگی میں ایک ہی دفعہ اپنی قدرت وولایت کو دکھایا؟ اور پھر کبھی بھی اپنی قدرت کا اظہار نہیں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کوئی تاریخ کی کتاب نہیں کہ انبیاء اور اوصیاء کی زندگی کے سب واقعات اور جزئیات کو بیان کرے قرآن نے بتا دیا حضرت آصف بن برخیا وصی سلیمان جس کے پاس کتاب کا کچھ علم تھا اُن کی یہ قدرت و طاقت ہے۔ اب ان کی مرضی اپنے حالات کے مطابق جب چاہیں جس وقت چاہیں جیسے چاہیں اس طاقت کو استعمال کریں۔ [1]

۱۔ البتہ مخفی نہ رہے کہ انبیاء اور اوصیاء اپنے مخصوص علم وقدرت کو اپنے ذاتی کاموں میں عام حالات میں استعمال نہیں کرتے بلکہ ظاہری علم و قدرت کے مطابق رفتار کرتے ہیں، ہاں جہاں حالات تقاضا کریں وہ اپنے علم اور قدرت کا اظہار کرتے ہیں۔

اور یہ بات بھی مخفی نہ رہے کہ انبیاء اور اوصیاء کا خارق العادہ کام کرنے کے لیے ضروری نہیں ہے کہ ضرور کوئی کافر ایسے کام کے کرنے کا ان سے مطالبہ کرے اور تب وہ کام انجام دیں چنانچہ بلقیس کے تخت لانے کا مطالبہ کسی کافر نے نہیں کیا تھا بلکہ حضرت سلیمان اپنی سلطنت و شوکت اور قدرت کا اظہار کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ ان کی شوکت و قدرت اور حقانیت کو دیکھ کر بلقیس ایمان لائی۔ حضرت عیسیٰ کے پاس مردوں کو زندہ کرنے اور نابیناؤں کو بینا کرنے کی طاقت تھی اب ممکن ہے کہ کوئی کافر ان سے معجزہ کا مطالبہ کرے کہ تب ایمان لاتا ہوں جب آپ اس مردہ کو زندہ یا نابینا کو بینا بنادیں۔ تو وہاں وہ معجزہ دکھائیں گے تاکہ ان کے دعوی نبوت کی صحت کی تصدیق بھی ہو جائے اور کافر کا بہانہ ختم ہو جائے اور اس پر حجت تمام ہو جائے اور ممکن ہے کہ نبی کے پاس کوئی ان کا مسلمان امتی ان سے درخواست کرے کہ ہمارے فلاں مردے کو زندہ کردیں تاکہ ہم اس سے ترکہ کے بارے میں پوچھ لیں کہ کہاں دفن کیا ہے تو یہاں بھی اللہ کا نبی یا امام معصوم اگر چاہے تو مردہ کو زندہ کرسکتا ہے چنانچہ امامؑ نے اس غرض سے مردہ کو زندہ کیا ہے۔

اور اس طاقت و قدرت کو ولایت تکوینی کہتے ہیں کہ کائنات میں وہ باذن اللہ جس طرح چاہیں تصرّف کرسکتے ہیں اور معجزہ اسی، ولایت تکوینی کا ایک حصہ

ہوتا ہے۔ البتہ انبیاء اور اوصیاء کے مراتب ہوتے ہیں خدا جتنا چاہتا ہے ان کو عطا کرتا ہے۔

چنانچہ حضرت سلیمان نبی، کے لیے خدا نے ہواؤں کو مسخّر کردیا تھا اور وہ اپنی مرضی سے جب ہوا کو حکم دیتے وہ چل پڑتی تھی اور ہواؤں کو جہاں چلانا چاہتے تھے چلاتے تھے۔

﴿فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ﴾[1]

تو ہم نے ہواؤں کو مسخر کردیا کہ انہیں کے حکم سے جہاں جانا چاہتے تھے نرم رفتار سے چلتی تھیں۔ اور وہ پرندوں کی بولیوں کو بھی جانتے تھے دور سے چیونٹی کی بات سن کر انھوں نے تبسم بھی فرمایا تھا۔ سورہ نمل، آیات ۱۶۔ ۱۸۔ ۱۹ کو ملاحظہ کرسکتے ہیں۔

چنانچہ حضرت سلیمان کے والد حضرت داؤد کے لیے خدا نے پہاڑ اور طیور (پرندوں) کو مسخر کردیا﴿۔۔۔ سَخَّرْنَا مَعَ دَاوُدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ وَكُنَّا فَاعِلِينَ﴾[2]

۱۔ سورہ ص، آیت ۳۶۔ سورہ انبیاء، آیت ۸۱ ﴿وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ عَاصِفَةً تَجْرِي بِأَمْرِهِ﴾ اور سلیمان کے لیے تیز و تند ہواؤں کو مسخر کردیا جو ان کے حکم سے اس سرزمین کی طرف چلتی تھیں جس میں ہم نے برکتیں رکھی تھیں۔

۲۔ سورہ انبیاء، آیت ۷۹۔

اور ہم نے داؤد کے ساتھ پہاڑوں کو مسخر کر دیا تھا کہ وہ تسبیح پروردگار کریں اور طیور کو بھی مسخر کر دیا تھا اور ہم ایسے کام کرتے رہتے ہیں۔

باذن اللہ سے کیا مراد ہے؟

اذن کا جو معنی محاورات عرفی میں استعمال ہوتا ہے قرآن میں اس سے وسیع معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ہر فاعل، جو بھی فعل انجام دے اس میں اذن الٰہی کی تعبیر آئی ہے چاہے وہ فاعل ارادی ہو یا فاعل طبیعی مانند گیاہ کے ہو خواہ امور دنیوی ہوں یا اخروی۔ ان سب میں جو فاعل بھی تصرفات کو انجام دینا چاہے وہ اذن خدا کے ساتھ مشروط ہے۔ پس اذن تکوینی بھی ہے اور تشریعی بھی نیز اعتباری امور میں بھی اذن کی تعبیر آئی ہے۔ سبزہ کا باذن اللہ اگنے کے بارے میں ارشاد ربّ العزت ہے۔

﴿وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ﴾[1] اور پاکیزہ زمین کا سبزہ بھی اس کے پروردگار کے اذن سے خوب نکلتا ہے۔

تو یہاں اذن تکوینی ہے اور بعض چیزوں میں اذن تکوینی بھی ہوتا ہے اور اذن تشریعی بھی مانند افعال واجب، مستحب اور مباح جو انسان سے صادر ہوتے

۱۔ سورہ اعراف، آیت ۵۸۔

ہیں۔ دیگر افعال میں جہاں قانون کی مخالفت ہو یعنی انسان جو حرام کام کرتا ہے وہاں اذن تشریعی نہیں پایا جاتا۔

خلاصہ یہ کہ خدا کی مِلک میں اس کے اذن کے بغیر کوئی تصرف نہیں کر سکتا۔

سادہ لفظوں میں، خدا ہی نبی اور امام کو معجزہ دکھانے کی طاقت اور قدرت عطا کرتا ہے اور معجزہ دکھاتے وقت اس قدرت کو سلب نہ کرنا یہی اذن الٰہی ہے اور معجزہ فعل نبی اور امام ہوتا ہے خدا کی قدرت کے ساتھ۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ نے فرمایا: أُحيِ المَوتیٰ؛ میں مردوں کو زندہ کرتا ہوں اذن الٰہی کے ساتھ۔

یا آصف بن برخیا کا کہنا: اَنَا اٰتِیكَ بِهٖ؛ میں، آپ کی آنکھ جھپکنے سے پہلے تخت بلقیس لاؤں گا۔ فعل کی نسبت اپنی طرف دی ہے۔[1]

البتہ مخفی نہ رہے کہ ولایت تکوینی اور معجزہ دکھاتے وقت، معصومین علیہم السلام کا دعا کرنے اور نہ کرنے کے بارے میں ان ذوات مقدسہ کے مختلف حالات منقول ہیں کئی ایک واقعات میں انہوں نے دعا کی ہے اور معجزہ دکھایا ہے اور کئی واقعات میں دو رکعت پڑھنے کے بعد دعا کی اور معجزہ دکھایا اور کئی ایک واقعات میں انہوں نے نماز اور دعا کے بغیر معجزہ دکھایا ہے۔ بلکہ ارادہ کیا

ا۔ ممکن ہے بعض مقامات پر صرف فعل خدا ہو جو نبی یا امام کے دست مبارک پر جاری ہو اور ممکن ہے کہ بعض مقامات پر دونوں کا فعل ہو اور مذکورہ آیات میں عیسیٰ نبی اور وصی سلیمان کا فعل ہے قدرت اور اذن خدا کے ساتھ۔

ہے اور جو کچھ کر دکھانا مقصود تھا کر دکھایا ہے۔ معجزہ دکھاتے وقت دعا کرنے اور نماز پڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ لوگ کہیں انہیں خدا نہ سمجھ بیٹھیں۔

اور ویسے چونکہ نماز پڑھنا اور دعا کرنا یہ بندگی اور معرفت کی دلیل ہے اور معصومینؑ محمد وآل محمدؐ کمال معرفت کے درجہ پر فائز ہیں لہٰذا ان کی سعی یہ ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ خدا کی عبادت کی جائے چونکہ بارگاہ الٰہی میں نماز اور دعا افضل اعمال اور خدا سے ارتباط کا ذریعہ ہے لہٰذا معجزہ دکھاتے وقت ان امور کی مناسبت بھی پائی جاتی ہے لہٰذا ایسا کرتے ہیں۔

اور جہاں کہیں اپنی قدرت کا اظہار کرنا چاہیں کہ خدا نے ہمیں کتنی قدرت عطا کی ہے حضورؐ اپنی نبوت اور ائمہ طاہرینؑ اپنی امامت کی تصدیق کی صحت کی خاطر پیغام کے ذریعہ بھی مردوں کو زندہ کر سکتے ہیں جیسا کہ قریش کے کچھ لوگوں نے حضورؐ سے خواہش کی کہ ہمارے فلاں فلاں مردوں کو زندہ کر دیں تو حضورؐ نے حضرت علی علیہ السلام کو پیغام دے کر بھیجا کہ ان مردوں کے نام لے کر کہنا کہ محمدؐ تمہیں کہہ رہا ہے کہ قوموا باذن اللہ؛ اللہ کے اذن سے اٹھو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کہا تو وہ مردے زندہ ہو گئے۔

اور وہ اپنے حالات اور مناسبات کو بہتر جانتے ہیں کہ کہاں دو رکعت نماز پڑھ کر معجزہ دکھائیں اور کہاں اس کے بغیر دکھائیں۔

البتہ مخفی نہ رہے کہ خدا نے انہیں علم بھی عطا فرمایا ہے اور معجزہ دکھانے کی قدرت بھی عطا فرمائی ہے۔ لہٰذا جو تصرف بھی وہ کرتے ہیں وہ خدا کے اذن کے ساتھ کرتے ہیں اور ایسا ہرگز نہیں ہے کہ معجزہ دکھانے کے بعد ان سے معجزہ کی قدرت سلب ہو جاتی ہو۔

جب فرض یہ ہے کہ وہ حجت خدا ہے تو قدرت اس کے پاس موجود رہتی ہے۔ تکوین میں تصرف کرنے کے لیے نبی اور امام کا ارادہ ہی کافی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لٹکے ہوئے پردہ پر شیر کی تصویر کو امام کاظم علیہ السلام نے حکم دیا کہ یا اَسدَ اللہِ خُذ عَدُوَّ اللہِ۔ تو شیر کی شکل فوراً اصلی شیر بن گیا اور دشمن خدا کو نگل لیا۔ (۱)

جیسا کہ عبد الرحمٰن بن حجاج جو کہ امام جعفر صادق علیہ السلام کے ہمراہ مکہ اور مدینہ کے راستہ میں تھا اور کوئی تیسرا شخص نہیں تھا تو اس نے سوال کیا اے میرے سردار! ما علامۃ الامام؟ امام معصوم کی علامت کیا ہوتی ہے؟ قال انہ لو قال لھذا الجبل سِر لسار؛ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: اگر امام اس پہاڑ کو حکم دے کہ چل تو یہ چل نکلے۔ راوی کہتا ہے میں نے نگاہ کی تو خدا کی قسم! پہاڑ چل رہا تھا۔ (۲)

۱۔ اثبات الھداۃ، ج ۳، ص ۱۸۱، باب ۲۳۔

۲۔ اثبات الھداۃ، ج ۳، ص ۱۱۷۔

خلاصۃ الکلام

انبیاء، اوصیاء، ملائکہ اور بالخصوص ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کہ سب سے افضل ہیں اور ان کی پاک آل، خدا کے مکرم بندے ہیں اللہ نے اپنی مشیئت سے ان کے مراتب اور مقتضٰی کے مطابق جتنا چاہتا تھا اُتنا ہی ان کو علم و قدرت سے نوازا ہے اگرچہ انبیاء و اوصیاء سب اولاد آدم سے ہیں اور بشر کی ہدایت و راہنمائی کے لیے آئے ہیں لیکن ان پر خدا کی خاص عنایات ہیں وہ ہم جیسے لوگوں کی طرح نہیں ہیں بلکہ عام لوگوں سے امتیاز رکھتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عیسیٰؑ کا پنگوڑے میں قوم سے گفتگو کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے۔

﴿فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ـ قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ـ وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ـ وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا ـ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا﴾[1]

انھوں (مریم) نے اس بچہ کی طرف اشارہ کر دیا تو قوم نے کہا کہ ہم اس سے کیسے بات کریں جو گہوارہ میں بچہ ہے۔ بچہ نے آواز دی میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔ اور جہاں بھی رہوں بابرکت قرار

ا۔ سورہ مریم، آیات ۲۹ تا ۳۳۔

دیا ہے اور جب تک زندہ رہوں نماز اور زکوۃ کی وصیت کی ہے اور اپنی والدہ کے ساتھ حسن سلوک کرنے والا بنایا ہے اور ظالم و بد نصیب نہیں بنایا ہے اور سلام ہے مجھ پر اس دن جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں گا اور جس دن دوبارہ زندہ اٹھایا جاؤں گا۔

سورہ مبارکہ نحل کی آیت ۷۸ میں خدا ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَاللهُ أَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لا تَعْلَمُونَ شَيْئًا الخ﴾

اور اللہ نے تمہیں شکم مادر سے اس طرح نکالا ہے کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے۔

معلوم ہوا جب عام انسان پیدا ہوتے ہیں تو کچھ بھی نہیں جانتے (جاہل پیدا ہوتے ہیں) اور حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں فرمایا کہ وہ (پیدا ہوتے ہیں) گہوارے میں گفتگو فرمار ہے ہیں اور اپنی بندگی، اور نبوت وکتاب کا اعلان فرما رہے ہیں کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اللہ نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔ ہمیشہ بابرکت ہوں نماز وزکوۃ کا پابند رہوں گا اپنی والدہ کے ساتھ نیک سلوک کروں گا۔ مجھ پر سلام ہو یوم ولادت، یوم موت اور یوم قیامت،

قارئین محترم قرآن کو سامنے رکھ کو خود ہی انصاف سے فیصلہ کریں کہ کیا نبی اور عام انسان ایک جیسے ہوتے ہیں؟

﴿إِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ﴾ (۱)

اور اس بات کو یاد کرو جب ملائکہ نے کہا کہ اے مریم! خدا تم کو اپنے کلمہ مسیح عیسیٰ بن مریم کی بشارت دے رہا ہے جو دنیا اور آخرت میں صاحب وجاہت اور مقربین بارگاہ الٰہی میں سے ہے۔

بلکہ معلوم ہوا کہ نبی کی والدہ بھی مورد لطف خدا ہوتی ہے چنانچہ ملائکہ کا حضرت مریم سے گفتگو کرنا اور ان کو کہنا کہ خدا نے تمہیں چن لیا ہے اور پاکیزہ بنادیا ہے اور عالمین کی عورتوں میں منتخب قرار دے دیا ہے۔ (۲)

یہی وجہ ہے کہ انہوں نے گہوارے کی طرف اشارہ کیا تھا ان کو معلوم تھا کہ یہ بچہ اپنے زمانہ کا حجت خدا ہے یہ خود بول کر بتائے گا۔

اور حضرت موسیٰ کی والدہ کی طرف وحی فرمائی (یعنی الہام)

﴿إِنَّ اللهَ اصْطَفَى آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ﴾ (۳)

اللہ نے آدم، نوح اور آل ابراہیم اور آل عمران کو منتخب کرلیا ہے۔

اور آل ابراہیم سے ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

۱۔ سورہ آل عمران، آیت ۴۵۔

۲۔ سورہ آل عمران، آیت ۴۲۔

۳۔ سورہ آل عمران، آیت ۳۳۔

اور سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ارشاد ربّ العزت ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ﴾[1]

اور ہم نے آپ کو عالمین کے لیے صرف رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ حضورؐ کے وجودِ مبارک کی طرح ان کی رسالت بھی رحمت ہے اور یہ رحمت ایک عالَم کے نہیں عالَمین (سب جہانوں) کے لیے ہے۔

ارشاد ربّ العزت ہے:

﴿أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَى مَا آتَاهُمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهِ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا﴾[2]

یا وہ لوگوں سے حسد کرتے ہیں جنہیں خدا نے اپنے فضل و کرم سے بہت کچھ عطا کیا ہے تو پھر ہم نے آل ابراہیم کو کتاب و حکمت اور ملک عظیم سب کچھ عطا کیا ہے۔

روایات میں کتاب سے مراد قرآن، حکمت سے مراد نبوت، ملک عظیم سے مراد امامت اور آل ابراہیم سے مراد آل محمدؐ ہیں۔

ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب انبیاء کے علوم اور ان کی قدرت کے وارث ہیں اور ہمارے نبی کے وارث ان کی عترت و اہل بیت اور ان کی

۱۔ سورہ انبیاء، آیت ۱۰۷۔

۲۔ سورہ نساء، آیت ۵۴۔

عترت سے ائمہ معصومین جانشین ہیں جن میں پہلے علی علیہ السلام ہیں جن کے بارے میں قرآن نے انفسنا و انفسکم فرمایا ہے[1]۔ حضرت علیؑ، نفس پیغمبر ہیں نبوت کے سوا باقی جو کمالات و صفات و فضائل حضورؐ میں پائے جاتے ہیں وہ سب حضرت علیؑ میں پائے جاتے ہیں۔[2]

حضورؐ نے حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: انت منی و انا منك (اے علیؑ) تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں[3]۔ پس رسول خدا کے وارث و جانشین حضرت علی علیہ السلام ہیں اور ان کے وارث امام حسنؑ اور ان کے وارث امام حسینؑ اور ان کے وارث باقی ائمہ طاہرین علیہم السلام جن میں آخری امام مہدیؑ ہیں۔

اسم اعظم کے تہتر حرف ہیں اور معتبر روایات میں (باختلاف الفاظ) منقول ہے کہ ان میں ۲۵ حروف کا علم حضرت آدمؑ، ۱۵ کا حضرت نوح اور ۸ کا حضرت

۱۔ سورہ آل عمران، آیت ۶۱، جسے آیت مباہلہ بھی کہتے ہیں۔

۲۔ لیکن اس کے باوجود بہ ضرورت دین، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علیؑ اور باقی پوری مخلوق سے افضل ہیں۔

۳۔ صحیح بخاری کتاب المغازی، باب عمرة القضاء؛ فتح الباری شرح صحیح بخاری، ج ۷، ص ۸۹، کتاب فضائل الصحابہ (باب مناقب علی بن ابی طالب)۔

ابراہیم، چار کا حضرت موسیٰ اور دو حروف کا علم حضرت عیسیٰ کے پاس تھا (اور انہی دو حرفوں کے ذریعہ وہ مردوں کو زندہ اور دیگر معجزات دکھاتے تھے)۔ [۱]

امام فرماتے ہیں: خدا نے ان تہتر حروف میں سے بہتر کا علم حضرت محمدؐ مصطفیٰ کو عطا فرمایا ہے اور انہوں نے اپنے وصی حضرت علیؑ کو عطا فرمایا اور ان کے ذریعے باقی ائمہ طاہرین کے پاس وہ علم موجود ہے۔

روایات میں ہے کہ حضرت آصف بن برخیا کے پاس اسم اعظم سے صرف ایک حرف کا علم تھا جس کی وجہ سے انہوں نے چشم زدن میں تخت بلقیس کو حاضر کر دیا۔ جس کے پاس اسم اعظم کے دو حرفوں کا علم تھا وہ مردوں کو زندہ کر سکتا ہے اور نابیناؤں کو بینا کر سکتا ہے، کیا خیال ہے ان ذوات مقدسہ کی قدرت کے بارے میں جن کے پاس بہتر حرفوں کا علم ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ائمہ طاہرین علیہم السلام کے معجزات و کرامات کو دیکھ کر عقلیں متحیّر ہو جاتی ہیں اور کوئی شخص محمد وآل محمد کی کنہ کا ادراک نہیں کر سکتا۔

۱۔ منقول ہے کہ حضرت عیسیٰ جب کوئی معجزہ دکھاتے تو محمد وآل محمدؐ سے توسل کرتے تھے۔ کما فی مقدمۃ البرہان، بلکہ ان سے پہلے کے بھی سب انبیاء، محمد وآل محمد سے متوسل ہوتے تھے چنانچہ حضرت آدمؑ کی دعا بھی تب قبول ہوئی جب انہوں نے محمد، علی، فاطمہ حسن اور حسین علیہم السلام کا واسطہ دیا تھا۔ مناقب علی ابن ابی طالب لابن المغازلی، ص ۳۴۳، ناشر انتشارات سبط النبیؐ، و کتب دیگر۔

کیا نہیں دیکھتے کہ قبض ارواح کی ڈیوٹی حضرت عزرائیل فرشتہ کے ذمہ ہے اور حضرت عزرائیل کو اللہ نے قدرت عطا فرمائی ہے کہ وہ ایک آن میں دنیا کے کونے کونے سے ہزاروں انسانوں کی روح کو قبض کرلیتا ہے[1]۔ محمد وآل محمدؐ تو عزرائیل سے افضل ہیں وہ خدا کی دی ہوئی قدرت کے ساتھ اگر تکوین میں تصرف کرلیں تو اس میں کونسی قباحت لازم آتی ہے؟

اگر وہ دنیا پر احاطہ رکھ سکتا ہے تو محمد وآل محمدؐ تو اس سے کہیں افضل ہیں۔ خدا کا ایک نام محیط ہے اور محمد وآل محمد علیہم السلام مظہر اسماء الٰہی ہیں

امیر المومنین علی علیہ السلام کی ولادت سے لے کر شہادت تک ایک ہزار کے قریب معجزات ان سے ظاہر ہوئے ہیں جن کو سنی و شیعہ علماء اور رواۃ نے لکھا ہے۔ بلکہ ان کی شہادت کے بعد اتنے خارقہ العادۃ اور معجزات ان کی قبر مطہر سے ظاہر ہوئے ہیں کہ سب لوگوں نے ان کو ہر زمانے میں سنا ہے۔ بالخصوص کئی کتابیں ان معجزات کے بارے میں لکھی گئی ہیں جو کہ امیر المومنین علیہ السلام کی قبر منور سے ظاہر ہوئے ہیں۔ اس بات کی تصریح سید اسماعیل طبرسی نوری نے اپنی کتاب کفایۃ الموحدین ج ۳، ص ۵۷ پر کی ہے۔

ا۔ اگرچہ دیگر ملائکہ بھی ان کے ساتھ اس کام میں اعانت کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود اگر وہ اکیلا بھی ہوتا تو پھر بھی باذن اللہ اس کام پر قادر تھا اور ہے، فافھم جیداً۔

اور اسی طرح باقی ائمہ طاہرین علیہم السلام کی قبور سے بہت معجزات اور کرامات ظاہر ہوئے ہیں اور ہو رہے ہیں جن پر کئی کتب اور رسالہ جات شائع ہوئے ہیں۔ منقول ہے کہ سید الشہداء امام حسینؑ کی قبر پر ایک لاکھ بانجھ عورتوں نے حاضری دی تو امامؑ کی برکت سے سب کے ہاں اولاد ہوئی۔

ائمہ طاہرین علیہم السلام کے روضوں پر کثیر تعداد میں لاعلاج مریضوں کا شفا پا جانا، مادر زاد نابیناؤں کا بینا ہو جانا، مشکلات کے آسان ہو جانے کی اخبار ثقات سے منقول ہیں ائمہ طاہرین علیہم السلام سے توسل کے ذریعہ ہم نے خود کئی برکات کو دیکھا ہے۔

محمد وآل محمد کی مدد، خدا کی مدد ہے۔ لہٰذا ہر وقت بارگاہ الٰہی میں ان سے توسل کیا جاسکتا ہے جس طرح وہ ظاہری حیات میں مدد کرتے ہیں اسی طرح (ممات) شہادت کے بعد بھی وہ مدد کرتے ہیں چونکہ وہ خدا کے ہاں زندہ اور اس کے مکرم بندے ہیں۔ اور شہداء کے زندہ ہونے کی گواہی قرآن دیتا ہے۔﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ﴾[1] اور جو لوگ راہِ خدا میں قتل ہو جاتے ہیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں ان کی زندگی کا شعور نہیں ہے۔

☆ محمد وآل محمد علیہم السلام کی مدد خدا کی مدد ہے اس بات کی وضاحت:

ا۔ سورہ بقرہ، آیت ۱۵۴۔

﴿إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا﴾[1] جب کسی کی موت کا وقت آ جاتا ہے تو ہمارے بھیجے ہوئے نمایندے اسے موت دیتے ہیں۔ (یعنی ملک الموت)

ایک دوسری آیت میں فرماتا ہے ﴿اللهُ يَتَوَفَّى الأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا﴾[2] اللہ ہی ہے جو روحوں کو موت کے وقت بلا لیتا ہے۔

﴿وَاللهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُونَ﴾[3] اور خدا ان کی باتوں کو لکھ رہا ہے۔

﴿وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُونَ﴾[4] اور ہمارے نمایندے (یعنی فرشتے) سب کچھ لکھ رہے ہیں۔

﴿وَمَنْ يُدَبِّرُ الأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللهُ﴾[5] کون سارے امور کی تدبیر کرتا ہے تو سب یہی کہیں گے کہ اللہ۔

﴿فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا﴾[6] پھر امور کا انتظام کرنے والے ہیں۔

۱۔ سورہ انعام، آیت ۶۱۔

۲۔ سورہ زمر، آیت ۴۲۔

۳۔ سورہ نساء، آیت ۸۱۔

۴۔ سورہ زخرف، آیت ۸۰۔

۵۔ سورہ یونس، آیت ۳۱۔

۶۔ سورہ نازعات، آیت ۵۔

﴿ وَيُرۡسِلُ عَلَيۡكُمۡ حَفَظَةً ﴾[1] اور اللہ تم سب پر حفاظت کرنے والے فرشتے بھیجتا ہے۔

﴿ وَرَبُّكَ عَلَى كُلِّ شَيۡءٍ حَفِيظٌ ﴾[2] اور آپ کا پروردگار ہر شی کی حفاظت کرنے والا ہے۔

ان سب آیات کو آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ پہلی آیت میں خدا، مارنے کی نسبت ملائکہ کی طرف دے رہا ہے اور دوسری آیت میں اپنی طرف نسبت دے رہا ہے۔

تیسری آیت میں اپنے لکھنے کا فرمارہا ہے اور چوتھی آیت میں ملائکہ کے لکھنے کا فرمارہا ہے۔

پانچویں آیت میں مشرکین سے اعتراف لے رہا ہے کہ تدبیر صرف خدا کا کام ہے اور ہے بھی اسی کا کام ذاتاً واستقلالاً۔

چھٹی آیت میں ملائکہ کے تدبیر کا فرما رہا ہے کہ امور کا انتظام کرنے والے ہیں۔

ا۔ سورہ انعام، آیت ۶۱۔

۲۔ سورہ سبا، آیت ۲۱۔

ساتویں آیت میں فرمارہاہے کہ وہ ملائکہ کو حفاظت کرنے کے لیے بھیجتا ہے اور آٹھویں آیت میں فرمارہاہے کہ تیرا رب ہر شی کا نگران اور حفاظت کرنے والا ہے۔

تو ان آیات میں تضاد نہیں پایا جاتا چونکہ در واقع ملائکہ کی حفاظت، خدا کی حفاظت ہے۔ ملائکہ تدبیر، خدا کی تدبیر ہے۔ و ہکذا۔ اسی طرح وایاك نستعین[1]؛ کہ ہم تجھ سے مدد مانگتے ہیں اور وسیلہ کے طور پر یا علی مدد کہنے میں کوئی تضاد نہیں پایا جاتا چونکہ محمد وآل محمدؐ کی مدد بھی، خدا کی مدد ہے اور اس چیز کا شرک کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔

چنانچہ ارشاد ربّ العزت ہے:﴿ فَإِنَّ اللهَ هُوَ مَوْلاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلائِكَةُ بَعْدَ ذَلِكَ ظَهِيرٌ ﴾[2]

(خدا بعض ازواج نبیؐ کو ایک واقعہ میں تنبیہ کرتے ہوئے رسولؐ کی حمایت میں فرماتا ہے) (یاد رکھو کہ) اللہ اس کا سرپرست ہے اور جبرائیل اور نیک مومنین اور ملائکہ سب کے سب اس کے مددگار ہیں۔

۱۔البتہ مخفی نہ رہے کہ سجدہ صرف خدا کے لیے ہے اور غیر خدا کی عبادت جائز نہیں ہے۔اور یہ ایک الگ چیز ہے۔

۲۔سورہ تحریم، آیت ۴۔

سنی و شیعہ تفاسیر میں منقول ہے کہ آیت میں صالح المؤمنین سے مراد علی بن ابی طالب ہیں[1]۔ اگر غیر خدا کی مدد مطلقاً شرک محسوب ہے تو خدا نے اپنے حبیبؐ کے لیے، جبرائیل، ملائکہ اور حضرت علیؑ کو مددگار کیوں قرار دیا ہے؟

رجعت

رجعت کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کبریٰ کے آنے سے پہلے اللہ کچھ نیک اور بد اشخاص کو دوبارہ زندہ کرے گا۔

متعدد روایات میں ہے کہ رسول اللہؐ اور ائمہ طاہرین علیہم السلام رجعت فرمائیں گے اور بعض مومنین بھی رجعت کریں گے تاکہ معصومین علیہم السلام کی حکومت الٰہیہ کو دیکھ کر مسرور ہوں اور بعض ظالمین اور بالخصوص قاتلان سید الشہداء کو بھی زندہ کیا جائے گا تاکہ ان سے انتقام لیا جائے۔

۱۔ در منثور سیوطی، ج/ ۲۲۴، طبع دار الفکر بیروت؛ تفسیر فتح القدیر، ج۵، ص ۳۵۴؛ تفسیر ابن کثیر ج ۴، ص ۱۹۱۶ عن مجاہد؛ تفسیر روح المعانی، ج ۲۸، ص ۱۳۵؛ مناقب علی بن ابی طالب لابن المغازلی، ص ۲۱۸۔ ۲۱۹۔ عن مجاہد۔ ترجمہ امام علی ابن ابی طالب من تاریخ دمشق لابن العساکر، ج ۲، ص ۴۲۵، ح ۹۳۲۔؛ مناقب علی بن ابی طالب ومانزل من القرآن فی علی، ص ۳۳۵؛ کنز العمال، ۱/ ۲۳۷؛ صواعق محرقہ، ص ۱۴۴؛ کفایۃ الطالب ص ۱۳۸؛ کنز الدقائق، ج ۱۳، ص ۳۲۹؛ تفسیر قمی، ج ۲، ص ۳۷۷؛ تفسیر فرات، ج ۱، ص ۴۸۹؛ تفسیر برہان، ۵/ ۳۵۳؛ تفسیر صافی ۵/ ۱۹۵؛ تفسیر نور الثقلین، ج۵/ ۳۷۹؛ تفسیر میزان ۱۹/ ۳۹۵ و کتب دیگر۔

اصل رجعت کا عقیدہ ضروریات مذہب شیعہ سے ہے اکثر علماء شیعہ جیسے شیخ صدوق، شیخ مفید، سید مرتضیٰ، شیخ طوسی اور سید ابن طاووس اور علامہ مجلسی وغیرہم نے رجعت کے عقیدہ کا حق ہونے پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔

اور رجعت کے بارے میں اخبار متواترہ پائی جاتی ہیں، علامہ طیب نے اپنی کتاب کلم الطیب میں بیاسی (۸۲) کتب کے نام درج فرمائے ہیں جن میں رجعت کا ذکر آیا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جو ہماری رجعت پر ایمان نہیں رکھتا وہ ہم سے نہیں ہے۔[۱]

مخفی نہ رہے کہ سابقہ امتوں میں بھی رجعت واقع ہوئی ہے۔ جیسے حضرت موسیٰ کی قوم کے ستر آدمیوں جو کہ کوہِ طور پر ہلاک ہوگئے تھے کا زندہ ہونا۔ ﴿ثُمَّ بَعَثْنَاكُمْ مِنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾[۲] پھر ہم نے تمہیں موت کے بعد زندہ کردیا کہ شاید اب شکر گزار بن جاؤ۔

نیز حضرت عیسیٰ کا مردوں کا زندہ کرنا اور ان کا اسی دنیا میں زندہ رہنا اور پھر اپنی موت سے مرنا۔ اور حضرت عزیر نبی کا مرنے کے سو سال بعد زندہ ہونا بھی رجعت کی دلیل ہے۔ نیز بنی اسرائیل کی ایک قوم جن کی تعداد دس ہزار سے

۱۔ من لایحضرہ الفقیہ۔

۲۔ سورہ بقرہ کی آیت ۵۶ اور سورہ اعراف کی آیت ۱۵۶ کو ملاحظہ فرمائیں۔

تیس ہزار تک نقل کی گئی ہے جو کہ طاعون کی بیماری یا جہاد کے خوف کی وجہ سے فرار کر گئے تھے خدا نے ان کو موت دی پھر خدا نے اس زمانہ کے نبی کی دعا کی برکت سے ان کو زندہ کیا۔

﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللهُ مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ إِنَّ اللهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ﴾ (۱)

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو ہزاروں کی تعداد میں اپنے گھروں سے نکل پڑے موت کے خوف سے اور خدا نے انہیں موت کا حکم دے دیا اور پھر زندہ کر دیا کہ خدا لوگوں پر بہت فضل کرنے والا ہے لیکن اکثر لوگ شکریہ ادا نہیں کرتے ہیں۔

نیز حضورؐ سے مروی ہے کہ جو کچھ گذشتہ امتوں میں ہوا قدم بقدم وہی اس امت میں بھی رخ دے گا۔ اس حدیث شریف کی رو سے بھی رجعت ثابت ہے۔

دعوت فکر: اگرچہ اہل سنت رجعت کے قائل نہیں ہیں بلکہ ان کے کئی ایک علماء نے اس عقیدہ رجعت کا مسخرہ کیا ہے لیکن اللہ نے انسان کو عقل دی ہے لکیر کا فقیر نہیں بننا چاہیے دلیل کے تابع ہو جانا چاہیے اہل سنت کے منصف

۱۔ سورہ بقرہ، آیت ۲۴۳۔

مزاج علماء کو دعوت فکر دیتا ہوں کہ مذکورہ قرآنی آیات اور روایات اہل بیتؑ کو مد نظر رکھ کر خوب غور و فکر کریں خداوند متعال بحق محمد و آل محمدؐ سب کو حق سمجھنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

البتہ مخفی نہ رہے کہ رجعت کی جزئیات معلوم نہیں ہیں لہٰذا رجعت پر اجمالی ایمان کافی ہے۔ اگرچہ بعض روایات سے استفادہ ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ اور ائمہ طاہرین علیہم السلام سب کی اکٹھی رجعت ہوگی۔ اور بعض روایات کا مستفاد یہ ہے کہ ائمہؑ کی دو رجعتیں ہیں ایک انفرادی اور دوسری اجتماعی۔ واللہ العالم۔

عقیدہ رجعت پر ایک اور شاہد

﴿وَإِذْ أَخَذَ اللهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَى ذَلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ﴾ (۱)

اور اس وقت کو یاد کرو جب خدا نے سب انبیاء سے عہد لیا کہ ہم تم کو جو کتاب و حکمت دے رہے ہیں اس کے بعد جب وہ رسول آجائے جو تمہاری کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے تو تم سب اس پر ایمان لے آنا اور اس کی مدد کرنا اور پھر پوچھا کیا تم نے ان باتوں کا اقرار کر لیا اور ہمارے عہد کو قبول کر لیا تو

۱۔ سورہ آل عمران، آیت ۸۱۔

سب نے کہا کہ بے شک ہم نے اقرار کرلیا ارشاد ہوا کہ اب تم سب گواہ بھی رہنا اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔

اگرچہ انبیاء کرامؑ حضورؐ کے بارے میں اس عہد کے مطابق ایمان لائے اور اپنی امتوں کو بھی بتایا۔ لیکن سب انبیاء نے کب ان کی عملی مدد کی؟ روایات اہل بیت علیہم السلام میں ہے کہ خدا سب انبیاء کو پھر اس دنیا میں رسولؐ کی تصدیق اور ان کے وصی علیؑ کی نصرت کے لیے بھیجے گا۔ کما فی العیاشی والبرہان وغیرہما[1]۔

۱۔البتہ مخفی نہ رہے کہ حضرت علیؑ نے سب انبیاء کی نصرت و مدد کی ہے گذشتہ انبیاء کی سراً اور ہمارے نبیؐ کی جہراً نصرت کی ہے۔ مدینۃ المعاجز، ص ۲۰، طبع قدیم۔

پانچواں باب

قیامت

سب ادیان الٰہی کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس دنیا کے ختم ہو جانے کے بعد خدا پھر سب کو اپنی قدرت کاملہ سے زندہ کرے گا تا کہ ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا، سزا ملے۔

عقیدہ توحید کے بعد عقیدہ قیامت بہت اہمیت کا حامل ہے قرآن مجید میں قیامت کے بارے میں تقریباً بارہ سو آیات ہیں تقریباً تیس مقامات میں خدا پر ایمان کے ذکر کے ساتھ آخرت پر ایمان کا ذکر ہوا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آخرت پر ایمان لانے کا مسئلہ نہایت ہی اہم ہے۔ جس کے بغیر انسان کا ایمان کامل نہیں ہوتا۔

قیامت کے دن کے نام: آیات و روایات میں قیامت کے بہت سے ناموں کا استفادہ ہوتا ہے جن میں سے ٦٧ اسماء کو بعض علماء نے اپنی کتب[1] میں تحریر فرمایا ہے جن میں سے چند ایک کے نام ذکر کیے جاتے ہیں:

یوم القیامہ، یوم الساعة، یوم البعث، یوم الحشر، یوم الجمع، یوم الحساب، یوم الفصل، یوم مشھود، یوم الدین، یوم الجزاء، یوم النشور، یوم الخزی، یوم السوء، یوم النغمہ، یوم الواقعہ، یوم الحسرة، یوم الندامة، یوم الموعود، یوم العرض، یوم التبدل، یوم الطی، یوم الصّف، یوم التکویر، یوم الانکدار، یوم السیر، یوم الانفجار، یوم الاخذ، یوم العسیر، یوم العض، یوم الخشوع۔

١۔ الکلم الطیب، ص ٦٨٣۔

قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہوگا۔[1]

امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ قیامت کے دن پچاس موقف ہوں گے ہر ایک موقف پر لوگوں کو ایک ہزار سال تک ٹھہرنا ہوگا۔

عقیدہ قیامت کے فوائد اور آثار

۱. قیامت پر اعتقاد رکھنے سے انسان کی زندگی بامقصد ہو جاتی ہے کیونکہ وہ جب بھی کوئی کام انجام دینے لگتا ہے تو اسے آخرت کو مد نظر رکھنا پڑتا ہے لہٰذا اپنے ہر کام میں محتاط ہو جاتا ہے۔ چونکہ اس کا عقیدہ ہے ﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ۔ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ﴾[2] جو بھی ذرہ برابر نیک عمل کرے گا وہ اس کو دیکھے گا اور جو ذرہ برابر بد عمل کرے گا اس کو دیکھے گا۔

۲. آخرت پر ایمان رکھنے والا شخص، دنیاپرست نہیں بنتا۔

۳. آخرت پر ایمان، دستورات دینی کے اجرا کا ضامن ہو جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ انسان اپنے وظائف کو انجام دینے کے لیے مشکلات کو برداشت کرلیتا ہے تاکہ آخرت کی سعادت کو پاسکے۔

۱۔ سورہ معارج، آیت ۳۔ ۴۔

۲۔ سورہ زلزال، آیت آخر۔

اثبات قیامت پر دلائل

قیامت کے اثبات پر عقلی اور نقلی بہت دلائل پائے جاتے ہیں جن میں سے بعض کو ذکر کیا جاتا ہے۔

دلائل عقلی:

ا۔ دنیا میں ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ لوگوں میں لڑائی جھگڑے پائے جاتے ہیں کئی لوگ دوسروں کو ناحق قتل کر دیتے ہیں لوگوں کا مال لوٹ لیتے ہیں ان کی ناموس کی ہتک کرتے ہیں اس دنیا میں مظلوموں کا جان و مال و ناموس، ستمگروں کی ہوا و ہوس میں پائمال ہوا ہے اور ہو رہا ہے اور ان کا کوئی دادرس بھی نہیں، یہ بیچارے انتقام پر بھی قادر نہیں۔ تو اس بناء پر ضروری ہے کہ خدا مظلوموں، بیچاروں، ضعیفوں پر ہونے والے ظلم کے انتقام کے لیے کوئی سزا کا دن مقرر فرمائے اور ظالموں کو ان کے اعمال کی سزا دے ورنہ خدا کی حکمت اور عدل کے ساتھ منافات ہو جائے گی۔

۲۔ اگر قیامت نہ ہو رسول کے بھیجنے کا، آسمانی کتابوں کے نازل کرنے اور نماز، روزہ وغیرہ کے احکام اور وظائف لغو ہو جائیں گے۔ چونکہ اس صورت میں مومن اور کافر، مطیع اور عاصی میں فرق نہیں ہوگا۔ بلکہ لازم آئے گا مومن اور مطیع، کافر و عاصی سے بدتر ہو جائے چونکہ وہ دنیا میں دینی دستورات کی وجہ سے

کئی لذات دنیا سے محروم رہااور فرض یہ کہ آخرت بھی نہیں تواس صورت میں مومنین نے صرف دنیامیں رنج ہی رنج دیکھے۔

پس ضروری ہے کہ آخرت (قیامت) بھی ہو جس میں مطیع، مومنین کے نیک اعمال کی ان کو جزا ملے اور عاصیوں اور کافروں کو ان کے اعمال بد کی سزا ملے، پس قیامت کا ہونا ضروری اور لازمی ہے۔

۳۔ اگر قیامت نہ ہو تو یہ خدا کی حکمت کے ساتھ سازگار نہیں ہے چونکہ قرآن میں تقریباً سو مرتبہ خدا کی توصیف میں کلمہ حکیم استعمال ہوا ہے اور اس دنیامیں ہم خدا کی حکمت کی نشانیاں دیکھ رہے ہیں یہ اتنا وسیع نظام کائنات، جو کہ انسان کے لیے ہے اگر فرض یہ کریں انسان کی موت کے ساتھ سب چیزوں کا خاتمہ ہے اور اس کے بعد آخرت کا عالَم نہ ہو تو پھر اس کائنات کو خلق کرنا عبث اور بیہودہ لازم آئے گا۔ اور خدائے حکیم کوئی عبث کام نہیں کرتا۔

دلائل نقلی:

﴿أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ﴾[1]

کیا تمہارا خیال یہ تھا کہ ہم نے تمہیں بیکار پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف پلٹا کر نہیں لائے جاؤگے۔

ا۔ سورہ مومنون، آیت ۱۱۵۔

﴿وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيهَا وَأَنَّ اللهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ﴾[1]

اور قیامت یقیناً آنے والی ہے اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں ہے اور اللہ قبروں سے مردوں کو اٹھانے والا ہے۔

﴿قُلْ إِنَّ الأَوَّلِينَ وَالآخِرِينَ - لَمَجْمُوعُونَ إِلَى مِيقَاتِ يَوْمٍ مَعْلُومٍ﴾[2]

آپ کہہ دیجئے کہ اولین و آخرین سب کے سب ایک مقرر دن کی وعدہ گاہ پر جمع کئے جائیں گے۔

﴿زَعَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ لَنْ يُبْعَثُوا قُلْ بَلَى وَرَبِّي لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ وَذَلِكَ عَلَى اللهِ يَسِيرٌ﴾[3]

ان کفار کا خیال یہ ہے کہ انہیں دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا تو کہہ دیجئے کہ میرے پروردگار کی قسم تمہیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور پھر بتایا جائے گا کہ تم نے کیا کیا ہے اور یہ کام خدا کے لیے بہت آسان ہے۔

﴿فَسَيَقُولُونَ مَنْ يُعِيدُنَا قُلِ الَّذِي فَطَرَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ﴾[4]

۱۔ سورہ حج، آیت ۷۔

۲۔ سورہ واقعہ، آیت ۴۹۔ ۵۰۔

۳۔ سورہ تغابن، آیت ۷۔

۴۔ سورہ بنی اسرائیل، آیت ۵۱۔

عنقریب یہ لوگ کہیں گے کہ ہمیں کون دوبارہ واپس لاسکتا ہے تو کہہ دیجئیے کہ جس نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے۔

﴿أَيَحْسَبُ الإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى ـ أَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِنْ مَنِيٍّ يُمْنَى ـ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوَّى ـ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالأُنْثَى ـ أَلَيْسَ ذَلِكَ بِقَادِرٍ عَلَى أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتَى﴾ (۱)

کیاانسان کا خیال یہ ہے کہ اسے اسی طرح آزاد چھوڑ دیا جائے گا کیا وہ اس منی کا قطرہ نہیں تھا جسے رحم میں ڈالا جاتا ہے پھر علقہ بنا پھر اسے خلق کرکے برابر کیا پھر اس سے عورت اور مرد کا جوڑا تیار کیا کیا وہ خدا اس بات پر قادر نہیں ہے کہ مردوں کو دوبارہ زندہ کرسکے۔

معاد جسمانی

شیعہ کا عقیدہ یہ ہے کہ قیامت کے دن انسان کا جسم اور روح دونوں لوٹیں گے:

﴿أَفَلا يَعْلَمُ إِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُورِ﴾ (۲)

کیااسے نہیں معلوم ہے کہ جب مردوں کو قبروں سے نکالا جائے گا۔

۱۔ سورہ قیامت، آیات ۳۶ تا ۴۰۔

۲۔ سورہ عادیات، آیت ۹۔

﴿ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُمْ مِنَ الأَجْدَاثِ إِلَى رَبِّهِمْ يَنْسِلُونَ ـ قَالُوا يَا وَيْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَرْقَدِنَا هَذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ ﴾ (۱)

اور پھر جب صور پھونکا جائے گا تو سب کے سب اپنی قبروں سے نکل کر اپنے پروردگار کی طرف چل کھڑے ہوں گے کہیں گے کہ آخر یہ ہمیں ہماری خواب گاہ سے کس نے اٹھا دیا ہے بے شک یہی وہ چیز ہے جس کا خدا نے وعدہ کیا تھا اور اس کے رسولوں نے سچ کہا تھا۔

﴿ الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَى أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴾ (۲)

آج ہم ان کے منھ پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ بولیں گے اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے کہ یہ کیسے اعمال انجام دیا کرتے تھے۔

ان آیات میں صراحت ہے کہ معاد جسمانی وروحانی ہے۔

﴿ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ـ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ﴾ (۳)

۱۔ سورہ یس، آیت ۵۱۔ ۵۲۔

۲۔ سورہ یس، آیت ۶۵۔

۳۔ سورہ یس، آیت ۷۸۔ ۷۹۔

اور ہمارے لیے مثل بیان کرتا ہے اور اپنی خلقت کو بھول گیا ہے کہتا ہے کہ ان بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرسکتا ہے ، آپ کہہ دیجئیے کہ جس نے پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے وہی زندہ بھی کرے گا اور وہ ہر مخلوق کا بہتر جاننے والا ہے۔

تفاسیر میں ان آیات کے شان نزول میں ذکر ہوا ہے کہ ایک شخص بنام ابی بن خلف جمحی نے کسی مردہ انسان کی ہڈی کو جب پایا تو اسے پکڑ کر جلدی سے حضورؐ کی خدمت میں پہنچا اور ہڈی کو توڑ کر ہوا میں پھینک کر کہتا ہے اس بوسیدہ ہڈی کو کون زندہ کرے گا تو مذکورہ آیات نازل ہوئیں کہ جس نے اسے پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے وہی اس کو زندہ بھی کرے گا۔

مخفی نہ رہے کہ بہت ساری آیات و روایات معاد جسمانی پر دلالت کرتی ہیں لیکن مقام میں اسی میں کفایت ہے۔

نیز حضرت ابراہیم کا پرندوں کو ذبح کرنا پھر ان کا زندہ ہونا، قوم موسیٰ سے ستر آدمیوں کا زندہ ہونا اور داستان حضرت عزیرؑ، نیز پیغمبر اسلام ﷺ اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کا مردوں کو زندہ کرنا معاد جسمانی و روحانی کا عینی محکم اور واضح ثبوت ہے۔

برزخ

موت سے لے کر قیامت تک کے عالم کو برزخ کہتے ہے۔

اور اس عالم برزخ سے ہر کوئی ڈرتا ہے چونکہ حدیث میں ہے قبر، یا جنت کے باغوں میں سے باغ یا جہنم کے آگ کے گڑھوں میں سے گڑھا بن جائے گا۔

صاحب ایمان قبر میں نعمات الٰہی سے متنعم ہوں گے اور کفار اور نواصب، عذاب الٰہی میں معذب ہوں گے۔ اور علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں[1] کہ مستضعفین کے بارے میں بعض روایات کا ظاہر یہ ہے کہ ان کو مہمل چھوڑ دیا جائے گا اور انہیں قبر میں عذاب نہیں ہوگا۔ قیامت کے دن ان کے حساب کی تکلیف روشن ہوگی پھر جنت یا جہنم جائیں گے۔

مرتے وقت چند امور انسان کے لیے آشکار ہوتے ہیں:

۱۔ مرنے والا ملک الموت اور دوسرے ملائکہ کو دیکھے گا۔

۲۔ پیغمبر اسلام ﷺ اور معصومین علیہم السلام کی زیارت کرے گا[2] مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: مرنے والا ہم اہل بیتؑ کو دیکھے گا اگر وہ ہمارا محبّ ہوگا تو

۱۔ رسالہ اعتقادات، علامہ مجلسی۔

۲۔ مسلمات سے ہے کہ مرنے والا پیغمبر اسلام ﷺ اور ائمہ معصومینؑ بالخصوص امیر المومنین علیہ السلام کو دیکھے گا لیکن اس رؤیت اور مشاہدہ کی کیفیت کے بارے میں علماء اختلاف رکھتے ہیں۔ کہ آیا رؤیت جسد اصلی کی ہوگی یا مثالی کی یا غیر ہما؟ اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ مقام میں رؤیت اور مشاہدہ کے بارے میں اجمالاً روایات متواتر ہیں اور مسئلہ عند الشیعہ مسلمات سے ہے لہٰذا انکار تو کیا جاسکتا نہیں اور مقام میں علماء

کے لیے جو پیچیدگی ہے وہ یہ کہ ایک جسم آن واحد میں، ہزاروں مرنے والوں کے پاس کیسے آسکتا ہے لہٰذا وہ جسم مثالی وغیرہ کے قائل ہوئے ہیں۔ تو اس سوال یعنی آن واحد میں ائمہ طاہرینؑ ہزاروں مرنے والوں کے پاس کیسے حاضر ہو سکتے ہیں کے جواب میں دانشمند جلیل سید عبدالحسین طیب اپنی کتاب الکلم الطیب کے ص ۴۵۴ پر تحریر کرتے ہیں کہ یہ خاندان حق تعالیٰ کی تمام صفات کے بنحو اتم و اکمل مظہر ہیں خدا کی صفات سے ایک احاطہ بھی ہے اور یہ بزرگوار ان، اس صفت کے بھی مظہر ہیں اپنے وجودی سعہ کے ساتھ سب امکانی جہانوں پر احاطہ رکھتے ہیں اور سب جگہوں پر حاضر و ناظر ہیں اور یہ معنی زندگی اور زندگی کے بعد بلکہ عالم نورانیت میں بھی ان کے لیے ثابت ہے اور بہت سی آیات، روایات، زیارات اور دعاؤں کے جملوں سے استفادہ ہوتا ہے۔ جیسے آیہ شریفہ ﴿قل اعملوا فیسری الله عملکم و المؤمنون﴾ (سورہ توبہ، آیت ۱۰۵) اور پیغمبر کہہ دیجئے کہ تم لوگ عمل کرتے رہو کہ تمہارے عمل کو اللہ، رسول اور صاحبان ایمان یعنی ائمہ طاہرین سب دیکھ رہے ہیں۔ اور جیسے ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ (سورہ نساء، آیت ۴۱) اس وقت کیا ہوگا جب ہم ہر امت کو اس کے گواہ کے ساتھ بلائیں گے اور پیغمبر آپ کو ان سب کا گواہ بنا کر بلائیں گے۔

معلوم ہے کہ رؤیت اور شہادت کی شرط حضور، (حاضر ہونا) ہے۔ نمازوں کے سلام میں بطور مخاطب کہتے ہو السلام علیك ایها النبی و رحمة الله و برکاته۔ زیارت میں پیغمبرؐ اور ائمہ طاہرینؑ کو دور یا نزدیک سے مخاطب کے طور پر سلام دیتے ہو، مخاطب کے طور پر سلام دینے کی شرط حضور (حاضر ہونا) ہے۔ اسی طرح اپنے توسلات اور استغاثہ میں ان کے ساتھ بطور مخاطب التجاء کرتے ہو امام رضاؑ کی زیارت میں اور داخل ہونے کے لیے اجازت میں اس معنی میں شہادت دیتے ہو اشهد انك تسمع کلامی و تری مقامی و تردّ جوابی، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ (امام رضاؑ) میرے کلام کو سن رہے ہو اور مجھے دیکھ رہے ہو میرے سلام کا جواب دیتے ہو۔

کہا جاسکتا ہے کہ یہ مطلب تواتر معنوی یا اجمالی رکھتا ہے منتہی یہ کہ ہماری آنکھوں کے سامنے دنیاوی حجاب ہے مرتے وقت یہ حجاب (پردہ) اٹھالیا جاتا ہے۔ انتهی کلامه۔

میں ملک الموت کو حکم دوں گا کہ اس سے نرمی کرنا کیونکہ یہ مجھے اور میری اہل بیتؑ کو دوست رکھتا ہے اور اگر وہ ہم سے بغض رکھنے والا ہوگا تو ملک الموت کو حکم دوں گا کہ اس پر سختی کرنا کیونکہ یہ مجھے اور میری اہل سے بغض و عداوت

جزاہ، بہت پیارا اور متین جواب دیا ہے۔ درحقیقت یہ اللہ جل شانہ کی قدرت نمائی ہے۔ اور وہ علی کل شی قدیر ہے حضرات معصومین علیہم السلام اپنے نوری وجود کے ساتھ آن واحد میں ہر جگہ حاضر ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ بعض علماء نے مقام میں معصومینؑ کے متعدد مقامات پر حضور کے مسئلہ کا یہی جواب دیا ہے کہ نوری وجود پر کوئی محذور لازم نہیں آتا۔ نیز صاحب الکلم الطیب اپنی کتاب کے ص ۶۵۵ پر مرقوم فرماتے ہیں کہ مخفی نہ رہے کہ سِعہ اور احاطہ کا یہ مرتبہ (کہ تمام عوالم امکانیہ کا احاطہ رکھنا) محمد وآل محمد کے خصائص سے ہے لیکن دوسرے انبیاء سعہ اور ضیق کے حوالے سے مراتب میں مختلف ہیں لیکن سعہ کا یہ مرتبہ نہیں رکھتے لہٰذا زیارت میں بطور غیاب پڑھتے ہو: السلام علی آدم صفوة الله السلام علی نوح نبی الله تا السلام علی علی عیسی روح الله، لیکن پیغمبر اکرم ﷺ اور اسی طرح ائمہ ہدی علیہم السلام کے لیے بطور تخاطب پڑھتے ہو: السلام علیك یا رسول الله السلام علیك یا امیر المومنین تا آخر۔ چنانچہ حضرت معصومہ اور دوسری زیارات میں ہے۔ انتہی کلامہ

چنانچہ اسم اعظم کے تہتر حروف والی روایات کہ جس میں ہے کہ خدا نے بہتر کا علم محمد وآل محمد کو عطا فرمایا ہے، مذکورہ مطلب پر محکم دلیل ہے چونکہ محمد وآل محمدؐ اللہ کی پوری مخلوق پر حجت خدا ہیں۔

قابل غور بات: صاحب الکلم الطیب لکھتے ہیں کہ کسی روایت میں حضور (حاضر ہونے) کا لفظ یا محتضر مرنے والے کے پاس، آنے کا لفظ نہیں ہے بلکہ وہ دیکھتے ہیں یا پہچانتے ہیں یا اس طرح کی تعبیر آئی ہے۔ حالانکہ روایت میں أتاہ نبی الله و أتاہ علی و أتاہ جبرئیل و أتاہ ملك الموت کے الفاظ نقل ہوئے ہیں اللہ کے نبی کے آنے کا ذکر ہے اور اسی طرح علیؑ کے آنے کا ذکر ہے نیز جبرئیل اور ملک الموت کے آنے کا ذکر ہے۔

رکھتا تھا ہم سے سوائے مومن کے کوئی محبت نہیں کرتا اور سوائے مناق و شقی کے کوئی بغض نہیں رکھتا۔ [1]

امام صادق علیہ السلام سے حدیث میں ہے کہ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ محمد بن حنظلہ کہتا ہے میں نے امام علیہ السلام کی خدمت میں مرتے وقت کے حالات کے بارے میں ایک حدیث کی تصدیق کے بارے میں سوال کیا جو کہ ان کے والد گرامی سے بعض شیعوں نے روایت کی ہے تو امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس حدیث کی تصدیق فرمائی اور فرمایا یہ اس وقت ہوگا جب اللہ کے نبیؐ اور علی علیہ السلام جبرائیل اور ملک الموت آئیں گے۔ وہ فرشتہ، حضرت علیؑ کی خدمت میں عرض کرے گا اے علیؑ کیا فلاں شخص آپ اور آپ کی عترت و اہلبیت کو دوست رکھتا تھا؟ حضرت علی علیہ السلام فرمائیں گے: ہاں، وہ ہمیں دوست رکھتا تھا اور ہمارے دشمنوں سے بیزاری کرتا تھا۔ یہی بات رسول خداؐ جبرائیل کو فرمائیں گے اور جبرائیل اس کو بارگاہ الٰہی میں پیش کرے گا۔ [2]

۔۔۔إِذَا كَانَ ذَلِكَ أَتَاهُ نَبِيُّ اللهِ وَ أَتَاهُ عَلِيٌّ وَ أَتَاهُ جَبْرَئِيلُ وَ أَتَاهُ مَلَكُ الْمَوْتِ فَيَقُولُ ذَلِكَ الْمَلَكُ لِعَلِيٍّ ع يَا عَلِيُّ إِنَّ فُلَاناً كَانَ مُوَالِياً لَكَ وَ لِأَهْلِ بَيْتِكَ؟ فَيَقُولُ

۱۔ مناقب خوارزمی، ص۱۰۹۔

۲۔ کافی، ۳/ ۱۳۴؛ بحار الانوار، ۳۹/ ۲۳۹۔

نَعَمْ، كَانَ يَتَوَلَّانَا وَ يَتَبَرَّأُ مِنْ عَدُوِّنَا فَيَقُولُ ذٰلِكَ نَبِيُّ اللهِ لِجَبْرَئِيلَ، فَيَرْفَعُ ذٰلِكَ جَبْرَئِيلُ إِلَى اللهِ عَزَّوَ جَلَّ۔

البتہ مخفی نہ رہے کہ معصومین علیہم السلام کا ہر محتضر (ہر مرنے والے) کے پاس آنے کا عقیدہ رکھنا واجب ہے لیکن ان ذوات مقدسہ کے آنے کی کیفیت کے بارے میں کہ وہ کیسے آتے ہیں یہ جاننا ضروری نہیں ہے۔ (۱)

۳۔ نیز روایات میں ہے کہ ہر مرنے والا موت کے وقت اپنا مکان جنت یا دوزخ کو دیکھ کر مرتا ہے۔

مرتے وقت مومنین کے پاس شیطان آئے گا جو انہیں ولایت امیر المومنین علیؑ اور ائمہ طاہرینؑ سے ہٹانے کی کوشش کرے گا چونکہ روایت میں ہے کہ مرتے وقت انسان کو شدید پیاس لگے گی اور شیطان پانی کا پیالہ لے کر اس کے سامنے آئے گا اور اسے پانی کا لالچ دے گا کہ اگر تو عقیدہ ولایت سے ہٹ جائے تو پانی پلاؤں گا اگر خدانخواستہ مرنے والا ضعیف العقیدہ ہو تو وہ اس کے جال میں آجائے گا اور عقیدہ ولایت سے ہاتھ دھو بیٹھے گا اور شیطان پانی بھی نہیں پلائے گا بلکہ ہنستا ہوا چلا جائے گا۔

ا۔ بعض روایات کا مستفاد یہ ہے کہ قبر میں بھی حضرت علیؑ حاضر ہوتے ہیں کما فی الامالی للشیخ الصدوق المجلس ۸۳، ص ۴۵۰ اور تفسیر امام حسن عسکریؑ کے ص ۱۷۵ پر ہے کہ پیغمبر اسلامؐ حضرت علیؑ، امام حسن اور امام حسین علیہما السلام اور ان کے بعض خاص اصحاب بھی قبر میں حاضر ہوتے ہیں۔

حقاکہ شیطان، انسان کا عدوّ مبین ہے۔ اگرچہ شیطان، ہمیشہ کوشش کرتا ہے کہ مومنین کو عقیدہ ولایت ائمہ علیہم السلام سے ہٹائے لیکن مرنے کے وقت یہ اس کا آخری حربہ ہوتا ہے۔ خداوند متعال بحق محمد وآل محمد سب مومنین کو ولایت آل محمد پر ثابت قدم رکھے اور شیاطین کے شر اوروسواس سے محفوظ فرمائے۔

قبر میں سوال

شیعہ کا عقیدہ ہے کہ قبر میں عقائد کے بارے میں سوال ہوگا۔ بالخصوص عقیدہ توحید، کہ تیرا رب کون ہے؟ عقیدہ رسالت کہ تیرا نبی کون ہے؟ اور عقیدہ ولایت کہ تیرا امام کون ہے؟ امام رضا علیہ السلام اپنے آباء طاہرین کے واسطہ سے رسول خداؐ سے نقل فرمایا ہے کہ آپؐ نے حضرت علیؑ کو مخاطب کرکے فرمایا: بندہ سے مرنے کے بعد سب سے پہلا سوال توحید، رسالت اور تیری ولایت کا ہوگا جس کو اللہ نے قرار دیا ہے اور میں نے تیرے لیے قرار دیا ہے جو شخص اس کا اقرار کرے گا اور وہ اس کا معتقد بھی ہوگا وہ نعیم کی طرف چلا جائے گا جس کے لیے زوال نہیں۔ [1]

۱۔ بحار الانوار، ج۷، ص ۲۷۳۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: جو شخص چار چیزوں کا انکار کرے وہ ہمارے شیعوں سے نہیں ہے۔ معراج، قبر میں سوال، جنت اور دوزخ کی خلقت اور شفاعت۔

عن ابی عبد اللہ قال لیس منّا من انکر اربعة المعراج، و سؤال القبر و خلق الجنة و النار و الشفاعة۔ [1]

جنت اور دوزخ

شیعہ کا عقیدہ یہ ہے کہ جنت اور دوزخ خلق ہو چکی ہیں نہ یہ کہ بعد میں خلق ہوں گی۔ شیعہ کی دلیل قرآن کی آیات [2] اور معراج پیغمبرؐ ہے چونکہ پیغمبر اسلام نے جنت کی سیر کی ہے اور دوزخ کا مشاہدہ کیا ہے یہی وجہ ہے کہ حضورؐ نے معراج سے واپسی پر اپنے اصحاب کو جنت و دوزخ کے بارے میں جو کچھ وہاں دیکھا تھا بقدر ضرورت بیان کیا ہے۔ امام رضا علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جو کچھ جنت اور دوزخ کی فعلیت کا منکر ہے وہ آیات قرآن، اور معراج پیغمبرؐ کا منکر اور کافر ہے۔

۱۔ حق الیقین، ص ۱۷۶ (للسید الشبرّ)۔

۲۔ سورہ آل عمران، آیت ۱۳۳؛ سورہ نجم، آیات ۱۳۔۱۵ و آیات دیگر۔

قیامت کے دن سوالات

اگرچہ قیامت کے دن کئی ایک چیزوں کے متعلق پوچھا جائے گا لیکن بعض روایات میں آیا ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے محبت اور ولایت کے متعلق سوال ہوگا۔

رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا: اول ما یسأل عنہ العبد حبنا اہل البیت؛ سب سے پہلے بندے سے ہماری اہل بیتؑ کی محبت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔[۱]

ابو بصیر کہتے ہیں میں نے امام محمد باقرؑ سے سنا کہ فرمایا کرتے تھے سب سے پہلے بندے سے نماز کے بارے میں حساب لیا جائے گا اگر نماز قبول ہوگی تو سب اعمال قبول ہو جائیں گے۔[۲]

مذکورہ روایتیں آپس میں کوئی منافاۃ نہیں رکھتیں چونکہ پہلی حدیث عقیدہ کے مربوط ہے اور دوسری حدیث عمل کے مربوط ہے۔

نیز مخفی نہ رہے کہ سب اعمال کی قبولیت کی شرط ولایت آل محمد علیہم السلام ہے اور اس کی دلیل یہ آیت ہے: ﴿ ذٰلِكَ الَّذِي يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِينَ آمَنُوا

۱۔ بحار الانوار، ج۷، ص ۲۶۰۔

۲۔ بحار الانوار، ج۷، ص ۲۶۷۔

وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ قُلْ لا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَى وَمَنْ يَقْتَرِفْ حَسَنَةً نَزِدْ لَهُ فِيهَا حُسْنًا إِنَّ اللهَ غَفُورٌ شَكُورٌ﴾[1]۔

۔۔۔آپ کہہ دیجئیے کہ تم میں سے اس تبلیغ رسالت کا کوئی اجر نہیں چاہتا علاوہ اس کے میرے اقرباء سے محبت کرو اور جو شخص بھی کوئی نیکی حاصل کرے گا ہم اس کی نیکی میں اضافہ کر دیں گے بے شک اللہ بہت بخشنے والا اور قدر دان ہے۔

مودت اہل بیت اجر رسالت ہے اور جس نے اہل بیت سے مودت نہ کی اس نے اجر رسالت نہیں دیا لہٰذا اس کا کوئی عمل قبول نہیں ہے۔ اور آیت میں حسنہ سے مراد بھی ولایت اہل بیت ہے۔ اس نیکی سے مراد عام حسنہ بھی ہو تو اس کا محبت اہل بیتؑ کے مطالبہ کے بعد آیت میں ذکر ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ محبت اہل بیتؑ کے بعد جو نیکی بھی کی جاتی ہے خدائے کریم اس میں اضافہ کر دیتا ہے اور محبت اہل بیتؑ کے بغیر جو نیکی انجام دی جاتی ہے وہ فاقد اعتبار اور قبول نہیں ہے۔

امام صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا: سب سے پہلے بارگاہ الٰہی میں، میں حاضر ہوں گا پھر کتاب خدا قرآن، پھر میری اہل بیت پھر میری امت۔ یہ کھڑے ہوں گے تو خدا ان سے پوچھے گا کہ میری کتاب کے ساتھ کیا کیا اور اپنے پیغمبر کے اہل بیتؑ کے ساتھ کیا سلوک کیا۔[2]

۱۔ سورہ شوریٰ، آیت ۲۳۔

۲۔ بحار الانوار، ج ۷، ص ۲۶۵۔

امام موسی کاظم علیہ السلام نے اپنے اباء طاہرینؑ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول خداؐ نے فرمایا: کوئی بندہ اپنا قدم نہیں اٹھائے گا مگر یہ کہ اس سے چار چیزوں کے بارے میں سوال ہوگا اپنی زندگی کو کہاں صرف کیا، اپنی جوانی کو کہاں مبتلا کیا، اس کے مال کے بارے میں کہ کیسے کمایا اور کہاں خرچ کیا اور ہماری اہل بیتؑ کی محبت کے بارے میں، پوچھا جائے گا۔[۱]

امام محمد باقرؑ سے بھی اسی مضمون کی روایت مروی ہے اور امالی شیخ میں ہے کہ قوم سے ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہؐ آپ کی محبت کی علامت کیا ہے؟ فرمایا: اس کی محبت اور اپنا دست مبارک علی بن ابی طالبؑ کے سر مبارک پر رکھا[۲]۔ اور ابو برزہ کی روایت میں ہے کہ عمر نے کہا کہ آپؐ کے بعد آپؐ سے محبت کی علامت کیا ہے؟ حضور نے اپنا دست مبارک حضرت علیؑ جو کہ آپ کی جانب تشریف فرما تھے کے سر مبارک پر رکھا اور فرمایا: بے شک میرے بعد میری محبت کی نشانی ان کی محبت ہے۔[۳]

ارشاد رب العزت ہے: ﴿ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ﴾[۴]

۱۔ بحار الانوار، ، ج۷، ص ۲۵۸؛ مناقب علی بن ابی طالب لابن المغازلی، ص ۳۴۶؛ کفایۃ الطالب، ص ۳۲۴ عن ابی ذر؛ فرائد السمطین، ج۲، ص ۳۵۱ و کتب دیگر۔

۲۔ بحار الانوار، ج۷، ص ۲۵۹۔

۳۔ مقتل الخوارزمی، ص ۴۷۔

۴۔ سورہ تکاثر، آیت ۸۔

پھر تم سے اس دن ضرور بالضرور نعمت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں نعیم سے مراد ولایت ہے۔ [۱]

امام صادقؑ فرماتے ہیں: خدا کریم تر ہے اس سے کہ مومن سے کھانے پینے کے بارے میں سوال کرے۔ [۲]

﴿ وَقِفُوهُمْ إِنَّهُمْ مَسْئُولُونَ ﴾ [۳] ذرا ان کو ٹھہراؤ کہ ابھی ان سے کچھ سوال کیا جائے گا۔

اور وہ سوال ولایت کے بارے میں ہوگا۔ [۴]

قیامت کے دن مومنین جنت میں جائیں گے جنت کی نعمات اور آسائشات و لذات کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ اور کفار و مشرکین منافقین اور نواصب جہنم میں جائیں گے اور جہنم میں طرح طرح کے شدید اور دردناک عذاب ہیں اور یہ لوگ جہنم میں ہمیشہ ذلت و خواری اور سختی عذاب میں مبتلا رہیں گے۔

مومنین میں سے جو گناہ گار ہیں ان کے گناہوں کا کفارہ ممکن ہے اسی دنیا میں ہو جائے جیسے بیمار ہونا، یا مقروض ہونے یا ہمسایہ کے آزار و اذیت کی وجہ سے،

۱۔ بحار، ج ۷، ص ۲۶۶؛ ینابیع المودۃ، ص ۱۳۱، طبعہ حیدریہ؛ شواہد التنزیل، ج ۲، ص ۲۶۸۔

۲۔ بحار، ج ۷، ص ۲۷۲۔

۳۔ صافات، آیت ۲۴۔

۴۔ صواقع محرقہ، ص ۸۹؛ تفسیر روح المعانی، ج ۲۳، ص ۲۸؛ کفایۃ الطالب، ص ۲۴۷؛ تذکرۃ الخواص، ص ۱۷؛ فرائد السمطین، ج ۱، ص ۷۹؛ درر السمطین، زرندی حنفی، ص ۱۰۹۔

وغیرہ۔ اگران چیزوں سے بھی اس کے گناہ پاک نہ ہوئے تواس کی موت، کفارہ گناہ بن جائے گی اگر پھر بھی پاک نہ ہوں (مثلاً گناہوں کی زیادتی کی وجہ سے) تو قبر میں عذاب میں مبتلا ہوگا اور قبر سے گناہوں سے پاک ہو کر نکلے گا اگر پھر بھی گناہوں کی زیادتی کی وجہ سے پاک نہ ہوسکا تو محشر کی سختی سے پاک ہوجائے گا اگر پھر بھی گناہوں سے پاک نہ ہوا تو جہنم کے پہلے طبقہ میں رکھا جائے گا جب گناہوں سے پاک ہوجائے گا تو جنت میں چلا جائے گا۔ ممکن ہے کہ لیاقت رکھنے کی وجہ سے معصومین علیہم السلام کی شفاعت سے خدا اس کے گناہ بخش دے اور جنت میں چلا جائے۔

مخفی نہ رہے کہ جو بھی محمد وآل محمدؐ کا محبّ، اور ان کی ولایت رکھتا ہو اور ان کے دشمنوں سے بیزاری رکھتا ہو۔ وہ اگر گنہگار بھی ہو وہ مذکورہ مراحل کو طے کرنے کے بعد بالاخر جنت میں ضرور جائے گا۔ اور ممکن ہے کہ خدا اسے محمد وآل محمد کے صدقے میں بخش دے۔ نیز مخفی نہ رہے کہ شیعہ کا عقیدہ یہ ہے عصیان سے انسان عقاب کا مستحق ہوجاتا ہے یہ حتمی نہیں کہ وہ بالفعل ضرور عقاب دیکھے گا۔ ہوسکتا ہے کہ خدا اسے اپنی رحمت سے بخش دے کیونکہ وہ بہت بخشنے والا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ خدا کا عذاب بہت سخت ہے کسی صورت میں بھی اس کی نافرمانی نہیں کرنی چاہیے۔

اعراف

جنت اور دوزخ کے درمیان ایک اونچا ٹیلہ ہے ممکن ہے کہ قرآن میں حجاب سے مراد یہی ہو جس پر (لوگوں کی پہچان کی غرض سے) ہمارے نبیؐ اور ائمہ طاہرینؑ کھڑے ہوں گے اور جنتیوں اور جہنمیوں کو پہچانتے ہوں گے[۱]۔ اور اس مقام اعراف میں گناہگار مومنین کے گروہ بھی ہوں گے جو اپنے گناہوں کی وجہ سے جنت میں جانے سے ممنوع ہوں گے اور اپنے ایمان رکھنے کی وجہ سے جہنم میں بھی نہیں جائیں گے لیکن پیغمبرؐ اور ائمہ علیہم السلام کی شفاعت کے ساتھ جنت میں جانے کی اُمید رکھتے ہوں گے۔ جب یہ لوگ جہنمیوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے کہ خدایا! ہمیں ستمکار قوم کے ساتھ قرار نہ دینا تو خدا کے اذن سے معصومینؑ ان کی شفاعت کریں گے اور وہ جنت میں داخل ہو جائیں گے۔[۲]

قیامت کے بارے میں کلی اور موٹی موٹی باتوں کے متعلق ہم جانتے ہیں لیکن اس کی جزئیات اور سب حالات کا ہمیں علم نہیں ہے۔ حوض کوثر، میزان،

۱۔ و بینھما حجاب و علی الاعراف رجال یعرفون؛ اور ان کے درمیان پردہ ڈال دیا جائے گا اور اعراف پر کچھ لوگ ہوں گے جو سب کو ان کے چہروں سے پہچان لیں گے۔ (سورہ اعراف، آیت ۴۶)۔

۲۔ اعراف کے بارے میں اور آیت میں رجال سے کون مراد ہیں کی تفصیل کے لیے بحار الانوار، ج ۸، باب ۲۵ (اعراف و اھلھا) کی طرف رجوع فرما سکتے ہیں۔

نامہ اعمال کی تقسیم کہ اہل بہشت کو دائیں ہاتھ میں نامہ اعمال دیا جائے گا اور دوزخیوں کو بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ یہ سب چیزیں حق اور کلی طور پر معلوم ہیں۔ حوض کوثر کے بارے میں روایات میں منقول ہے کہ وہاں لاتعداد برتن ہوں گے۔ اور حوض کوثر کا شربت مومنین کو امیر المومنینؑ پلائیں گے اور منافقین کو حوض کوثر سے دور کریں گے۔ روایات میں ہے حضورؐ نے فرمایا: حوض کوثر پر ہر کوئی میری زیارت کرسکے گا مگر جو علیؑ کا دشمن ہوگا، میری زیارت نہیں کرسکے گا۔

محشر کے میدان میں لواء الحمد جو کہ رسول خداؐ کا آخرت میں جھنڈا ہے جس کے سوا کوئی اور سایہ نہیں ہوگا اور وہ جھنڈا حضرت علی علیہ السلام کے دست مبارک میں ہوگا، سب انبیاء و اوصیاء اور مومنین اس کے نیچے ہوں گے، پوری مخلوق کے لیے یہی سایہ ہوگا۔[1]

شیعہ کا عقیدہ ہے کہ قیامت کے دن ہر شخص کو صراط سے گزرنا ہوگا۔ اور روایات میں ہے کہ صراط پر سات پلیں ہیں، ہر پل کا طول سترہ ہزار فرسخ ہے اور ہر پل پر ستر ہزار فرشتے ہوں گے، جو پہلی پل پر امت محمدؐ کے ہر فرد مرد و

۱۔ مناقب علی بن ابی طالب لابن المغازلی، ص ۵۶ و کتب دیگر۔

عورت سے ولایت علی علیہ السلام اور اہل بیت محمدؐ کی محبت کے بارے میں سوال کریں گے جو عقیدہ ولایت اور محبت رکھتا ہوگا وہ بجلی کی طرح گزر جائے گا اور جو ان کا محبّ نہیں ہوگا وہ جہنم میں گر جائے گا اگرچہ اس کے پاس ستر صدیوں کے نیک اعمال بھی ہوں۔[۱]

ابوبکر کا بیان ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا: لا یجوز احد الصراط الا من کتب له علی الجواز؛ قیامت کے دن کوئی شخص پل صراط سے نہیں گزر سکے گا مگر یہ کہ اس کے ہاتھ میں علی علیہ السلام کے ہاتھ کا لکھا ہوا پروانہ ہو۔[۲]

بعض روایات میں ہے کہ کوئی جنت میں داخل نہیں ہوگا مگر یہ کہ علی بن ابی طالب سے پروانہ لے کر آئے۔[۳]

اور بعض میں صراط کا ذکر ہے اس طرح کی روایات مختلف الفاظ کے ساتھ اہل سنت کی بہت سی کتب میں موجود ہیں۔[۴]

۱۔ بحار الانوار، ج۷، ص۳۳۱۔ ۳۳۲۔

۲۔ صواعق محرقہ، ص۱۲۶۔

۳۔ مناقب علی بن ابی طالب لابن المغازلی، ص۱۲۰۔

۴۔ ذخائر العقبیٰ ص ۷۱؛ فرائد السمطین، ج۱، ص ۲۹۲؛ المناقب خوارزمی، ص ۳۲۰؛ الریاض النظرۃ فی مناقب عشرہ مبشرہ، ص ۱۳۷ باب مناقب علیؑ و کتب دیگر۔

شفاعت

مخفی نہ رہے کہ ذاتاً اور استقلالاً شفاعت کا سب اختیار خدا کے لیے ہے چنانچہ ارشاد ربّ العزت ہے: ﴿قُلْ لِلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا﴾[1] کہہ دیجئیے کہ شفاعت کا سب اختیار اللہ کے ہاتھوں میں ہے۔

﴿مَا لَكُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا شَفِيعٍ﴾[2]

اور تمہارے لیے اس کو چھوڑ کر کوئی سرپرست یا سفارش کرنے والا نہیں ہے۔

لیکن اس کے اذن سے اس کے مقرب بندوں کا شفاعت کرنا آیات و روایات سے ثابت ہے اور اصل مسئلہ شفاعت مذہب شیعہ کی ضروریات سے ہے۔

چنانچہ ارشاد رب العزت ہے: ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ﴾[3]

کون ہے جو اس کی بارگاہ میں اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے۔

﴿مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ﴾[4]

کوئی اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کرنے والا نہیں ہے۔

۱۔ سورہ زمر، آیت ۴۴۔

۲۔ سورہ سجدہ، آیت ۴۔

۳۔ سورہ بقرہ، آیت ۲۵۵۔

۴۔ سورہ یونس، آیت ۳۔

﴿وَلا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ إِلا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ﴾[1]

اس کے یہاں کسی کی سفارش بھی کام آنے والی نہیں ہے مگر وہ جس کو خود اجازت دے دے۔

﴿وَلا يَشْفَعُونَ إِلا لِمَنِ ارْتَضَى﴾[2]

اور فرشتے کسی کی سفارش بھی نہیں کر سکتے مگر یہ کہ خدااس کو پسند کرے۔

﴿وَكَمْ مِنْ مَلَكٍ فِي السَّمَاوَاتِ لا تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا إِلا مِنْ بَعْدِ أَنْ يَأْذَنَ اللهُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَرْضَى﴾[3]

اور آسمانوں میں کتنے ایسے فرشتے ہیں جن کی سفارش کسی کام نہیں آسکتی جب تک کہ خدا۔ جس کے بارے میں چاہے اور اسے پسند کرے۔ اجازت نہ دیدے۔

﴿يَوْمَئِذٍ لا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَرَضِيَ لَهُ﴾[4]

اس دن کسی کی سفارش کام نہ آئے گی سوائے ان کے جنہیں خدا نے اجازت دیدی ہو اور وہ ان کی بات سے راضی ہو۔

۱۔ سورہ سبا، آیت ۲۳۔

۲۔ سورہ انبیاء، آیت ۲۸۔

۳۔ سورہ نجم، آیت ۲۶۔

۴۔ سورہ طہ، آیت ۱۰۹۔

اور اللہ نے ہمارے نبی حضرت محمد مصطفیؐ کو شفاعت کا حق دیا ہے۔

﴿عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَحْمُودًا﴾ (۱)

عنقریب آپ کا پروردگار اس طرح آپ کو مقام محمود تک پہنچا دے گا۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے اباء طاہرینؑ کے واسطہ سے رسول خداؐ سے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: جب میں مقام محمود پر کھڑا ہوں گا تو اپنی امت کے بڑے گناہگاروں (اصحاب کبائر) کی شفاعت کروں گا پس اللہ میری شفاعت ان کے حق میں قبول فرمائے گا بخدا قسم جن لوگوں نے میری ذریت کو اذیتیں پہنچائی ہیں ان کی شفاعت نہیں کروں گا۔ (۲)

ابن عباس سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: پانچ چیزیں مجھے عطا ہوئی ہیں کہ مجھ سے پہلے کسی کو عطا نہیں ہوئیں، جن میں ایک شفاعت ہے۔ اعطیت الشفاعة (۳)۔ مجھے شفاعت دی گئی ہے۔

ایک حدیث میں حضور اکرمؐ فرماتے ہیں جو میری شفاعت پر ایمان نہیں رکھتا خدا اس کو میری شفاعت نصیب نہیں فرمائے گا۔ (۴)

۱۔ سورہ بنی اسرائیل، آیت ۷۹۔

۲۔ بحار الانوار، ج۸، ص ۳۷۔

۳۔ بحار الانوار، ج۸، ص ۳۸۔

۴۔ بحار الانوار، ج۸، ص ۵۸۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں جو شخص تین چیزوں کا انکار کردے وہ ہمارے شیعوں سے نہیں ہے ان میں سے ایک شفاعت ہے۔[۱]

قیامت کے دن ہمارے نبیؐ اور ان کی اہل بیت علیہم السلام، شفاعت فرمائیں گے۔ انبیاء، اوصیاء، ملائکہ، قرآن، علماء اور شیعیان علی علیہ السلام بھی شفاعت کریں گے۔ اور یہ شفاعت صرف صاحبان ایمان، گنہ گار مومنین کی ہوگی۔

کفار و مشرکین، منافقین اور نواصب کو ہرگز شفاعت شامل نہیں ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں اگر ملائکہ مقربین اور انبیاء مرسلین بھی کسی ناصبی کی شفاعت کریں تو ان کی شفاعت پذیرفتہ نہیں ہے (البتہ وہ ناصبی کی شفاعت ہرگز نہیں کریں گے)

سماعہ بن مہران نے ابوالحسن علیہ السلام سے روایت کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے فرمایا: جب تجھے کوئی حاجت ہو، کہو خدایا! میں تیری بارگاہ میں بحق محمد و علی سوال کرتا ہوں، کیونکہ ان کی تیرے نزدیک بڑی شان اور قدر ہے اسی شان اور قدر کا واسطہ محمد اور محمد کی آل پر درود بھیج اور میری حاجت کو پورا کردے کیونکہ جب قیامت کا دن ہوگا کوئی ملک مقرب، نبی مرسل، مومن ممتحن نہیں ہوگا مگر یہ کہ وہ اس دن ان دو (محمد و علی علیہما السلام) کا محتاج ہوگا۔[۲]

۱۔ بحار الانوار، ج۸، ص ۳۷۔

۲۔ بحار الانوار، ج۸، ص۵۹۔

شفاعت کے بارے میں بہت روایات پائی جاتی ہیں مزید تفصیلات کے لیے بحار الانوار ج ۸ باب شفاعت اور کتب دیگر کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

نوٹ: مخفی نہ رہے کہ بحار الانوار، روایات آل محمد علیہم السلام کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ہے۔ علامہ باقر مجلسی نے اس عظیم الشان کتاب کو تحریر کرکے مذہب حقہ شیعہ کی بہت بڑی خدمت کی ہے چونکہ روایات ضائع ہو رہی تھیں اور انہوں نے بڑی ہمت کرکے روایات کو جمع کیا ہے اس کتاب میں بعض ضعیف روایات کی وجہ سے، اصل کتاب کو غیر معتبر قرار نہیں دیا جاسکتا اور تحقیق کا میدان وسیع ہے۔

ازالہ شبہ:

بعض آیات میں جو شفاعت کی نفی آئی ہے مثلاً ﴿فَمَا تَنفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ﴾ [1]

تو انہیں سفارش کرنے والوں کی سفارش بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گی۔

اس آیت میں اصل شفاعت کی نفی نہیں ہے بلکہ ضمناً شفاعت ثابت ہے کہ سفارش کرنے والوں کی سفارش ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گی۔

معلوم ہوا شفیع ہیں لیکن ان لوگوں کو جن کا ذکر آیت میں آیا ہے کو شفاعت کا فائدہ نہیں پہنچے گا۔ کیونکہ ان کے چار جرم تھے۔ ایک نماز گزار نہیں تھے،

۱۔ سورہ مدثر، آیت ۴۸۔

مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے، برے کاموں میں شامل ہو جایا کرتے تھے، قیامت کی تکذیب کرتے تھے۔ ﴿وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ﴾[1]

روایات کے قطع نظر خود ان آیات میں دقت کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات کفار کے بارے میں ہیں چونکہ کوئی مسلمان قیامت کا انکار نہیں کرتا چونکہ قیامت اصول دین اور ضروریات دین سے ہے۔

جیسا کہ ذکر کیا جاچکا ہے کہ کفار و مشرکین شفاعت سے محروم ہیں۔ ہاں جو مسلمان نماز کو سبک شمار کرتے ہوئے نماز نہ پڑھے وہ شفاعت ائمہ طاہرینؑ سے محروم رہے گا۔

﴿وَاتَّقُوا يَوْمًا لا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلا هُمْ يُنْصَرُونَ﴾[2] اس دن سے ڈرو جس دن کوئی کسی کا بدل نہ بن سکے گا اور کسی کی سفارش قبول نہ ہوگی نہ کوئی معاوضہ لیا جائے گا اور نہ کسی کی مدد کی جائے گی۔

یہ آیت یہودیوں کے مربوط ہے جنہوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا اور حق کے ساتھ عداوت کی اور انبیاء کو قتل کیا، ان کے بارے میں کوئی شفاعت قبول نہیں ہے۔

۱۔ سورہ مدثر، آیات ۴۳ تا ۴۶۔

۲۔ سورہ بقرہ، آیت ۴۸۔

خلاصہ یہ کہ اصل شفاعت مسلمات سے ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ بنص قرآن حضورؐ تو دنیا میں بھی شفیع ہیں:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللهَ تَوَّابًا رَحِيمًا﴾ (۱)

کاش جب ان لوگوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا تھا تو آپؐ کے پاس آتے اور خود بھی اپنے گناہوں کے لیے استغفار کرتے اور رسول بھی ان کے حق میں استغفار کرتا تو یہ خدا کو بڑا ہی توبہ کرنے والا مہربان پاتے۔

اور سورہ منافقون کی آیت نمبر ۵ میں منافقین کی مذمت کی گئی ہے کہ وہ رسول کے پاس کیوں نہیں آتے کہ رسولؐ ان کے لیے استغفار کرتے۔

جنت کے سردار کون؟

ابی سعید خدری نے رسول خداؐ سے نقل کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

الحسن و الحسین سیدا شباب اهل الجنة؛ (۲)

۱۔ سورہ نساء، آیت ۶۴۔

۲۔ سنن ترمذی، ۲، ص ۳۰۶؛ خصائص امیر المومنین (نسائی) ص ۱۲۳؛ مسند احمد؛ تاریخ بغداد ۹، ص ۲۳۱؛ حلیۃ الاولیاء، ج ۵، ص ۷۱۔

حضور نے فرمایا: حسن اور حسین (علیہما السلام) جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔[۱]

اور حذیفہ کی روایت میں ہے: و ابوھما افضل منھما[۲]؛ اور حسنینؑ کے والد، علیؑ ان سے بھی افضل ہیں۔

ابن عمر نے رسول خداؐ سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: الحسن و الحسین سیدا شباب اھل الجنۃ و ابوھما خیر منھما[۳]؛ حسن اور حسین جنت کے جوانوں کے سردار ہیں اور ان کے والد (علیؑ) ان سے بھی بہتر ہیں۔ محدث گنجی نے اپنی کتاب میں ایک اور سند کے ساتھ اس روایت کو نقل کیا ہے۔ نقل احادیث کے بعد لکھتے ہیں: و انضمام ھذہ الأسانید بعضھا الی بعض دلیل علی صحتہ۔ ان سندوں کا بعض کو بعض کے ساتھ ضمیمہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

۱۔ مخفی نہ رہے کہ جنت میں سوائے حضرت ابراہیمؑ کے سب جوانی کی حالت میں ہوں گے لہٰذا یہ روایت کہ فلاں فلاں جنت کے بوڑھوں کے سردار ہوں گے یہ روایت جعلی ہے۔

۲۔ کفایۃ الطالب، ص ۳۴۲؛ تاریخ بغداد، ج۱۰، ص ۲۳۰؛ کنز العمال، ج۷، ص ۱۰۸۔

۳۔ کفایۃ الطالب ص ۳۴۱؛ تاریخ ابن عساکر، ۴، ص ۲۰۶؛ فرائد السمطین ۲، ص ۹۹، مخفی نہ رہے کہ یہ روایت انس صحابی سے بھی مروی ہے ترجمہ الامام الحسن من تاریخ دمشق، ص ۸۲، و کذا عن غیرہ ایضا۔ و کتب دیگر۔

عن ابن عباس أن النبی (ص) نظر الی علی بن ابی طالب فقال انت سید فی الدنیا و سید فی الاخرة من أحبك فقد احبنی و من ابغضك فقد ابغضنی و بغیضك بغیض الله فالویل کل الویل لمن أبغضك۔ (۱)

ابن عباس نے رسول خداؐ سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے علی بن ابی طالبؑ کی طرف نگاہ کرکے فرمایا کہ تو دنیا و آخرت کا سردار ہے جس نے تجھ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی جس نے تجھ سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا تیرے غیض و غضب سے خدا کا غضب ہے ویل ہو اور سب ویل ہو اس کے لیے جو تجھ سے بغض رکھے۔

جنتی عورتوں کی سردار

قال النبی (ص): فَاطِمَةُ سَیدةِ نساءِ أهلِ الجَنَّةِ۔ (۲)

پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا: (میری بیٹی) فاطمہ جنتی عورتوں کی سردار ہے۔ (۳)

۱۔ نور الابصار ص ۱۶۴، باب مناقب علی بن ابی طالب۔

۲۔ صحیح بخاری، باب مناقب فاطمہ علیہا السلام؛ فتح الباری، شرح صحیح بخاری، کتاب فضائل الصحابہ، باب ۲۹، مناقب فاطمة علیہا السلام، ج ۷، ص ۱۳۱؛ (و با اضافہ سنن ترمذی ۲/ ۲۰۷؛ مسند احمد ۵/ ۳۹۱؛ کفایة الطالب ۴۲۲؛ حلیة الاولیاء ۴/ ۱۹۰؛ کنز العمال ۶/ ۲۱۷؛ مستدرک علی الصحیحین ۳/ ۳۸۱۔

۳۔ حضرت مریمؑ اپنے زمانہ کی عورتوں کی سردار تھیں اور حضرت فاطمہ علیہاالسلام سب جہانوں کی عورتوں کی سردار ہیں۔

ذر سوا چیں: کہ آپ سب نیک اعمال نماز، روزہ، حج، زکوۃ وغیرہ کس لیے انجام دیتے ہیں؟ آخرت کے لیے (یعنی جنت کے لیے) اگر آپ کا جواب بھی آخرت ہی ہے۔ تو آخرت میں جنت کے سرداروں کا دامن تھام لیں یقین جانیے جو آخرت کے سردار ہیں وہی دنیا کے بھی سردار ہیں۔ آؤ اب بھی وقت ہے کہ محمد و آل محمد علیہم السلام کا دامن تھام لو چونکہ روح نکلنے کے ساتھ توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اپنی عاقبت کو تباہ و برباد نہ کریں اور جہنم کا ایندھن نہ بنیں۔ بڑا خوش نصیب ہے وہ انسان جس کا عقیدہ بھی صحیح ہو اور عمل بھی صحیح ہو خدایا بحق محمد و آل محمد علیہم السلام ہر ایک کو حق سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرما، آمین ثم آمین۔

محبت آل محمدؐ

بنص قرآن، آل محمد علیہم السلام سے مودت واجب ہے، چنانچہ ارشاد رب العزت ہے ﴿قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ﴾ (۱)

۱۔ سورہ شوریٰ، آیت ۲۳۔
مخفی نہ رہے کہ ابن عباس اور قتادہ سے مروی ہے کہ سورہ شوریٰ کی یہ آیت مودت۔ آیت نمبر ۲۳۔ اور اس کے بعد والی تین آیات مدنی ہیں (اگرچہ یہ سورہ مکی ہے) اس چیز کو اہل سنت کے کئی ایک مفسرین نے اپنی تفاسیر میں ذکر کیا ہے۔ تفسیر فتح القدیر ج ۴، ص ص ۴۶۷ و کتب دیگر۔
نیز مخفی نہ رہے کہ آیت مودت نسخ بھی نہیں ہوئی جیسا کہ بغوی نے اپنی تفسیر میں کہا ہے۔ معالم التنزیل فی التفسیر والتاویل، ج ۵، ص ۴۹، ہذا اولاً۔

آپ کہہ دیجئیے کہ میں تم سے اس تبلیغ رسالت کا کوئی اجر نہیں چاہتا علاوہ اس کے کہ میرے اقربا سے محبت کرو۔

اور قربیٰ سے سے مراد علی، فاطمہ، حسن اور حسین علیہم السلام ہیں[۱]۔ امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں قربی، ائمہ طاہرین ہیں۔[۲]

امیر المومنین علیؑ سے فرماتے ہیں تم پر تمہارے نبی کی آل کی محبت لازم ہے کیونکہ یہ تم پر اللہ کا حق ہے۔[۳]

پیغمبر اسلامؐ فرماتے ہیں: مَعْرِفَةُ آلِ مُحَمَّدٍ بَرَاءَةٌ مِنَ النَّارِ وحُبُّ آل محمد جوازٌ على الصراط وَ الْوَلايَةُ لِآلِ محمد أمانٌ مِنَ الْعَذَابِ۔[۴]

وثانیاً، اگر آیت مودت نہ بھی ہوتی تو تب بھی عترت و اہل بیت علیہم السلام کی مودت لازم تھی جیسا کہ حدیث ثقلین اور دوسری کئی ایک حدیثوں میں ہے۔

وثالثاً، اگر آیت مودت نسخ ہو گئی تھی تو امام سجاد علیہ السلام، شام میں اپنی اسیری کے دوران شامی شخص سے اپنی مودت پر اس آیت سے تمسک نہ کرتے حالانکہ انہوں نے اس آیت کا حوالہ دیا ہے۔ تفسیر ابن کثیر دمشقی، ج ۴، ص ۱۲۶۸ و کتب دیگر۔

۱۔ معجم کبیر ۳/ ۴۷؛ فضائل الصحابہ لابن حنبل، ۲/ ۶۶۹؛ صواعق محرقہ، تفسیر کشاف ۳/ ۴۰۲؛ در منثور سیوطی ۷/ ۳۴۸؛ شواہد التنزیل، ج ۲، ص ۱۳۱؛ مناقب علی بن ابی طالب لابن المغازلی، ص ۳۳۹ و کتب دیگر۔

۲۔ الکافی، ۱/ ۴۱۳؛ المحاسن، ۱/ ۲۴۱۔

۳۔ غرر الحکم۔

۴۔ فرائد السمطین ۲/ ۲۵۷ و کتب دیگر۔

حضورؐ فرماتے ہیں آل محمد کی معرفت آگ سے رہائی ہے اور آل محمد کی محبت صراط پر گزرنے کا پروانہ ہے اور آل محمد کی ولایت، عذاب سے امان کا (موجب ہے)۔

امام صادق علیہ السلام نے اپنے والد گرامی سے اور انہوں نے امام زین العابدینؑ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: رسول خداؐ ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے پاس علی، فاطمہ، حسن اور حسین علیہم السلام بھی تھے تو آپؐ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ بشیر مبعوث کیا ہے روئے زمین پر مخلوق میں سے کوئی بھی خدا کے نزدیک ہم سے محبوب تر اور گرامی تر نہیں ہے خدا نے اپنے ناموں میں سے میرے نام کو مشتق کیا وہ محمود ہے اور میں محمد ہوں، اے علی آپ کے لیے اس نے اپنے ناموں سے نام مشق کیا ہے وہ اعلیٰ ہے اور تو علی ہے۔ اے حسن تیرے لیے اس نے اپنے ناموں سے نام مشتق کیا ہے وہ محسن ہے اور تو حسن ہے، اے حسین تیرے لیے اس نے اپنے ناموں سے نام مشتق کیا ہے وہ ذوالاحسان ہے اور تو حسین ہے، اے فاطمہ تیرے لیے اس نے اپنے ناموں سے تیرے نام کو مشتق کیا ہے وہ فاطر ہے اور تو فاطمہ ہے پھر فرمایا: اے اللہ میں تجھ کو گواہ کر کے کہتا ہوں میں ہر اس شخص سے صلح رکھتا ہوں جو ان سے صلح رکھے اور ہر اس شخص سے جنگ کرتا ہوں جو اِن سے جنگ کرے، جو ان سے محبت کرے میں ان سے محبت رکھتا ہوں اور جو اِن سے بغض رکھے میں اس سے بغض رکھتا ہوں جو اِن سے عداوت رکھے

میں اس کا دشمن ہوں جو ان سے دوستی کرے میں اس کا دوست ہوں کیونکہ یہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔ (۱)

شیخ صدوق فرماتے ہیں سادات کے بارے میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ وہ آل رسول ہیں اور ان کی مودّت واجب ہے کیونکہ یہ اجر رسالت ہے اللہ پاک نے فرمایا ﴿قُلْ لا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَى﴾ آپ کہہ دیجئیے کہ میں تم سے اس تبلیغ رسالت کا کوئی اجر نہیں چاہتا علاوہ اس کے کہ میرے اقرباء سے محبت کرو سادات پر صدقہ حرام ہے کیونکہ یہ لوگوں کے ہاتھوں کی میل کچیل ہے البتہ سادات ایک دوسرے کے صدقات لے سکتے ہیں زکوۃ کے بدلے خمس ان کے لیے حلال ہے کیونکہ یہ زکوۃ لینے سے منع کیے گئے ہیں۔

اور ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ جو سادات میں سے گنہگار ہو اس پر دوہرا عقاب ہے (ایک تو عمل برا کرنے کی وجہ سے اور دوسرا عقاب اس لیے ہے کہ سید ہو کر برا عمل کرتا ہے) اور جو اِن میں نیک ہو اس کے لیے دوہرا ثواب ہے۔

اور سادات ایک دوسرے کے کفو ہیں چونکہ حضورؐ نے جب حضرت ابو طالبؑ کے بیٹوں علیؑ اور جعفر طیارؑ کی طرف نگاہ کی تو فرمایا ہماری بیٹیاں ہمارے بیٹوں کے لیے ہیں اور ہمارے بیٹے ہماری بیٹیوں کے لیے ہیں (۲)۔

۱۔ معانی الاخبار (صدوق) ص ۵۵۔

۲۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؑ کی سب بیٹیوں کی شادیاں اپنے ہی خاندان میں ہوئی ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں جو شخص اللہ کے دین کی مخالفت کرے اور اللہ کے دشمنوں کو دوست رکھے یا اولیاء اللہ (یعنی ائمہ طاہرینؑ) سے عداوت رکھے ایسے شخص سے براءۃ رکھنا واجب ہے خواہ وہ کوئی بھی ہو جس قبیلہ سے بھی ہو۔[1]

شیعہ کا عقیدہ یہ ہے کہ محمد وآل محمد علیہم السلام کے قاتلوں سے بیزاری کرنا واجب ہے نیز ان لوگوں سے جنہوں نے محمد وآل محمد علیہم السلام پر ظلم کیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ محمد وآل محمد علیہم السلام کے دشمنوں پر تبرّا اور لعنت کرنے کا عقیدہ رکھنا یہ اہم واجبات سے ہے خواہ وہ دشمن کوئی بھی ہو۔ جو محمد وآل محمد علیہم السلام کے دشمنوں پر تبرّے کا منکر ہے وہ مذہب حقہ شیعہ سے خارج ہے بلکہ اسلام سے خارج ہے۔

عزاداری سید الشہداء امام حسین علیہ السلام

امام حسینؑ نے کربلا کے میدان میں عظیم اور بے مثال قربانیاں دے کر اسلام کو پھر زندہ کر دیا چونکہ بنی امیہ نے رسول خداؐ کی کئی سنتوں کو تبدیل کر دیا تھا اور شریعت کو پامال کر دیا تھا اور منبروں پر (نعوذ باللہ) حضرت علیؑ پر سبّ وشتم جاری کر رکھی تھی۔ بنی امیہ کی ایک میٹنگ میں ان کے بزرگ نے کہا تھا حکومت کو گیند کی طرح گھماؤ اور بنی امیہ کو اس کی میخیں قرار دو یہ تو

۱۔ رسالہ اعتقادات، شیخ صدوق، باب الاعتقاد فی العلویۃ۔

صرف ایک بادشاہت ہے میں نہیں جانتا کوئی جنت بھی ہے اور کوئی نار بھی ہے[1]۔ اوریزید ملعون نے اپنے اشعار میں خدا، رسول، قرآن اور وحی کاانکار کرکے شریعت محمدؐ کامذاق اڑایا تھا۔

یزید خود تارک الصلوٰۃ، شارب الخمر، ماؤں بہنوں، بیٹیوں سے برائی کرتا تھا اور ،بندروں سے کھیلتا تھا، جامعہ اسلامی میں فحشاء کا رواج دیتا تھا، امام حسین علیہ السلام نےیزیدی حکومت کے خلاف قیام کرکے اپنے نانا کی شریعت کو بچالیا آج اگر نماز ہے تو حسین بن علیؑ کی وجہ سے ہے آج اسلام جو باقی ہے وہ حسین بن علیؑ کی وجہ سے ہے۔ چونکہ اگرامام حسینؑ عظیم قربانی نہ دیتےتوآج شریعت کاوجود نہ ہوتا۔

ہم کربلاکے شہیدوں کاسوگ اس لیے مناتے ہیں تاکہ ان کی یاد زندہ رہے۔ تاریخ میں واقعہ کربلاکے بہت مثبت اثرات رونما ہوئے ہیں اگرچہ سید الشہداء امام حسینؑ اور ان کے سب ساتھی کربلامیں شہید ہوگئے اور ان کی خواتین کو قیدی بناکر بھرے بازاروں میں سر ننگے پھرایا گیالیکن شہادت امام علیہ السلام کے بعد بنی امیہ کے خلاف لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور بنی امیہ کی حکومت کاخاتمہ کردیا۔ تو یہ بیداری عاشوراکی وجہ سے تھی آج بھی قیام حسینؑ زندگی اور جہاد کا درس دیتا ہے عزاداری کے مراسم میں ایک عظیم ولولہ اور جوش پایا جاتا ہے

ا۔ نصائح کافیہ، ص ۱۱۰۔

عزاداری ظلم کے خلاف، احتجاج اور مقابلہ ہے۔ عزاداری ہی کے ذریعہ حسینیت اور یزیدیت کے درمیان فرق کا پتہ چلتا ہے۔ مجالس عزاء حسین علیہ السلام، اسلام کی تبلیغ کا ذریعہ ہیں جن میں معارف اسلامی اور عبادات کا ذکر ہوتا ہے۔ اسی عزاداری کی برکت سے کئی ہزار لوگوں نے مکتب اہل بیت علیہم السلام کو قبول کرلیا ہے۔

انہی مجالس عزاء میں فضائل اور مصائب آل محمدؐ بتائے جاتے ہیں تاکہ لوگوں کو پتہ چل جائے کہ خلافت غدیر اور ہے اور خلافت سقیفہ اور ہے۔ عزاداری سید الشہداء امام حسین علیہ السلام اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کار ثواب، موجب نجات، اور خوشنودی خدااور محمد وآل محمدؐ کا عظیم ذریعہ ہے چونکہ اسلام کی بقاء عاشورا کی وجہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رہبر انقلاب آیت اللہ العظمیٰ آقای خمینیؒ فرماتے ہیں: ماہر چہ داریم از محرم و صفر داریم؛ ہمارے پاس جو کچھ ہے محرم و صفر کی برکت سے ہے۔ یہی وجہ ہے طول تاریخ میں ہمارے علماء فقہاء مجالس عزاداری اپنے گھروں اور امام بارگاہوں میں برپا کرتے رہے ہیں اور مومنین کو عزاداری کی برپائی کے بارے میں تاکید فرماتے رہے ہیں اور فرما رہے ہیں حقیر کی بھی مومنین کو یہی تاکید ہے کہ مراسم عزاداری کو بھرپور

طریقے سے برپا کریں معترضین اور نادانوں کے وسوسوں کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔(۱)

مراسم عزاداری میں عَلَم حضرت عباس نکالنا، شبیہ ذوالجناح نکالنا، امام بارگاہ اور گلی کوچوں سڑکوں پر ماتم کرنا، سبیل لگا کر پیاسوں کو پانی پلانا، عزادار مومنین کو اطعام (نیاز) کھلانا، عزاداری امامؑ کی خاطر سیاہ لباس کا پہننا، گریہ و زاری، ماتم داری اور نوحہ خوانی کرنا یہ سب کام، کار ثواب اور خوشنودی محمد وآل محمد علیہم السلام کا ذریعہ ہیں۔ ائمہ طاہرین علیہم السلام کا اپنے شیعوں کو یہی حکم ہے کہ وہ یاد حسینؑ کو زندہ رکھیں۔ اور قبر حسین علیہ السلام کی زیارت کو بھی نہ بھولیں۔

امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں حسین بن علیؑ کی مظلومیت پر گریہ بڑے بڑے گناہوں کو مٹا دیتا ہے(۲)۔ آئمہ طاہرینؑ حکومتوں کی سختی کی وجہ سے چونکہ تقیہ کی زندگی میں رہے ہیں لیکن اس کے باوجود اپنے گھروں میں مجالس عزا برپا کی ہیں اور دیگر مناسب موقعوں پر یاد حسینؑ میں گریہ و زاری کی ہے۔ زیارت ناحیہ میں امام زمانہؑ اپنے جد حسینؑ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ میں صبح و شام آپ کی مظلومیت پر آنسوؤں کے بدلے خون روتا ہوں۔ نیز سید

۱۔ عزاداری کے بارے میں معترضین کے شبہات کے جوابات کے لیے ہمارے رسالہ پاسخ بہ شبہات و اعتراضات بہ عزاداری امام حسینؑ (بزبان فارسی) کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔
۲۔ عوالم العلوم، ج ۱۷، ص ۵۳۸ (از امالی شیخ صدوق) و کتب دیگر۔

ساجدین امام زین العابدین علیہ السلام کا اپنے والد بزرگوار کے مصائب پر خون کے آنسوؤں سے گریہ کرنا کتب میں منقول ہے۔ اب کوئی دنیا کے چار ٹکوں کی خاطر مسلمات کا انکار کردے تو یہ اس کی اپنی مرضی ہے۔ کسی کو کیا معلوم کہ کربلا اور بازار کوفہ و شام میں آل محمدؐ پر کیا گزری؟ علیؑ کی بیٹیوں کو بھرے بازاروں میں ننگے سر پھرانا یہ کوئی معمولی مصائب نہیں ہے۔

مدارک و ماخذ کتاب

قرآن مجید

نہج البلاغہ

کافی

کفایۃ الاثر

من لایحضرہ الفقیہ

کمال الدین و تمام النعمۃ

بحار الانوار

اثباۃ الہداۃ

وسائل الشیعہ

مستدرک الوسائل

جامعہ احادیث الشیعہ

رسالہ اعتقادت صدوق

رسالہ اعتقادات مفید

رسالہ اعتقادات مجلسی

ارشاد مفید

کفایۃ الموحدین

المراجعات

الکلم الطیب

مقدمہ منہاج الصالحین

الالھیات مع تلخیصھا

عقائد امامیہ

دروس اعتقادات

منتخب الاثر

تفسیر قمی

تفسیر برہان

تفسیر میزان

تفسیر البصائر

عیون اخبار الرضاؑ

کتاب التوحید

امالی صدوق

الخصال

مناقب آل ابی طالب

کفایہ شیخ طوسی

فلک النجاۃ

حق الیقین
مستند المناظرین بزبان فارسی (مؤلف)
اجماعیات فقہ الشیعہ
وکتب دیگر

کتب اہل سنت

صحیح بخاری
صحیح مسلم
سنن ترمذی
سنن ابی داؤد
سنن نسائی
سنن ابن ماجہ
خصائص نسائی
مسند احمد
مستدرک حاکم
مجمع الزوائد
تاریخ دمشق
تاریخ بغداد
تاریخ طبری
تاریخ کامل
مناقب خوارزمی
ذخائر العقبیٰ
کفایۃ الطالب
کنز العمال
استیعاب
ینابیع المودۃ
نور الابصار
تہذیب اسنی المطالب
تہمید باقلانی
شرح مقاصد
شرح تجرید قوشجی
تفسیر کشاف
تفسیر کبیر
تفسیر ابن کثیر
تفسیر در منثور

تفسیر بیضاوی
تفسیر غرائب القرآن
تفسیر الاتقان
تفسیر قاسمی
تفسیر طبری
تفسیر معالم التنزیل
تفسیر فتح القدیر شوکانی
تفسیر مظہری
تفسیر نسفی
تفسیر المنیر فی العقیدہ والشریعۃ
فتح الباری
نیل الاوطار شوکانی
الفقہ علی المذاہب الاربعۃ
صواعق محرقہ
شواہد النبوہ
الفاروق شبلی نعمانی
فرائد السمطین
تاریخ کبیر بخاری
مسند ابی یعلی
فتاوی عبد الحیی
عینی شرح کنز الدقائق
تہذیب التہذیب عسقلانی
سُبُل الہدی
فتاویٰ ابن حجر
احکام القرآن
کتاب الولایۃ
وکتب دیگر

آیۃ اللہ شیرازی صاحب کے مطبوعہ و غیر مطبوعہ قلمی آثار

ناشر: مؤسسہ جواد الائمہ علیہم السلام

۱. وضوء النبی (ص) ـــ مطبوع

۲. صلاۃ النبی (ص) ـــ مطبوع

۳. صراط النجاۃ ـــ مطبوع

۴. اجوبۃ الاسئلۃ ـــ مطبوع

۵. عقائد الشیعہ ـــ کتاب حاضر

۶. علمی رسائل ـــ مطبوع

اعتقادی سوالوں کے جوابات

رسالہ عزاداری امام حسین علیہ السلام

فضائل صلوات

۷. فضائل الشیعہ

۸. الموضوعات

۹. قواعد الحدیث واصطلاحاتہ ـــ مطبوع

۱۰. کردار بنو امیّہ

۱۱. آداب الدعاء

۱۲. دفع الشبہات عن الامام المھدی (ع)

۱۳. دفع الشبہات عن ایمان سیدنا ابی طالب (ع) ـــ مطبوع

۱۴. دفع الشبہات عن الاجتہاد والتقلید

۱۵. التحقیق فی آیۃ الغار

۱۶. پاسخ بہ شبہات واعتراضات بہ عزاداری امام حسینؑ (بزبان فارسی)۔ مطبوع

۱۷. حقیقت چیست؟ بضمیمہ رسالہ تحقیقی بیعت رضوان (فارسی)۔ مطبوع

۱۸. تفسیر آیہ تطہیر (فارسی) — مطبوع

۱۹. مستند المناظرین (فارسی)

۲۰. پاسخ بہ یک شبہہ (فارسی) — مطبوع

۲۱. رسالۃ فی صلاۃ العیدین (عربی) — مطبوع

۲۲. رسالۃ فی صلاۃ الجمعہ (عربی)

۲۳. الشھادۃ الثالثۃ (عربی) — مطبوع

۲۴. الحاشیۃ علی منہاج الصالحین "لسماحۃ السید الخوئی رہ" (عربی)

۲۵. اولاد المعصومین بضمیمہ رسالہ العدل — مطبوع

۲۶. البیان — مطبوع

۲۷. مختصر توضیح المسائل (اردو) — مطبوع

۲۸. و کتب دیگر